

# آخري چنان

حصہ اول

ششم حجازی

## فہرست

03	پیش لفظ
40	بہا حصہ --- بغداد
72	طاہر کے نئے دوست اور دشمن
97	صفیہ
118	قاسم کا انتقام
139	طاہر بن یوسف
155	حصہ دوم --- خلفیہ کا ایچی
172	ایک آنکشاف
188	تیمور ملک
215	ثیرا
237	سپاہی کی بیٹی
259	سپاہی اور تاجر
275	دعوتِ عمل

## پیش لفظ

”آخری چنان“ کا مسودہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ داستان لکھتے وقت میں سوچا کرتا تھا کہ شاید چنگیزی دور کے موئرخین نے جن کے بیانات سے میں متاثر ہوا ہوں، تاتاریوں کے مظالم بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہو، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ صرف ایک سال کے بعد میں اپنے گھر کو وحشت و بربریت کی اس آگ کی پیٹ میں دیکھوں گا جس نے چند صدیاں قبل عالم اسلام کے بہترین شہروں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

چنگیزی دور کا ایک موئرخ لکھتا ہے کہ اگر میں تاتاریوں کے تمام مظالم بیان کروں تو ڈر ہے کہ آنے والی نسلیں مجھے جھوٹا کہیں گی، اور آج میں محسوس کرتا ہوں کہ مشرقی پنجاب میں وحشیوں کے ایک گروہ کی آنے والی نسلیں بھی اپنے ان اسلاف کے کارنا موں کو جھٹا ایں گی جنہوں نے وحشت و بربریت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

مشرقی پنجاب کے واقعات جس قدر المناک ہیں، اسی قدر سابق آموز بھی ہیں۔ ہم ہندوستان میں اپنی تاریخ کے ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس مرحلے پر ایک صحیح قدم ہمیں اوج ثریا تک اور ایک غلط قدم تحت الفری تک پہنچا سکتا ہے۔

اگر ہم چاہیں تو مشرقی پنجاب کے شہیدوں کا خون بے نہی کے آنسوؤں سے دھوڑا لیں اور چاہیں تو اس خون کی روشنائی سے پاکستان کا روشن ترین باب لکھا ڈالیں

ان واقعات سے قوم کے ان دردمندوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو اس

انقلابی دور میں بھی قوم کے ہر درد کے علاج کے لیے ”تازہ بیان“ اور ”نئی قرار دادیں“ کافی سمجھتے ہیں۔ اگر کل تک انھیں کوئی خوش نہیں تھی تو آج وہ دور ہو جانی چاہتی ہے۔ اگر قوت کا جواب منطق سے دیا جائے تو تاتاریوں کا سیاہ بخارا اور بغداد کو نابود کرتا ہوا صریک نہ جا پہنچتا۔ وہ الفاظ جن کی تائید کے لیے شمشیر نہ ہو، کسی قوم کی تقدیر نہیں بدل سکتے اور وہ قلم جو خون میں تیرنا نہیں سیکھتا، تاریخ کے صفحات پر کوئی پاسیدار نقش بنانے سے قاصر رہتا ہے۔

”آخری چنان“ ہمارے ماضی کا ایک آئینہ ہے اور اس آئینے میں ہم اپنے حال کے خدوخال دیکھ کر اپنے مستقبل کو سنوار سکتے ہیں، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ قدرت کسی قوم کی سیاسی غلطیاں معاف نہیں کرتی۔

”آخری چنان“ میں قوم کے ان نوجوانوں کو پیش کرتا ہوں جنہوں نے اپنے کندھوں پر پاکستان کی عظیم الشان تعمیر کا بوجھاٹھایا ہے۔

نسیم حجازی

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء



پہلا حصہ

## یوسف بن ظہیر

تحراء عرب سے اسلام کا چشمہ پھوٹا اور وہ ریگ زارِ تھیں صدیوں سے کسی سیاح نے قابل توجہ نہ سمجھا تھا، زمانے کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت جس آفت اب ہدایت کی منتظر تھی، وہ فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا۔

اس دن جب آمنہ کے لال، عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کے پوتے کا نام محمد تجویز کیا جا رہا تھا، مصورِ فطرت دنیا کے نقشے میں ایک نیا رنگ بھر رہا تھا۔ قدرت اقوام عالم کی رہنمائی عربوں کو سونپ رہی تھی اور مورخ تاریخ عالم کا ایک نیا باب لکھ رہے تھے۔ رحمت کے فرشتے، غالی اور جہالت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی مجروح انسانیت کو حریت اور راخوت اور مساوات کا سبق دے رہے تھے۔

عرب کے تھرانشیں لات و ہبل کو توڑ کر اٹھنے اور دنیا پر رحمت کی لکھتا بن کر چھا گئے اور ان کے لوہے نے ہر لوہے کا کائن۔ ان کی تہذیب، تمدن اور اخلاق نے ہر تہذیب ہر تمدن اور ہر اخلاق پر فتح حاصل کی۔ انہوں نے دنیا سے فساد کے درخت کی جڑیں کاٹیں اور باغ آدم میں اپنے خون سے صلح و امن کے درخت کی آبیاری کی۔ کفر کی تاریکیاں دوپہر کے سائے کی طرح سمٹ رہی تھیں۔ قیصر و کسرائی کے استبداد کے محل مسار ہو چکے تھے۔ غازیان اسلام کی فتوحات کا جھنڈا ایک طرف کوہ البرز کی برفانی چوٹیوں اور دوسری طرف افریقہ کے پتے ہوئے ریگ زاروں میں لہر رہا تھا۔ ان کے گھوڑے بیک وقت مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں اپین کے دریاؤں کا پانی پی رہے تھے۔ تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ایک مورخ حیران ہو

کریں یہ سوال کرتا ہے کہ عربوں کے گھوڑوں کی رفتار غیر معمولی تھی یا قدرت نے ان کے سامنے زمین کو سمٹنا سکھا دیا تھا؟

یہ ایک انقلاب تھا۔ ایک روشن انقلاب۔ قدرت نے عرب کے ریت کے ذریعوں کو ستاروں کی چمک عطا کی اور انھیں دنیا کے تاریک ترین گوشوں میں بکھیر دیا۔

لیکن چھ سو سال کے بعد ایک اور انقلاب آیا۔ ایک تاریک انقلاب! شاید اسلام کے چراغ نے جس تاریکی کا کئی صدیوں تعاقب کیا تھا۔ چاروں اطراف سے سست کر عحرائے گوبی میں پناہ لے چکی تھی۔ شاید اس آگ کی چنگاریاں جسے عرب کے پانی سے بھایا جا چکا تھا۔ عحرائے گوبی کی ٹھنڈی ریت میں دب کر سلگ رہی تھیں اور چھ سو برس سے اس انتظار میں تھیں کہ خرم ان اسلام کے محافظ کب سوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خرم ان اسلام کے محافظ ایک مدت سے اونگھر ہے تھے اور کفر کی آگ چھ سو برس اس لیے دلبی ہی کہ قرون اولیٰ کے مجاہدین کی داستانیں اس کے لیے پانی کے چھینٹوں کا کام دیتی رہیں۔ دشمنان اسلام کو دولت عباسیہ کے کھوکھلے محل بھی اس قوم کے ناقابل تنفس قلعے دکھاتی دیتے تھے جس کے اسلاف نے پہلی صدی ہجری میں دنیا کے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے تاج اپنے پاؤں تلے روند ڈالے تھے۔ قریباً چھ سو سال کے بعد جبر و استبداد کی وہ ہوس جوروم و ایران کی سطوت کے کھنڈروں میں سور ہی تھی، عحرائے گوبی کے ایک چروانہ ہے کے وجود میں نمودار ہوتی۔ اس چروانہ ہے کا نام تمدن تھا، بعد میں وہ چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ دنیا کا وہ فاتح جس کے اقبال کا سفینہ خون کے دریا میں تیرتا تھا، جس کے مقدار میں خلمت کے طوفانوں کی رہنمائی تھی۔ اسی چنگیز خان کی قیادت میں منگولیا کے

وہشی قبائل ایک آندھی کی طرح اٹھئے اور تہذیب کا ہر چراغ بجھاتے ہوئے دنیا کے چاروں طرف چھاگئے۔ چھسو برس قبل جو بادل صحرائے عرب سے نمودار ہوئے تھے، انہوں نے باغ آدم پر رحمت کے موتی نچھا ور کیے تھے لیکن چھسو برس بعد صحرائے گولی سے جو آندھی نمودار ہوتی۔ اس میں بادلوں کے بجائے پھٹے ہوئے آتش فشاں پیاروں کا دھواں تھا اور اس دھوئیں کے بادلوں کے لحاف میں اس آتشیں مادے کا بے پناہ سیااب تھا، جو شہروں اور بستیوں کو جلاتا ہوا گزر گیا۔ بابل، نینوا اور پوپی آنی کے کھنڈر دیکھ کر انسان کی روح قدرت کے جن تحریکی عناصر کی ہمہ گیری کا اعتراف کرتی ہے۔ وہ تاتاریوں کے آتشیں طوفان کے سامنے بے حقیقت بن کر رہ جاتے ہیں۔

(۲)

مہذب دنیا کے لیے چنگیز خان کا افواج کا طریق جنگ بالکل نیا تھا۔ دنیا ان کے لیے ایک وسیع شکارگاہ تھی۔ خانہ بدوش تاتاریوں کے پاس گھوڑوں کی کمی نہ تھی۔ بھیڑ بکریوں کے علاوہ وہ گھوڑوں کے گوشت اور دودھ پر گزارہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ جنگل کے ہر جانور کا گوشت کھا جاتے تھے۔ صحرائے گولی میں شہروں اور بستیوں کا نام نہ تھا۔ اگر کہیں بارش ہو جاتی تو یہ خانہ بدوش وہاں جانکلتے اور جب تک ان کے موئیشی گھاس کا آخری تنکا تک نہ چڑھ لیتے، وہ وہیں رہتے اور پھر جب کوئی مسافر کہ پیغام دیتا کہ نلاں مقام پر بارش کے چند چھینٹے پڑے ہیں تو وہ ادھر کارخ کر لیتے۔ بعض اوقات نئی چڑاگاہوں کی تلاش میں ایک قبیلے کی دوسرے قبیلے سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی اور طاقت و راپنے کمزور حریف کے مویشیوں پر قابض ہونے کے علاوہ اس کے زن و مرد کو بھی غلام بنالیتا۔ اس لیے کمزور قبائل اپنی حفاظت کے لیے

متعدد ہو کر کسی طاقت و راہمی کو اپنا امیر بنانے لیتے تھے۔ سر دیوں میں شمال کی سر دہواؤں سے یہ تمام علاقہ کرہ زمہریہ بن جاتا۔ ریت کے تو دوں پر برف کی چادر بچھ جاتی۔ چارہ نہ ہونے کی وجہ سے مویشیوں کا دودھ سوکھ جاتا اور وہ گرمیوں کے بچائے ہوئے خشک گوشت پر گزارہ کرتے۔ کبھی کبھی تیز آندھیاں ان کے خیسے اڑا کر لے جاتیں اور ان کے مویشیوں کو ادھر ادھر کر دیتیں۔

ذلت کے ساتھ ایک دامنی جنگ نے ان لوگوں کو حد درجہ جفا کش بنادیا تھا۔ وہ کئی کئی دن تک لمحوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ سکتے تھے اور کئی کئی دن بھوکے رہ کر اڑ سکتے تھے۔

چنگیز خان نے بڑے بڑے سرداروں کی سر کو بیکرنے کے بعد انھیں اپنا مطبع فرمان بنا لیا۔ پھر خانہ بدوش تاتاریوں کے سامنے ان ممالک کے نقشے پیش کیے، جہاں لہلہاتے باغات، ہر سبز کھیتیاں اور سدا بہار چراگا ہیں تھیں۔ لوٹ مار کی ہوں نے تمام خانہ بدشوں کو چنگیز خان کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ تاتاری ہمسایہ ممالک پر بھوکے عقابوں کی طرح جھیٹے اور وہ اقوام جنھیں پر امن زندگی نے تن آسان بنادیا تھا، ان کے حملوں کی تاب نہ لاسکیں۔ چند برس میں چنگیز خان کی افواج شمال اور مشرق کے کئی ممالک پر قبضہ کر چکی تھیں۔ ہمسایہ سلطنتیں ان کی فتوحات کی رفتار پر حیران تھیں۔ وہ ایک ایک دن میں کئی کئی منازل طے کرتے اور بیک وقت کئی مقامات سے دوسرے ممالک پر یلغار کر دیتے۔ ان ممالک کی افواج حملہ آوروں کو روکنے کے لیے کسی ایک سرحد پر جمع ہوتیں، چنگیز خان کی فوج کا ایک حصہ ان کا مقابلہ کرتا اور باقی افواج مختلف سمتوں سے ملک میں داخل ہو کر شہروں اور بستیوں پر قبضہ کر کے سلطنت کا تمام نظام مفلوج کر دیتیں۔ بعض اوقات یوں بھی

ہوتا کہ کسی ملک کا سپہ سالار تاتاریوں کی پیش قدمی سے باخبر ہو کر ان کا راستہ روکنے کے لیے سرحد پر پڑا وڈا دیتا۔ اس کے جاسوس اسے ہر روز یہی خبر دیتے کہ جملہ آوروں کا رخ اسی طرف ہے۔ لیکن ایک صبح کوئی ایچی یہ پیغام لے کر آ جاتا کہ چنگیز خان کی باتی افواج نے دوسری سرحد عبور کر کے دار الحکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔

تاتاریوں کی حیرت انگیز کامیابی کا راز ان کی رفتار میں تھا۔ وہ گھوڑوں کی بُنگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے۔ ہر سوار کے ساتھ کئی کئی گھوڑے ہوتے تھے۔ جب ایک گھوڑا تھک جاتا تو سوار دوسرے گھوڑے پر بیٹھ جاتا۔ یلغار کے وقت سوار کو اگر بھوک محسوس ہوتی تو وہ گھوڑے کی پیٹھ پر زخم کر کے اس کے خون کے چند گھونٹ چوں لیتا۔ لمبے سفر میں بھی تاتاری اپنے ساتھ بہت ٹھوڑا اسامان رسداً مختلط تھے۔ جنگل میں وہ فال تو گھوڑے کھایتے اور راستے کے شہروں اور بستیوں سے مویشی چھین لیتے۔ اگر کسی شہر کے باشندے مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے تو تاتاری صرف ان لوگوں کو قتل کرتے جنکیں سپاہیانہ خدمت کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ تاہم ہر سپاہی مفتوق حکوم کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا اپنا حق سمجھتا تھا۔

اگر کوئی شہر مزاحمت کے بعد فتح ہوتا تو مکانوں کو آگ لگادی جاتی اور لیکنوں کو قتل کر دیا جاتا۔ ہر فوج کا جرنیل اپنے سپاہیوں کو فتح کی یادگار تعمیر کرنے کا حکم دیتا اور تاتاری سپاہی نوجوانوں کے علاوہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے سرکاث کر مینار بنادیتے۔ پھر جس فوج کا مینار سب سے بلند ہوتا، اس کے افسروں اور سپاہیوں کو چنگیز خان شباباش دیتا۔ بعض اوقات دو سپاہیوں میں اس بات پر جھگڑا بھی ہو جاتا کہ تمہارا مینار اندر سے کھو کھلا ہے ورنہ آج میری فوج نے زیادہ سرکاث ہے۔ یہ وہ قوم تھی جس کے ہاتھوں عالم اسلام کی عربت ناک تباہی مقدر ہو چکی تھی۔

اس عالم اسلام کی تباہی، جو انتشار اور لامرکزیت کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ ان مسلمانوں کی تباہی جو غفلت کی نیند سور ہے تھے، جو احکام الہی پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تاویلیں گھڑنے کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کے پاس آدمی دنیا کو فتح کرنے والے اسلاف کی تواریخ اب بھی تھیں لیکن اسلاف کا ایمان نہ تھا۔

(۳)

مدینے سے کوئی ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی کی مسجد میں صبح کی نماز کے بعد شیخ احمد بن حسن قرآن و حدیث کا درس دے رہے تھے۔ طاہر بن یوسف مسجد میں داخل ہوا اور شیخ کی طرف دیکھنے لگا۔

طاہر کی عمر کوئی بائیس سال کے قریب تھی۔ اس کے دراز قد، سڑوں جسم اور حسین چہرے میں غایت درجہ کی شوکت اور دل فربیتی تھی۔ نگاہوں میں عقاب کی سی بے با کی اس کی ذہانت کی آئینہ دار تھی۔

احمد بن حسن نے سوال کیا۔ ”تیار ہو آئے؟“

”جی ہاں! میں امی جان سے رخصت ہو آیا ہوں۔“

احمد بن حسن نے شاگردوں کو رخصت کیا اور اٹھ کر نوجوان کے ساتھ مسجد سے باہر نکل آئے۔

مسجد کے دروازے سے باہر شیخ کا ایک نوکر گھوڑا لیے کھڑا تھا۔ جو سفر کے لیے ضروری سامان سے لیس تھا۔ احمد بن حسن نے گھوڑے کی گردن پر تھکی دی۔ گھوڑے نے گردن اٹھائی، کان کھڑے کر لیے اور اگلا سم زمین پر مارنے لگا۔

احمد بن حسن نے مسکراتے ہوئے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”تمہارا گھوڑا

کہہ رہا ہے کہ دھوپ تیز ہو رہی ہے، ہمیں جلد رخصت کرو! طاہر! میرے ذہن میں اس وقت کوئی ایسی بات نہیں جو میں تم سے بار بار پہلے نہیں کہہ چکا۔ بغداد تمہارے لیے ایک نئی دنیا ہو گی۔ وہاں تم جیسے نوجوان کے لیے بننے اور بگزرنے کے ہزاروں سامان موجود ہیں۔ چاہو تو اس باغ کے کانتوں سے الجھ کر رہ جاؤ۔ چاہو تو اپنا دامن مہکتے ہوئے پھولوں سے بھر لو۔ بغداد خوبیوں اور برائیوں کا مرکز ہے۔ لیکن اب برائیاں زیادہ ہو رہی ہیں اور خوبیاں کم۔ تمہیں کئی تلمذیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور کئی حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا ہو گا۔ قاضی خخر الدین میر اخظ پڑھ کر یقیناً تمہارے لیے بہت کچھ کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ ان کی مدد سے تم دربار خلافت تک رسائی حاصل کر سکو۔ دربار خلافت پر ترک اور ایرانی امراء کا غلبہ ہے۔ وہ تمہارا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ لیکن مجھے تمہاری صلاحیتوں پر بھروسہ ہے۔ تم علم کے گہرے دریاؤں کی سیر کر چکے ہو۔ مدینے کے بہترین دماغ تمہاری ذہانت پر رشک کرتے ہیں۔ مومن کی زندگی کا دوسرا جو ہر سپہ گری ہے اور تم تلوار سے کھلینا بھی جانتے ہو۔ اس وقت تالمیم اسلام کو تمہارے علم سے زیادہ تمہاری تلوار کی ضرورت ہے۔ بغداد میں قاضی خخر الدین تمہارے لے بہترین رہنمایا ثابت ہوں گے۔ اگر ان کے ویلے سے تم کوئی باند مرتبہ حاصل کر لوتو یہ بات یاد رکھنا کہ امارت کا نشہ براہوتا ہے۔ خدا کی خوشنودی کو خلینہ کی خوشنودی پر مقدم سمجھنا اور ہمیشہ خیال رکھنا کہ تم عبد الملک بنے کے لیے نہیں، عبد اللہ بنے کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ اپنی دولت کے لحاظ سے تم بغداد کے امیر ترین آدمیوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ میں نے ان جواہرات میں سے ایک ہیرا ایک جو ہری کو دکھایا تھا اور اس کے مجھے بتایا تھا کہ کہ اس کی قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ میں نے ان میں سے پانچ بڑے بڑے

ہیرے رکھ لیے ہیں۔ وہ میرے پاس امانت رہیں گے۔ اس کے علاوہ میں نے تجارت میں تمہارا حصہ رکھا تھا۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہارے لیے یہاں ایک باغ خرید لوں؟“

نوجوان نے کہا۔ ”مجھے آپ نے مجبور کیا ہے ورنہ میں تو اتنی دولت ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔“

شیخ نے کہا۔ اس کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے اور بعقدر جا کر تمہیں محسوس ہو گا کہ میری رائے صحیح تھی۔ ہاں اس دولت سے کہیں زیادہ قیمتی چیز تمہارے پاس صالح الدین کی تواریخ اور تم اس کا حق ادا کرنا جانتے ہو۔ اب چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے..... ائمہ کہاں ہے؟“

”وہ میرے ساتھ جانے پر بھند تھا۔ میں نے نوکر کے ساتھ شہر شیخ دیا ہے۔“

گھوڑے کی باغ پکڑتے ہوئے ظاہر نے مصالغے کے لیے شیخ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن شیخ نے مصالغے کی بجائے اپنے ہاتھ پھیلادینے اور آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگایا۔

”میرے بیٹے! اس نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔ ”تمہاری جدائی ہمارے لیے بہت صبر آزمائیں گے۔ خدا تمہارے نیک ارادوں میں برکت دے۔“

احمد سے بغل گیر ہونے کے بعد نوجوان نے خدا حافظ کہہ کر مصالغے کے لیے دوبارہ ہاتھ بڑھایا لیکن احمد نے کہا۔ ”تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ!“

”نہیں! مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔“ یہ کہہ کر نوجوان نے گھوڑے سے اترنے کی کوشش کی لیکن شیخ نے اسے ہاتھ سے روکتے ہوئے کہا۔ بیٹا! مجھے ایک مجاہد کے گھوڑے کی باغ پکڑنے کی سعادت سے محروم نہ کرو۔ اگر صدقیق اکبر اسامہ بن

زید کے گھوڑے کی باغ تھام کر اپنے سر مبارک فخر سے اونچا کر سکتے تھے تو مجھے بھی آج اپنی خوش بختی پر ناز ہے۔ بڑھاپے میں میرے نحیف ہاتھ اگرچہ تلوار نہیں اٹھا سکتے لیکن ان میں تمہارے گھوڑے کی باغ تھامنے کی قوت ابھی باقی ہے۔ خوش بخت ہے وہ قوم جس کے افراد جوانی میں تلواروں سے کھیلتے ہیں اور بڑھاپے میں اپنے بچوں کے گھوڑوں کی باغ پکڑ کر انھیں میدان جہاد کا راستہ دکھاتے ہیں۔“

احمد بن حسن طاہر کے گھوڑے کی باغ پکڑے ہوئے نخلستان سے باہر نکلے۔ وہ کچھ دور اور اس کے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن طاہر نے کہا۔ ”آپ زیادہ تکلیف نہ کیجئے، مجھے اجازت دیجئے۔“

احمد بن حسن نے گھوڑے کی باغ طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”طاہر! میں نے سنا ہے کہ بغداد کے درختوں کی چھاؤں بہت ٹھنڈی ہوتی ہے۔ بیٹا وہاں جا کر سونہ جانا اور وہاں زید کا خیال رکھنا۔ وہ بہت سیدھا آدمی ہے۔ بغداد کے امراء کے ہوشیار اور چالاک نوکروں سے اس کا مقابلہ نہ کرنا۔ اس کی سادگی کبھی کبھی حماقت کی حد تک پہنچ جاتی ہے لیکن اس کی بہادری اور ایثار اس کی ہر کوتا ہی کی تلافی کرتا ہے۔“

طاہر نے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھیے، میں اسے اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں۔“

احمد بن حسن نے خدا حافظ کہہ کر گھوڑے کی باغ چھوڑ دی۔

(۳)

طاہر بن یوسف اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب صلاح الدین ایوبؑ کی تلوار عالم اسلام کی طرف یورپ کی عیسائی طاقتوں کی یلغاررو کے ہوئے تھے۔ گز شتم

صدی میں ترکان سلجوق نے ایک طرف بغداد کے عباسی خلفاء کی قیادت میں آرمینیا، ایشیائے کوچک اور شام میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی اور دوسری طرف باز نظینی سلطنت سے بحیرہ روم کے بہت سے ساحلی علاقوں چھین لیے تھے ۳۶۲ء میں سلجوقی ترکوں نے بازنظینی افواج کو ملازم جرو کے مقام پر فیصلہ کن شکست دی۔ سلجوقی ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہو کر پوپ ارمنیانی نے پوپ کی اپیل ایک عرصے کے لئے کوئی خاطر خواہ نہ تائی پیدا نہ کر سکی۔ یورپ کے بادشاہ سلجوقیوں کی تلواروں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لیے پوپ کی طرف سے فقط ثواب آخرت کا وعدہ کافی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں دنیا کی منفعت کے لیے سلجوقیوں سے نبردا آزم� ہونا شکار کے لیے عقاب کے گھونسلے میں ہاتھ ڈالنے سے کم خطرناک نہ تھا۔

لیکن اس زمانے میں ایک فرانسیسی راہب اٹھا اور اس نے اچانک یورپ کے عوام کو عالم اسلام کے خلاف مشتعل کر دیا۔ اس راہب کا نام پطرس تھا۔ اس نے صلیب اٹھانی اور گدھے پر سوار ہو کر تمام یورپ کا چکر لگایا۔ اس کے پھٹے پرانے لمباں اور ننگے پاؤں سے مظلومیت برستی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انتقام کی چنگاریاں تھیں اور زبان پر زہر میلے شتر تھے۔ وہ جہاں جاتا لوگ اس گرد جمع ہو جاتے۔ وہ ارض مقدس پر سلجوقیوں کے مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا۔ خود روتا اور دوسروں کو رلاتا۔ عوام اس کی ہر تقریر کے اختتام پر صلیب کی حرمت کے لیے قربان ہو جانے کی قسمیں کھاتے۔ عوام کا جوش و خروش دیکھ کر یورپ کی ہر چھوٹی اور بڑی سلطنت کے حکمران عالم اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہلال کے خلاف صلیب کی تمام قبیلی قوتیں یکجا ہو چکی تھیں۔ لیکن ملک

شہا کی وفات تک یہ سیا ب رکارہا۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد سلطنت نکڑے ہو گئی۔ اس کے تنزل کی رفتار ہندوستان میں اور نگ زیب عالمگیر گی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کے تنزل کی رفتار بھی تیز تھی۔

سات سال کے عرصے میں مغرب کی طرف عالم اسلام کا وہ دفاعی سورچ جسے یورپ کی عیسائی سلطنتیں ناقابل تغیر تبحصی تھیں، خود بخود ثبوت گیا اور ۱۴۹۱ء میں عیسائیت کا سیا ب عالم اسلام پر املا آیا۔

بغداد میں سلطنت عباسیہ نے ترکان سلطوق کے زوال پر اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ عیسائیت کے خوف ناک سیا ب کی روک تھام کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ ایک سال کے اندر اندر عیسائیوں نے سلطوقیوں کی رہی سہی طاقت کچل ڈالی اور یروشلم کے علاوہ شام کے بہت سے شہروں اور بندرگاہوں پر قابض ہو گئے۔ اور فلسطین اور شام کے چند علاقوں ملک ایک عیسائی سلطنت قائم کر دی۔ یہ سلطنت عالم اسلام کے سینے پر ایک خنجر تھی۔

قریباً پچاس سال کے بعد عالم اسلام کا مدعاونہ جذبہ عmad الدین زنگی کی شخصیت میں نمودار ہوا۔ اور اس کے جان تو ڑھلوں نے صلیب کے نمبرداروں کے دلوں میں غازیان اسلام کی پرانی بیت زندہ کر دی۔ بغداد کے عباسی خلیفہ کی طرف سے ابتداء میں اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور اس کی شجاعت کی داستانیں سن کر مختلف اطراف سے عالم اسلام کے ہزاروں سرفروش اس کے جھنڈے تلنے جمع ہونے لگے لیکن سلطنت کے اندر ورنی خلفشار کے باعث وہ اپنا کام پورا نہ کر سکا اور ارض مقدس میں عیسائی سلطنت کا ٹمٹما تا ہوا چراغ بجھتے بجھتے ہوئے نجح گیا۔ لیکن ۱۵۸۲ء میں مصر

میں صلاح الدین ایوبی کا اقتدار اس چراغ کے لیے ہوا کا آخری جھونکا ثابت ہوا۔ ارض مقدس پھر ایک بار غازیانِ اسلام کے سمندراقبال کے بوئے لے رہی تھی، یورپ کی عیسائی طاقتوں کو صلاح الدین ایوبی کی تلواریں جو قیوں کی تلواروں سے کہیں زیادہ خطرناک نظر آنے لگی اور فرانس، جرمنی اور انگلینڈ کے علاوہ یورپ کی تمام عیسائی سلطنتیں اپنی مذہبی دل افواج کے ساتھ مشرق میں عیسائیت کے اقتدار کے گرتے ہوئے ستونوں کو سہارا دینے کے لیے آموجو ہوئیں۔

خلافت عباسیہ نے اب کی بار بھی براہ راست اس جنگ میں شرکت نہ کی لیکن صلاح الدین ایوبی کے شجاعانہ کارنا میں نے جلد ہی عالمِ اسلام کو اس کا گروہ بنا دیا۔ یورپ کی بیشمار افواج کی یلغار سے باخبر ہو کر عرب، عراق اور ترکستان سے کئی سرفوشیں یکے بعد دیگرے صلاح الدین ایوبی کے جھنڈے تند جمع ہونے لگے۔

(۵)

مدینے کے چند اور نوجوانوں کی طرح صلیب کے مقابلے میں ہلال کا پرچم بلند رکھنے کا جذبہ احمد بن حسن کو بھی مدینہ سے فلسطین لے گیا۔ ہلال و صلیب کے معمولی معروکوں میں احمد بن حسن ایک گمنام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتا رہا۔ اس کے رسائل کے افسر اس کی شجاعت کے معترض تھے لیکن وہ خود اعتمادی جو احمد بن حسن کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی، ایک مدت تک اس کے راستے میں رکاوٹ بنی رہی۔ بڑے سے بڑے آدمی کو خوش کرنے کے لیے بھی وہ اپنی رائے بد لئے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ اس کے دستے کا سالا را ایک ترک تھا اور وہ اس کی خود اعتمادی کو اس کی خود پسندی سے تغیر کرتا تھا۔

ایک شاندار فتح کے بعد رات کے وقت صلاح الدین کی افواج ایک وسیع

میدان میں ڈیرہ ڈالے پڑی تھیں۔ ایک طرف زیتون کے چند درختوں کے قریب  
احمد بن حسن کے دستے کا ترک سالار چند سپاہیوں اور افسروں کی مجلس میں گزشتہ  
لڑائی کے واقعات پر تبصرہ کر رہا تھا۔

”احمد بن حسن کہاں ہے؟“ اس نے اچانک ایک سپاہی سے سوال کیا۔  
سپاہی نے جواب دیا۔ ”وہ درخت کے نیچے مشعل کے سامنے بیٹھ کر کوئی  
کتاب پڑھ رہا ہے۔“

ترک افسر نے کہا۔ ”اگر اسے کتاب میں پڑھنے کا اس قدر شوق نہ ہو تو وہ ایک  
اچھا سپاہی بن سکتا ہے۔ پرسوں وہ بچ بچ ایک سپاہی کی طرح لڑ رہا تھا۔ اس نے پانچ  
نصرانیوں کو موت کے گھاث اتارا اور مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ احمد ہے۔ لیکن یہ  
کتاب میں اسے ناکارہ بنادیں گی۔“

ایک نوجوان جواب تک خاموشی سے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا، بول اٹھا۔ ”ہو  
سکتا ہے کہ وہ مخفی ایک سپاہی بننے کی بجائے کسی فوج کی رہنمائی کے لیے پیدا ہوا ہو!  
ایک نام سپاہی شاید تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت محسوس نہ کرے لیکن ایک  
سالار کتابوں کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا۔“

ترک افسر نے نوجوان کے الفاظ کی تلخی کو ایک بلند تعمیہ میں چھپانے کی کوشش  
کرتے ہوئے کہا۔ ”تو اہل بغداد سب کے سب سالار ہیں۔ یہ وہ فقط کتاب میں  
پڑھتے ہیں۔“

نوجوان نے جواب دیا۔ ”یہ عالم اسلام کی بقدمتی ہے کہ اہل بغداد کتاب کے  
ساتھ تلوار کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ورنہ عالم اسلام کا ہر سپاہی ان کی قیادت  
میں لڑنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا۔“

مشعل کی روشنی سے دور ہونے کے باعث ترک سالار اپنے مخاطب کو پہچان نہ سکا۔ اس نے ذرا ترش لبجے میں کہا۔ ”یہ احمد بن حسن کا دوسرا ساتھی کہاں سے آگیا؟ بھئی آگے آ جاؤ!“

نوجوان کو نے سے اٹھ کر سالار کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ سالار نے کہا۔

”اے یوسف آج تمہاری زبان کیسے کھل گئی؟ بیٹھ جاؤ! میں ہر بہادر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔ تم نے پہلے ہی معرکے میں ہم سب کو اپنا معرف بنالیا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھو کہ یہاں کی رائے عامہ اہل بغداد کی ستائش کو پسند نہیں کرتی۔“

یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا ”بات کرتے وقت میرے ذہن میں رائے عامہ نہ تھی، آپ تھے اور اہل بغداد کو میں اس وقت تعریف کے قابل سمجھتا ہوں نہ میں نے ان کی تعریف کی ہے۔ ان کا ذکر رمضان آگیا تھا۔ اصل موضوع یہ تھا کہ سپاہی کو علم سیکھنا چاہیے یا نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تواریخ ایسا سرکش گھوڑا ہے جس کے لیے علم کی باغ کی ضرورت ہے۔ بغداد احوالے فقط باغ کو سنوار رہے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑا نہیں۔“

سالار نے پوچھا ”اور ہمارے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

یوسف نے جواب میں پوچھا۔ ”ہمارے سے آپ کی مراد اپنی ذات ہے یا سلطان صالح الدین ایوبؑ کی فوج؟“

ترک افسر نے اس سوال سے پریشان ہو کر گفتگو کا رخ بدلنے کے لیے کہا ”باتوں میں یہ نوجوان احمد بن حسن کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ اسے بھی بلاو!“

ایک سپاہی اٹھ کر احمد بن حسن کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ترک سالار نے کہا۔

”احمد! پرسوں تم سچ مجھے ایک سپاہی کی طرح لڑ رہے تھے۔ مجھے تم سے ہرگز یہ موقع نہ

تھی..... بیٹھ جاؤ!“

احمد بن حسن نے جواب دیا۔ ”آپ کو اپنے سپاہیوں سے بری توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔“

ترک افسر نے قدرے کھسیانہ ہو کر کہا۔ ”تمہارا یوسف سے تعارف ہوا ہے یا نہیں؟ یہ ہمارے نئے رفیق ہیں۔“

احمد نے جواب دیا۔ ”میں ان سے متعارف ہو چکا ہوں۔“

”کیا پڑھر ہے تھے آج؟“

”میں خالد بن ولید کی فتوحات پڑھ رہا تھا۔“

ترک افسر نے سوال کیا ”بھا خالد بن ولید کی فتوحات زیادہ ہیں یا ہمارے سلطان کی؟ میرے خیال میں اس زمانے کی جنگیں موجودہ جنگوں کے مقابلے میں معمولی اڑایاں ہو اکرتی تھیں۔“

احمد بن حسن نے جواب دیا۔ ”آپ کا خیال عام طور پر صحیح نہیں ہوتا۔ میں بے علمی کو قابل معافی سمجھتا ہوں لیکن ریا کاری کو قابل معافی نہیں سمجھتا۔ آپ سلطان کے سامنے ایسی باتیں کر کے شاید انہیں خوش کر سکیں لیکن وہ اس وقت یہاں موجود نہیں..... میں مانتا ہوں کہ آپ کو کتابوں سے افتراق ہے لیکن یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ کو ایک مسلمان ماں نے خالد اعظم کی فتوحات کے حالات نہ بتائے ہوں اور آپ کو خداور احترام کے ساتھ ان مجاہدین کے نام لینا نہ سکھایا ہو جنہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور جسم پر چیتھڑے اوڑھ کر قیصر و کسری کے تاج رومنڈا لے لئے تھے۔ خالد بن ولید کے زمانے میں اکثر جنگیں ایسی تھیں جن میں اسلام کی ایک تلوار کے مقابلے میں دشمن کی دس تلواریں ہوا کرتی تھیں۔ میری باتوں سے آپ کو تکلیف

ضرور ہوگی۔ آپ میرے سالار ہیں۔ میدان جنگ میں آپ کو ہر اشارہ میرے لیے حکم ہے لیکن وہ بھی اس لیے نہیں کہ میں آپ کی یا سلطان صلاح الدین کی خوشنودی چاہتا ہوں اور سلطان کا احترام اگر میرے دل میں ہے تو محض اس لیے کہ وہ بھی میری طرح اسلام کے ایک سپاہی ہیں۔ اس قسم کی غلط بیانی سے تاریخ کا ایک طالب علم شاید گم راہ نہ ہو سکے لیکن ہو سکتا ہے کہ سلطان کے سامنے اس قسم کی ناجائز خوشنامان میں خود پسندی کا وہ جذبہ پیدا کر دے جس کے باعث خلافائے بنی عباس اسلام کے لیے ایک عضو معطل بن چکے ہیں۔ اس وقت عالم اسلام کی بہت سی توقعات سلطان صلاح الدین ایوبی سے وابستہ ہیں۔ اس لیے آپ بھی سے انھیں خالد اور ابو عبیدہ کا ہم پلہ ثابت کر کے مستقبل سے بے نیاز کر دینے کی بجائے ان کے لیے یہ دعا کریں کہ وہ بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ کر بھی یہ محسوس کریں کہ ابھی ان کے سفر کی ابتداء ہوئی ہے۔

احمد بن حسن کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک درخت کی آڑ سے ایک نقاب پوش نمودار ہوا اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے باند آواز میں کہا۔ ”خد اصلاح الدین کو عالم اسلام کی نیک توقعات پورا کرنے کے قابل بنائے اور اسے خوشنامدیوں سے محفوظ رکھے۔“ جبکی کی آواز میں غصہ اور ہیبت اور جلال تھا۔ سامعین بد حواس ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے مشعل کی روشنی کے قریب پہنچ کر چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔ ترک افسر سر ایسیمہ ہو کر بولا ”سلطان!“

سب کے سب اٹھ کھڑے ہو گئے۔ سلطان صلاح الدین نے ترک افسر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”مجھے تمہاری باتیں سن کر بہت دکھ ہوا لیکن تم جاہل ہو۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ تم آئندہ چھ ماہ تک فرصت کے اوقات میں اپنے ساتھیوں سے بالکل الگ

بیٹھ کرتا رت خپڑھا کرو۔ چھ ماہ بعد میں خود تمہارا امتحان لوں گا۔ اگر تم نے میری تسلی کر دی تو تمہیں ترقی دی جائے ورنہ تنہائی میں بیٹھنے کی سزا اور بڑھادی جائے گی۔ اور تم دونوں ادھر آؤ!“ سلطان نے احمد بن حسن اور یوسف کی طرف اشارہ کیا۔ احمد اور یوسف آگے بڑھ کر سلطان کے قریب کھڑے ہو گئے۔

سلطان نے پوچھا۔ ”تم کہاں سے آئے ہو؟“

”میں مدینہ سے آیا ہوں۔“ احمد بن حسن نے جواب دیا۔ سلطان یوسف کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بولا۔ ”میں بغداد سے آیا ہوں۔“

”تم میری فوج میں کب شریک ہوئے؟“

احمد نے جواب دیا۔ ”مجھے قریباً چھ ماہ گزر چکے ہیں اور یوسف کو کوئی پانچ دن،“

سلطان صلاح الدین نے کہا۔ ”تم میرے متعلق غلط تو تقات ظاہر کرنے کے مجرم ہو، تمہیں کیا سزا دوں؟“

احمد نے کہا۔ ”اگر آپ میری تمام باتیں سننے کے بعد بھی مجھے مجرم قرار دیتے ہیں تو میں اپنی صفائی پیش نہیں کرتا۔“

سلطان صلاح الدین ایوبی نے پیار کے ساتھ احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”سر دست میں تمہاری زبان سے متاثر ہوا ہوں۔ مجھے تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا صحیح علم نہیں۔ اس لیے تمہیں بارہ دستوں کا سالار مقرر کرتا ہوں اور یوسف تمہاری آواز میں ایک سپاہی کی سی خود اعتمادی ہے۔ ممکن ہے تم آگے چل کر اپنے آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری سننے والے کے قابل ثابت کر سکو لیکن سر دست تمہیں پانچ دستوں کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ تم دونوں کو میں یقین دلاتا ہوں کہ

میرے دل میں فقط جو امردی اور شجاعت کی عزت ہے، خوبشامد کی نہیں اور حضرت خالدؑ کے متعلق شاید میں اپنے جذبات کی صحیح ترجمانی کر سکوں۔ کاش میں مصر کا سلطنا ہونے کی بجائے اسلام کے مجاہد اعظم کی فوج کا ایک معمولی سپاہی ہوتا۔ میرے لیے نہ صرف وہ مجاہد ہیں بلکہ وہ لوگ بھی قابل رشک ہیں جنہوں نے عراق اور شام کے میدانوں میں خالد اعظمؑ کی افواج کے سواروں کو گرد کے بادولوں میں روپوش ہوتے دیکھا تھا۔ میں اپنی ذات سے غازیان اسلام کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو جائے والی ایک بڑھیا کا درجہ بلند سمجھتا ہوں۔“

(۶)

چند دن کے بعد صلاح الدین ایوبیؑ کی فوج میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو احمد بن حسن اور یوسف بن ظہیر سے واقف نہ ہو۔ ایک سال کے بعد یوسف سلطان کے جانبازوں کے دستے کا سالا را اور احمد بن حسن مجلس شوریٰ کارکن بن چکا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے غایت درجے کی عقیدت تھی۔ میدان جنگ میں اگر احمد بن حسن کو کسی پررشک آئتا تھا تو وہ یوسف تھا اور علماء کی محفل میں یوسف اپنے دوست کی برتری کا اعتراف کرتا تھا۔

یوسف اور احمد بن حسن نے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک یروشلم پر دوبارہ نشان صلیب کی جگہ ہالی پر چم نصب نہ ہو گا وہ رخصت پر نہیں جائیں گے۔ جن لیام میں سلطان صلاح الدین ایوبیؑ یروشلم پر آخری حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا، بغداد میں سلطان کی فوج کے چند رضا کار جو رخصت پر گئے ہوئے تھے، واپس آئے اور ان میں سے ایک سپاہی نے یوسف کے خیمے میں داخل ہو کر اس کی بیوی کا خط پیش کیا۔ یوسف نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خط کھول کر پڑھا اور تمہوڑی دریسر جھکا

کرسو پنے کے بعد سپاہی کی طرف دیکھنے لگا۔

سپاہی نے کہا۔ ”میں نے اپنی بیوی کو آپ کو گھر بھیجا تھا۔ وہ آپ کی بیوی کی حالت نازک بیان کرتی تھی۔ آپ کا بچہ میں نے دیکھا تھا، وہ تندرست ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہہ آیا ہوں۔ وہ آپ کی بیوی کی تیارداری کر رہی ہے۔“

یوسف نے اپنے چہرے پر ایک غلگین مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ”خدا آپ کو جزادے اور پھر دوبارہ خط دیکھنے میں منہمک ہو گیا۔

تحمودی دیر بعد یوسف تنہا اپنے خیے میں بے قرار سے ٹھیل رہا تھا۔ پانچ چھ مرتبہ پڑھنے کے بعد اسے مختصر سے خط کے یہ الفاظ زبانی یاد ہو چکے تھے:

”میرے آقا! میرے شوہر! بہت انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ کاش میں بھی آپ کے ساتھ یہ وہ شلم پر اسلام کا جھنڈا النصب ہوتے دیکھ سکتی۔ میں قدرے علیل ہوں لیکن آپ فکر نہ کریں۔ یہ وہ شلم کی فتح کی خبر سن کر میں تندرست ہو جاؤں گی۔ ہاں، یہ ضرور چاہتی ہیوں کہ مجھے سب سے پہلے یہ وہ شلم کی فتح کی خبر سنانے والے آپ ہوں۔ اپنا عہد پورا کیجئے۔ میں دن رات خدا سے دعا کرتی ہوں کہ یہ وہ شلم پر جھنڈا النصب کرنے کی سعادت آپ کے حصے میں آئے۔ ظاہر بہت خوش ہے اور محسن کی بیوی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ مجھے کسی قسم کی تکلین نہیں۔“

یوسف خیے میں ٹھیلتے ہوئے یہ الفاظ کبھی آہستہ اور کبھی باند آواز میں دہرا رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن کبھی تیز اور کبھی سست ہو رہی تھی۔ اس کا دل اور دماغ دو مختلف خیالات، دو مختلف امنگوں اور ارادوں کی کش کمکش میں بتتا تھے۔ اس کے سامنے دو فرائض تھے۔ ایک طرف حسین اور نوجوان بیوی جس کے ساتھ شادی سے پہلے وہ دنیا میں بالکل تنہا تھا اور شادی کے بعد جس کی حیا میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ،

اس کے لیے دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ قیمتی تھی۔ وہ بیمار تھی اور خوظ کے تسلی آمیز لبجھ کے باوجود وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی حالت مخدوش ہے ورنہ وہ معمولی تکلیف کی حالت میں محسن کی بیوی کی تیمارداری کی ضرورت محسوس نہ کرتی۔ اسے گھر پہنچنا چاہیے۔ وہ خیالات کے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد پہنچتا اور اپنے مکان میں داخل ہوتا۔ ”زاہدہ! زاہدہ!! تم کیسی ہو؟ میں آگیا ہوں۔ میری طرف دیکھو۔“ وہ چونک کراس کی طرف دیکھتی اور بے قرار سی ہو کر کہتی ”آپ! کیا یہ وہ شلم پر اسلام کا پرچم نصب ہو چکا ہے؟“ یہ سوال تصور کے گھوڑے کے لیے تازیانہ ثابت ہوتا اور وہ بغداد کے پرانے گوشے سے لوٹ کر یہ وہ شلم کی رزم گا ہوں میں پہنچ جاتا اور ہاتھوں کی مٹھیاں پہنچ کر بلند آواز میں کہتا۔ ”میں اپنا عہد پورا کروں گا۔ میں اپنے ساتھ یہ وہ شلم کی فتح کی خبر لے کر جاؤں گا۔“ اور وہ تیروں کی بارش میں خندق عبور کرتا، قلعے کی دیواریں توڑتا، حلیب کے نشان اکھاڑتا اور ہلال کر پھر ریا اڑاتا ہوا۔ قلعے کے آخری برج تک پہنچ جاتا اور فتح کا نعرہ بلند کرتے اور خون آلود تکوار نیام میں ڈالتے ہوئے اپنے صبار رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا اور بغداد پہنچ جاتا۔ اپنے گھر کے سامنے گھوڑے سے اترتا اور بھاگ کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہتا:

”میری جان! میری روح! میں آگیا ہوں۔ یہ وہ شلم فتح ہو گیا ہے۔ میں نے قلعے کے سب سے اوپر برج پر اپنے ہاتھوں سے اسلامی جھنڈا نصب کیا ہے، اور زاہدہ کا حسین اور معصوم چیزہ خوشی سے چمک اٹھتا۔“ میں نہیں جاؤں گا، اس کا آخری فیصلہ تھا۔

احمد بن حسن اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ ”یوسف! بغداد سے چند پا ہی آئے ہیں۔ تمہارے گھر سے کوئی پیغام آیا؟“

”بیوی کا خط آیا ہے“ یوسف نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”تم پر بیشان ہو خیریت تو ہے؟“

”وہ سچے علیل ہے۔“

احمد بن حسن نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد پوچھا۔ ”تمہیں بلا یا ہے؟“  
”نہیں۔ آپ پڑھ لیجئے۔“ یہ کہتے ہوئے یوسف نے احمد کے ہاتھ میں خط دے دیا۔

احمد نے خط پڑھنے کے بعد کہا۔ ”خط سے تو کوئی تشویش کی بات ظاہر نہیں ہوتی، تاہم تم پر بیشان ضرور ہو۔ میں تمہیں ایک خوش خبری سناتا ہوں۔“  
یوسف نے بتا لی سے سوال کیا۔ ”کیسی خوش خبری؟ کیا یہ و Sheldon پر جلد حملہ ہونے والا ہے؟“

احمد نے جواب دیا ”ہاں، پرسوں ہم یہ و Sheldon کی فصیل توڑ رہے ہوں گے اور انشاء اللہ تم ایک ہفتے سے پہلے بغداد والوں کو یہ و Sheldon کی فتح کی خوش خبری دینے کے لیے روانہ ہو جاؤ گے اور چند منازل تک میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔“

یوسف نے پھر پوچھا۔ ”آپ کو یقین ہے کہ پرسوں حملہ ہو جائے گا؟“

احمد نے جواب دیا۔ ”میں ابھی سلطان سے مل کر آ رہا ہوں۔“

یوسف کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”کاش! یہ حملہ آج ہوتا!“

احمد نے تمہوڑی دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔ ”میں خط لانے والے کا نام پوچھ سکتا ہوں؟“

”یہ خط محسن لایا ہے۔ وہ بغداد میں میرا پڑو سی ہے“

”کس رسالے میں ہے وہ؟“

”وہ ہر اول فوج کے اٹھار ہو یہ دستے کا نائب سالار ہے۔“

شام کے وقت احمد بن حسن نے یوسف سے کہا ”یوسف! میں محسن سے مل چکا ہوں، اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی کی حالت تسلی بخش نہیں۔ اگر جانا چاہو تو میں سلطان سے تمہاری رخصت کے لیے کہوں؟“

یوسف نے جواب دیا ”نہیں مریضہ کی تیمارداری کا موقع شاید پھر بھی مل جائے لیکن یہ وہ شتم کی فتح میں حصہ لینے کی سعادت شاید دوبارہ نصیب نہ ہو۔“

(۷)

آٹھومن کے بعد مسلمانوں کی فوج چاروں طرف سے یہ وہ شتم پر یلغار کر رہی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایک سفید گھوڑے پر سوار حملہ آور فوج کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ سپاہی جسے سلطان نے سب سے پہلے کندڑاں کر قلعے کی فصیل پر چڑھتے دیکھا، یوسف تھا۔ اوپر سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی اور یوسف سر پر ڈھال رکھ کر اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ فصیل پر پہنچنے کے لیے اس کی کامیابی کے امکانات بہت کم تھے۔ سلطان نے اپنے دل میں کہا اگر یہ فصیل پر پہنچ گیا تو میں اسے اپنی تکوا رانعماں میں دوں گا۔ یوسف فصیل پر پہنچ چکا تھا اور چند نوجوان اس کی تقلید کر رہے تھے۔ یوسف کی تکوا رچندر آدمیوں کو موت کے گھاث اتنا رچکی تھی۔ سلطان اپنے جرنیل سے کہہ رہا تھا۔ ”اب وہ میرے گھوڑے کا بھی حق دار ہے۔“ چند مجاہد فصیل پر چڑھ کر یوسف پر عقب سے حملہ کرنے والے پہرے داروں کو روک رہے تھے اور یوسف اپنے پے در پے حملوں سے چھسات پاہیوں کے پاؤں اکھاڑ چکا تھا۔

صالح الدین جوش مسرت میں کہہ رہا تھا۔ ”نوجوان! میں تمہیں ہروال دستے کا سالار اعلیٰ بناتا ہوں“ تھوڑی دیر کے لیے سلطان کی توجہ کسی اور محاذ پر مبذول ہو گئی۔ جب دوبارہ اس نے فصیل کے اس حصے کی طرف دیکھا تو اس کے سپاہی اس مقام پر قبضہ جما چکے تھے لیکن یوسف وہاں نہ تھا۔ اس نے اپنے ہم رکاب سے پوچھا۔ ”یوسف کہاں گیا؟“؟

اس نے دروازے کے سب سے اوپر برج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ دیکھیے! یوسف بہت خطرناک مقام پر لٹر رہا ہے۔“ سلطان نے اوپر زگاہ کی۔ یوسف کی تلواری بیک وقت تین تلواروں سے لٹر رہی تھی۔ سلطان کے دو سپاہی اس کی مدد کے لیے پہنچ چکے تھے۔ یوسف کی تلوار کی ایک ضرب سے اشان صلیب سرنگوں ہو چکا تھا۔ سلطان نے آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ ”تم میرے بیٹے ہو۔ میں تمہیں اس شہر کا والی مقرر کرتا ہوں۔“ لیکن یوسف کے ہاتھ سے تلوار گرچکی تھی اور ایک نوجوان اسے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان نے اسے پہچان لیا۔ یہ احمد بن حسن تھا۔

سلطان کے سپاہی اندر داخل ہو کر قلعے کا دروازہ کھول چکے تھے۔ دشمن تھیار ڈال چکا تھا۔ سلطان گھوڑا بھگتا ہوا قلعے کے اندر داخل ہوا اور گھوڑے سے اتر کر اپنی فوج کے چند افسروں کے ساتھ جلدی سے برج پر چڑھا۔ یوسف کے جسم پر زخموں کے کئی اشان تھے۔ احمد اسے اپنی چھاگل سے پانی پلا رہا تھا۔ سلطان فرش پر گھٹنے میک کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی زرہ کھلوا کر اس کے زخم دیکھئے اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مغموم لجھے میں کہا ”بیٹا! میں تمہیں اس شہر کا والی بننا چکا ہوں۔ شاید تمہارا عبد حکومت بہت مختصر ہے۔ اگر شہروالوں کے لیے کوئی حکم نافذ کرنا چاہتے ہو تو

جلدی کرو۔“

یوسف نے پہلے سلطان کی طرف اور پھر احمد کی طرف دیکھا اور بالآخر اس کی زگاہیں لوٹ کر لکھتے ہوئے صلیبی جہنڈے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

احمد بن حسن نے کہا۔ ”اس شہر کے حاکم کی خواہش یہ ہے کہ وہ فتح کا جہنڈا اپنے ہاتھ سے نصب کرے۔“ سلطان کو ان الفاظ کے ساتھ یوسف کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک نظر آئی۔ سلطان نے دوبارہ اس کی نبض دیکھی اور ایک سپاہی کو جہنڈا لانے کا اشارہ کیا۔ ایک افسر نے ٹوٹا ہوانشان صلیب اتار کر پھینک دیا۔ سلطان صالح الدین ایوبی اور احمد بن حسن نے یوسف کو سہارادے کراٹھایا۔ یوسف کے بے جان ہاتھوں میں اچانک زندگی آگئی۔ اس نے جہنڈا نصب کیا۔ اس کے ہونتوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ مسکراہٹ جو صرف خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اچانک اس کے ہونتوں سے یہ الفاظ نکلے：“زاہدہ! یوشلم فتح ہو چکا ہے!“

سلطان کے حکم سے یوسف کو شاہی محل کے ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔ جان کنی کی حالت میں اس نے احمد بن حسن سے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی ”احمد! میری بیوی کی دنما کا صرف ایک حصہ قبول ہوا۔ میں یوشلم کی فتح کی خبر لے کر اس کے پاس نہ پہنچ سکا لیکن قدرت کا ایک رازاب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ زاہدہ بغداد میں نہیں کسی اور مقام پر میرا انتظار کر رہی ہے۔ وہ اس دنیا میں ہوتی تو میں یقیناً بغداد پہنچتا۔ جہنڈا نصب کرتے ہوئے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہی ہے! تم بغداد جاؤ۔ اگر وہ زندہ ہے تو بغداد میں سب سے پہلے یوشلم کی فتح کی خبر سننا اس کا حق ہے۔ اگر وہ زندہ نہیں تو میں اپنا بیٹا تمہیں سونپتا ہوں!“ اس نے یہ کہہ کر آنکھیں

بند کر لیں اور خفیف سی آواز میں دہرانے لگا۔ ”زادہ! میں آگیا ہوں۔ یہ شلم فتح ہو گیا۔ میں نے فتح کا جھنڈا اپنے ہاتھوں سے نصب کیا ہے!“ اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ سلطان اور احمد کی طرف دیکھا لیکن ایک لمبی سانس کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے پردے حائل ہو چکے تھے۔

سلطان نے کہا۔ ”احمد! تم فوراً بغداد جانے کی تیاری کرو! میں تمہیں کچھ رقم یوسف کی بیوہ کے لیے دیتا ہوں۔ اگر وہ خدا نخواستہ زندہ نہ ہو تو میں اس کے بچے کی پرورش تمہیں سونپنا ہوں۔“

احمد بن حسن نے کہا۔ ”میں تیار ہوں اور اگر آپ کی اجازت ہو تو بغداد کے ایک سپاہی کو جو یوسف کا پڑو سی ہے، ساتھ لیتا جاؤں!!“

(۸)

تمہوڑی دیر بعد سلطان کی قیام گاہ کے سامنے تین گھوڑے کھڑے تھے، جن میں سے ایک وہ تھا جس پر تمہوڑی دیر قبل سلطان صالح الدین ایوبی خود سوار تھا۔ رخصت کے وقت سلطان نے احمد بن حسن کو اپنے خیمے میں بایا اور چڑھے کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا ”اس میں پانچ ہزار طالبی سکے ہیں۔ ان میں ایک ہزار تمہارے لیے اور باقی یوسف کی بیوہ کے لیے۔ اگر خدا نخواستہ وہ زندہ نہ ہو تو یہ رقم یوسف کے بیٹے کی پرورش پر خرچ کرنا اور اس کے مستقبل کے لیے میں تمہیں کچھ اور دیتا ہوں۔ یہ لو“ سلطان نے ایک ریشمی کپڑے کی تھیلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اے کھوں کر دیکھو!“

احمد بن حسن نے تھیلی لے کر کھولی۔ اس میں بیش قیمت جواہرات جگہا رہے تھے۔ سلطان نے کہا۔ ”یہ جواہرات اسے اس وقت دینا جب وہ بالغ ہو جائے۔“

احمد بن حسن نے کہا۔ ”یوسف کے بیٹے کے لیے آپ کا ہر انعام جائز ہے۔ لیکن میں یہاں دولت کی تلاش میں نہیں آیا تھا خدا نے مجھے ہر شے دے رکھی ہے۔“ سلطان نے کہا۔ ”اگر تم ہمیں اس کی ضرورت نہیں تو یہ مددینے کے غریب بچوں کے لیے لے جاؤ!“

سلطان کا لب ولہجہ کچھ ایسا تھا کہ احمد ان کا رنہ کر سکا۔ ”سلطان نے پھر کہا“ دو اور چیزیں جو میں تمہیں سونپنا چاہتا ہوں، ان میں سے ایک میرا گھوڑا۔ ایک سپاہی یہ گھوڑا چھوڑنے کے لیے بغداد جائے گا۔ بغداد میں اسے نیچ کر جو رقم حاصل ہوگی، وہ بھی یوسف کی بیوی کو دے دینا۔ مجھے امید ہے کہ بغداد کے لوگ میرے گھوڑے کو اچھی قیمت پر خریدیں گے، وہ مری چیز میری تلوار ہے۔ وہ یوسف کے بیٹے کے بڑا ہونے تک تمہارے پاس محفوظ رہے گی!“

احمد نے کہا۔ ”محسن میرے ساتھ جا رہا ہے۔“

سلطان نے کہا۔ ”میں نے اسے فراموش نہیں کیا۔ اس کی واپسی تک مال نیمت میں اس کا حصہ محفوظ رہے گا، تاہم زادراہ کے لیے میں اسے کچھ دیتا ہوں۔“ سلطان نے محسن کو اندر ربانا کر پانچ سو طالی سکے دینے۔ پھر دونوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم جاؤ! میں چاہتا ہوں کہ بغداد میں یروشلم کی فتح کی خبر سننے والی یوسف کی بیوی ہو۔ خدا حافظ!“

چند ہفتوں کے بعد بغداد پہنچ کر احمد بن حسن کو معلوم ہوا کہ یوسف کی بیوی یروشلم کی فتح سے چار دن پہلے داعیِ اجل کو لبیک کہہ چکی تھی اور محسن کی بیوی اس کے پچ کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ احمد بن حسن نے گھر پہنچتے ہیں پچ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور جب محسن نے اڑھائی سال کا ایک خوب صورت بچہ لا کر اس کی گود میں

بٹھا دیا تو اس کا دل بھر آیا۔ احمد بن حسن اس کے سر پر پیار اور شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ بچے نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ناک پکڑ لی اور کہا ”غازی..... ابا..... غازی!“

احمد نے اسے سینے سے بھیجن کر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا۔ ابا شہید کہو!“

”ابا.....؟“ بچہ غور سے احمد کی طرف دیکھنے لگا۔

”ابا شہید!“ احمد نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

”ابا شہید!“ بچہ یہ کہتے ہوئے اس کی گود میں اچھلنے لگا۔

شام تک بغداد میں صلاح الدین ایوبؑ کے گھوڑے کا چرچا ہو چکا تھا۔ بغداد کے امراء میں سے ہر ایک اسے اپنے اصطبیل کی زینت بنانے کے لیے بے قرار تھا اور ان میں سے اکثری ایسے لوگوں کی تھی جو گھوڑے پر چڑھنے سے زیادہ اسے سنوارنا جانتے تھے۔ خلیفہ کے متعلق مشہور تھا کہ جس قدر اس کا دل کوئی خریدنے کے لیے بے قرار ہوتا تھا اسی قدر اپنی جیب پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی تھی اور پھر اگر کسی سو داگر کے لیے خلیفہ کی پیش کش قابل قبول نہ ہو تو امراء اس کے خریدار بننے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن خلیفہ کو اس وقت خبر ہوئی جب کہ چین کا سنیریہ گھوڑا دس ہزار کی مالیت کے جواہرات کے عوض خرید چکا تھا۔

اگلے دن احمد بن حسن، یوسف بن ظہیر کے بچے کو لے کر مدینے روانہ ہو گیا۔

(۹)

یوسف کے کم سن بچے کا نام طاہر تھا۔ احمد بن حسن نے گھر پہنچ کر اسے اپنی بیوی کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔ ”سعیدہ! یہ ایک مجاہد کا بیٹا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم

اس نئھے مہمان کی تواضع میں مدینے کے انصار کی روایات پر عمل کروگی!"

دوپہر کے وقت جب احمد بن حسن کا سات سالہ لڑکا طاحہ ماتب سے گھر آیا تو اس نے اپنی ماں کی گود میں ایک خوب صورت بچہ دیکھ کر کہا۔ "امی! یہ کون ہے؟" سعیدہ نے جواب دیا "تمہارا چھوٹا بھائی ہے بیٹا!" شام کے وقت طاحہ بستی کے تمام بچوں کو اپنا چھوٹا بھائی دکھارتا تھا۔ پانچ سال کے بعد ایک دن احمد نے سعیدہ نے پوچھا۔ "بچ کہو تمہیں طاحہ زیادہ عزیز ہے یا طاہر؟"

سعیدہ نے غور سے دونوں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "مجھے معلوم نہیں"۔

احمد بن حسن کے گھر میں بارہ سال کی عمر تک طاہر کی زندگی ایک سہانا خواب تھی۔ احمد بن حسن نے اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروغ نہیں کیا۔ مدینے کے علماء اور فتن حرب کے ماہرین کی اس ہونہار بچے کے متعلق متفقہ رائے تھی کہ وہ کسی بڑے کام کے لیے پیدا ہوا ہے۔ احمد بن حسن اور سعیدہ کو اپنے بیٹے طاحہ سے کم عزیز نہ تھا اور طاحہ بھی اس کے ساتھ اپنی زندگی کی بیشتر دلچسپیاں وابستہ کر چکا تھا۔

ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی برسر میں ہلال و صلیب کی جنگیں از سر نو شروع ہو چکی تھیں۔ یورپ کی عیسائی طاقتیں گزشتہ برسر میں فلسطین اور شام میں صالح الدین ایوبی کے ہاتھوں پے درپے شکستیں کھانے کے بعد قسطنطینیہ کو اپنا مرکز بنانے کا بازنطینی سلطنت کو پھرا ایک بار مشرق کی طرف پھیلانے کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ مصر کی افواج پھر ایک بار عالم اسلام کی طرف عیسائیت کے سیاہ کی

تازہ لہروں کے سامنے آخری چٹان کا کام دے رہی تھیں۔ لیکن بغداد میں سلطنت عباسیہ پھر ایک بارا پنی بلو جہی اور غفلت کا ثبوت دے رہی تھیں۔

شام کے تاجروں کا ایک قافلہ مدینے پہنچا اور ان کی زبانی نصرانیوں کے نئے ارادوں کا حال سن کر احمد بن حسن جہاد پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

رخصت ہونے سے ایک دن پہاڑ طاحنے کہا۔ ”ابا جان! میں بھی جاؤں گا“، احمد بن حسن نے اسے گلے لگا کر اس کی پیشائی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارے منہ سے یہ الفاظ سننے کے لیے بے قرار تھا۔ تم نے اپنی ماں سے ذکر کیا ہے؟“

”ہاں! وہ مجھے اجازت دے چکی ہیں“، طاہر نے طاحن کی جداں کو بہت زیادہ محسوس کیا۔ دس ماہ کے بعد احمد بن حسن واپس آیا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا ”سعیدہ! میں ایک الٰم ناک خبر لایا ہوں؟“

”طاحن.....؟“ اس نے جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں! ہم دونوں ایک ہی مقصد لے کر گئے تھے اسے شہادت نصیب ہوئی اور میں خالی ہاتھ واپس آیا ہوں“۔

سعیدہ اذا اللہ و اذا الیه راجعون کہہ کر خاموش ہو گئی۔ اگلے سال خدا نے احمد بن حسن کو ایک اور بیٹا عطا کیا جس کا نام امین رکھا گیا

چند سال بعد جب عالم اسلام کے باقی شہروں کی طرح مدینے کے لوگ بھی عالم اسلام پر مغرب سے عیسائیت کے سیاہ کی بجائے شمال مشرقی افق پر ایک

تاریک آندھی کے ابتدائی آثار محسوس کر رہے تھے، احمد بن حسن نے طاہر سے کہا۔  
”بیٹا! اب مدینے سے زیادہ بغداد کو تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری جداں میرے اور  
ایمن کے لیے ناقابل برداشت ہو گی لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تم میرے  
بڑھاپ کی لائشی بننے کی بجائے عالم اسلام کا ایک ستون بن سکتے ہو۔ تم بغداد جانے  
کی تیاری کرو۔“

مدینے میں احمد بن حسن کے سوا کسی کو طاہر کی دولت کا علم نہ تھا لیکن کوئی ایسا نہ  
تھا جسے اس کے ساتھ عقیدت نہ تھی۔ لوگوں کو اس کے بغداد جانے کا علم ہوا تو ان  
میں سے بعض یہاں تک کہتے تھے کہ سلطنت عباسیہ کو طاہر بن یوسف سے بہتر  
وزیراعظم نہیں مل ساتا۔

طاہر کو بغداد بھیجنے سے پہلے احمد بن حسن کو اس کے لیے ایک قابل اعتماد ساتھی  
کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کی بستی سے کوئی تین کوں کے فاسدے پر ایک گاؤں میں  
زید نامی ایک شخص رہتا تھا۔ وہ چند سال قبل احمد بن حسن کے باغات کا محافظ رہ چکا تھا  
۔ زید ایک سادہ دل اور دیانت دار آدمی تھا۔ احمد بن حسن نے طاہر سے کہا۔ ”بیٹا!  
میں تمہارے لیے ایک نہایت ہی مخلص اور دیانت دار خادم کی ضرورت محسوس کرتا  
ہوں۔ سردست مجھے زید سے بہتر آدمی نظر نہیں آتا۔ اگر مناسب سمجھو تو اسے ساتھ  
لیتے جاؤ۔“

طاہر نے جواب دیا۔ ”جب میں آٹھ برس کا تھا تو اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا  
کہ جب میں بڑا ہو کر باہر جاؤں گا تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اس کے بعد  
وہ جب بھی مجھے ماتارہا ہے، اس وعدے کی تجدید کر اتا رہا ہے۔“

احمد بن حسن نے کہا۔ ”تو پھر اسے بلاو! میں اسے چند باتیں سمجھانا چاہتا

ہوں”۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ آج صبح سے مسجد میں بیٹھا ہوا ہے۔  
اسے ڈر ہے کہ میں اسے چھوڑ کر نہ چلا جاؤں“۔  
”بلا ڈا سے!“

طاہر چھوڑی دیر بعد اپنے ساتھ ایک میانے قد کے قوی ہیکل آدمی کو لے آیا۔  
اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی اور چہرے پر غایت درجے کی معصومیت تھی

احمد بن حسن نے کہا۔ ”زید! تم طاہر کے ساتھ جانا چاہتے تھے تو مجھ سے کیوں  
نہ کہا؟“

زید نے سادگی سے جواب دیا۔ ”سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی کے عمر کے تمام  
لوگ مجھے بے قوف سمجھتے ہیں۔ مجھے ڈرنا کہ آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتے ہوں گے اور  
میرا جانا پسند نہیں کریں گے۔“

”تو تم تیار ہو؟“

”میں بیس سال سے بغداد جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں لیکن جب کبھی  
 مدینے سے کوئی وہاں جاتا ہے، مجھ سے کہتا ہے کہ تم بھیڑیں چرانے کے لیے پیدا  
 ہوئے ہو، بغداد میں کیا کرو گے؟“

احمد بن حسن نے جواب دیا ”لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بغداد میں  
 تمہاری ضرورت ہے۔“

”دیکھنے مجھ سے مذاق نہ کیجئے۔ میں غریب سہی لیکن اپنے سینے میں دل ضرور  
 رکھتا ہوں، اگر آپ مجھے طاہر کے ساتھ نہیں بھیجننا چاہتے تو صاف کہہ دیجئے۔ میں

جانتا ہوں کہ میں ایک بے کار آدمی ہوں۔“

احمد بن حسن نے ہستے ہوئے طاہر سے کہا۔ ”بیٹا! اسے کوئی تکلیف نہ ہو!“ اور پھر زید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”زید! طاہر پر سوں یہاں سے روانہ ہو گا۔ تم تیار ہو کر پہنچ جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ میں ساتھ لے جائے گا۔“

طاہر نے کہا۔ ”اس کی بستی میرے راستے میں ہے۔ میں اسے ساتھ لیتا جاؤں گا۔ اسے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔“

زید نے کہا ”میری بھی یہی خواہش تھی۔ میری بستی کے لوگ انھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے انھیں بتایا ہے کہ ان کے والد کو سلطان صالح الدین ایوبی نے اپنی تلوار اور گھوڑا انعام دیا تھا..... ایک بات اور بھی ہے۔ ان میں یہ کوئی نہیں مانتا کہ میں بغداد جا رہا ہوں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں چند ادھر ادھر رہ کرو اپس پہنچ جاؤں گا۔ اگر یہ وہاں سے گزریں گے تو کم از کم میں ان کو شرمندہ ضرور کر سکوں گا۔“

احمد بن حسن نے کہا۔ ”اچھا جاؤ! طاہر پر سوں صح تھماری بستی میں پہنچ جائے گا۔ اب تم ہیں یہاں پہراہ دینے کی ضرورت نہیں۔ میرے وعدے پر اعتبار کرو!“

”آپ کا وعدہ؟“ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے آسمان پر پہنچا دینے کا وعدہ کریں تو بھی یقین کرلوں گا۔“

احمد بن حسن نے زید کو گھوڑا اور سفر کی دیگر ضروریات خریدنے کے لیے ایک معقول رقم دے کر رخصت کیا۔

(۱۰)

احمد بن حسن سے رخصت ہو کر طاہر نے زید کی بستی کا رخ کیا۔ زید کی بستی سے باہر درختوں کے سامنے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ارد گرد بستی کے

چند بچے جمع تھے۔ ایک گھوڑا درخت سے بندھا ہوا تھا اور زید جنگ کے تمام ضروری اور غیر سامان سے لیس تھا۔ اس کافر بہ جسم تنگ زرہ میں بہت بری طرح کسا ہوا تھا اور خون کے دباؤ کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو مصروف رکھنے کے لیے نیزہ اور ڈھال کافی تھے۔ پیشہ پر اس نے دو ترکش باندھ رکھے تھے۔ کمر میں ایک تلو اور اور دو خجنگ لٹک رہے تھے۔ مان کمند اور خوراک کا تھیا اس نے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔

زید نے طاہر کو دیکھ کر انھتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے بہت انتظار کروایا۔ لوگ آپ کا انتظار کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔“

طاہر نے کہا۔ ”اب گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، دیر ہو رہی ہے!“

زید گھوڑے پر سوار ہو کر ایک لڑکے سے مخاطب ہوا۔ ”اب راہیم! تمہارا باپ میرا سب سے زیادہ مناق اڑایا کرتا ہے، جاؤ! اسے کہو۔ میں طاہر کے ساتھ بغداد جا رہا ہوں۔ اگر یقین نہیں آتا تو آکر دیکھ لے اور سیامان! تم بھی اپنی دادی سے کہو، وہ بھی آج صحیح کہہ رہی تھی کہ میں بے قوف ہوں۔ مجھے کون بغداد لے جائے گا۔“ یہ کہہ کر وہ طاہر کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اصل میں ان لوگوں کا بھی قصور نہیں۔ میں کئی مرتبہ بغداد جاتے جاتے رہ گیا ہوں۔“

طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب چلو دھوپ تیز ہو رہی ہے۔ جب تم بغداد پہنچ کر بستی والوں کو خط لکھو گے تو انھیں یقین ہو جائے گا۔“

طاہر اور زید نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ بستی سے کچھ دور جا کر طاہر نے مذکور دیکھا زید کا چہرہ پہلے کی نسبت زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کی کی باگ کھینچتے ہوئے کہا۔ ”زید تمہاری زرہ تنگ ہے؟“

زید نے جواب دیا ”زرہ تنگ نہیں، میں کچھ زیادہ موٹا ہو گیا ہوں۔ یہ زرہ میں نے دوسال قبل بغاہ ادا جانے کے ارادے سے تیس بکریوں کے عوض خریدی تھی۔“

طاہر نے کہا ”یہ ہیں زیادہ تکلیف تو نہیں دیتی؟“

زید نے اپنا چہرہ شگفتہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”نہیں میرا جسم اتنا نازک نہیں۔“

لیکن دو تین کوس چلنے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ”طاہر! میرے جسم پر چیزوں میں سی رینگ رہی ہیں۔“

طاہر نے جواب دیا ”اتنی جلدی تھک گئے۔ چلو آگے جا کر گھوڑی دیر ستالیں گے۔“

”طاہر! زید نے گھوڑی دیر بعد کہا ”میرا جسم گھٹ رہا ہے!“

طاہر نے حد زگاہ پر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”چلو اس نخلستان میں اتریں گے، وہاں پانی بھی ہے دوپہر وہیں گزاریں گے۔“

زید کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے تیسری بار گھوڑا روکا اور چلا کر کہا ”طاہر ٹھہر! میں قریب المرگ ہوں“ اور وہ طاہر کے جواب کا انتظار کیے بغیر گھوڑے سے کو دکر تپتی ہوئی ریت پر بیٹھ گیا۔

طاہر نے ہستے ہوئے کہا ”تم تو کہتے تھے کہ تمہارا جسم اتنا نازک نہیں۔“

زید نے دانت پیس پیس کر زرہ کو اتارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

یہ نہیں اترتی۔ خدا کے لیے میری مدد کرو! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں بچھو مجھے ڈنگ مار رہے ہیں۔“

طاہر نے گھوڑے سے اتر کر بڑی مشکل سے اس کی زرہ اتاری۔ زید نے کہا۔

”خدا تمہیں جزا دے۔ مجھے امید نہ تھی کہ یہ اترے گی۔ آج صحیح تین آدمیوں نے اسے بڑی مشکل سے میرے جسم پر کساتھا۔“

طاہر نے کہا۔ ”زرہ اچھی ہے لیکن تمہیں ذرا تنگ ہے۔“

زید نے کہا۔ ”ذرا تنگ ہے؟ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ایک بے وقوف ہاتھی نے چوہے کے پنجرے میں گھسنے کی سزا پائی ہے۔“

طاہر نے کہا۔ ”اچھا اسے اٹھالو۔ میں بغداد پہنچ کر تمہیں بہت اچھی زرہ لے لوں گا۔ یہ کسی اور کو دے دیں گے۔“

زید نے دونوں ہاتھوں سے ریت کا گڑھا کھودتے ہوئے کہا۔ ”میں اسے یہیں دُن کرتا ہوں، میں سمجھوں گا کہ میری تیس بکریاں بیماری سے مر گئیں اور نئی زرہ کی مجھے قطعاً خواہش نہیں۔ میں اس ہنسی شکنجے میں پھنس کر دم توڑنے کی بجائے ننگے سینے پر تیر کھالوں گا۔“

زید زرہ کے لیے قبر کھود چکا تھا۔ لیکن طاہر کے سمجھانے پر وہ اسے اپنے گھوڑے کے توبرے میں ڈال کر ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گیا۔

## حصہ اول۔۔۔ بغداد

گزشته پانچ صدیوں میں خانگائے بنو عباس کی پر امن تعمیر نے بغداد کو ایک شاعر کا خواب بنا دیا تھا۔ دریائے دجلہ سے دو حصوں میں تقسیم کرتا تھا اور دونوں کناروں کی آبادیوں میں سڑکوں اور نہروں کے جال بچھائے ہوئے تھے۔ بغداد کے محاذات اور مکانات گزشته پانچ سو برس کے فن تعمیر کے ارتقا کی داستان بیان کرتے تھے۔ دنیا بھر کے بہترین باغبانوں نے اس کی مشی میں جنت کے حسین ترین تصورات زندہ کر دینے تھے۔ بیس لاکھ انسانوں کی یہ سنتی خوبصورتی افسوسی اور رعنائی کے لحاظ سے دنیا کا بہترین شہر تھی۔

لیکن بغداد کی تعمیر کے ساتھ ہی بغداد کے باشندوں کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ اسلام کا وہ تمدن جس نے صحراۓ عرب کی تندوتیز لیکن صحت بخش ہواں میں پرورش پائی تھی، اب اس عجمی گھوارے میں سورہا تھا۔ دربار خلافت میں عربوں کا وہ اثر و رسوخ جو خلیفہ مامون کے زمانے سے کم ہونا شروع ہو چکا تھا، اب قریباً ناپید ہو چکا تھا۔ تاہم حکومت کے ایوانوں سے باہر بغداد کے علمی مرکز میں عربوں کی اہمیت کسی طرح کم نہ ہو سکی۔ انہوں نے ہیئت۔ ریاضیات۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ کیمیا۔ طب۔ جراحت۔ طبیعت کے علوم و فنون میں نام پیدا کیا۔ گرامر۔ ادب اور انسانیات پر کتابیں لکھی لیکن بغداد کے قانع اور آرام پسند باشندوں نے ان علوم کو اپنی تعمیرنوں کا ذریعہ بنانے کی بجائے دماغی عیاشی کا بہانہ بنالیا تھا۔ ایران، ترکستان، شام اور دور دراز ممالک سے فنون لطیفہ کے استاد بغداد پہنچ جاتے اور بغداد کے امراء ان کی سر پرستی کرتے۔

بغداد میں سینکڑوں لانہری یاں کتابوں سے بھری پڑی تھیں۔ ان کتابوں کو

پر کھنے کے لیے بہترین نقاد تھے لیکن پڑھ کر ان پر عمل کرنے والے بہت کم تھے۔ جمی  
امراء کی محفالوں میں قرآن اور احادیث کی جگہ شاعری اور موسیقی نے لے لی تھی۔

خلیفہ کے دربار میں بعض اوقات ایک سید ہے سادے عالم دین کی بجائے ایک  
ہنسانے والے نقال کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی اور براہ راست خدا اور رسول کا حکم  
نانے والوں کی بجائے خلیفہ کی ذات با برکات کو اہم ترین فرائض کی بجا آوری سے  
مستثنی قرار دینے کے لیے تاویلیں پیش کرنے والوں کو الطف شاہانہ کا مستحق قرار دیا  
جاتا تھا۔

شہر کے عین وسط میں قصر خلد کے نام سے ایک شامدار عمارت تھی جس میں  
عباسی خانوار ہتھے اور اس عمارت کے ارد گرد امیروں اور وزیروں کے محاذات تھے  
اوپنچھے طبقے کے علماء کے لیے بھی ان محاذات تک پہنچنے کے دروازے کھلتے تھے اور یہ  
اس وقت تک کھلتے رہتے تھے جب تک کہ ان کے نظریات خلیفہ کے سیاسی مسلک  
سے مکر نہیں کھاتے تھے۔ قصر خلد سے دور شہر کے ایک سرے پر دریا کے کنارے ایک  
وستی قید خانہ تھا اور اس قید خانے کی سب سے زیادہ تنگ و تاریک کوٹھریاں ان جلیل  
القدر علماء اور اکابرین سلطنت کے لیے وقف تھیں جو فتویٰ دیتے وقت عباسی خانوار  
کے جذبات کا لحاظ نہ کرتے تھے، یا جو انھیں اسلام کی کسوٹی پر پر کھنے کی جرأت کرتے  
تھے۔

حکومت کی نظر میں صرف وہ مفتیان شرع قابل عزت تھے جو کسی مجرم کے  
خلاف فیصلہ ننانے سے پہلے اس کا حسب نسب اور دربار خلافت میں اس کا اثر و  
رسوخ جان لینا ضروری سمجھتے تھے۔ ایک عام آدمی کے لیے قتل کی سزا قتل تھی لیکن  
خلیفہ اور امراء اس سزا سے مستثنی تھے۔ بعض اوقات سلطنت کے واجب الاحترام

بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے انھیں اپنے دسترخوان پر جمع کرتے اور خلیفہ کے ملازموں کو بعض اوقات کھانے کے برتن سنبھالنے سے پہلے معزز مہمانوں میں سے بعض کی لاشوں کوٹھا نے لگانا پڑتا۔ دور انحطاط کے عباہی خانقاہ اپنے مخالفین کو زہر سے ہلاک کرنے کے فن میں مال حاصل کر چکے تھے اور ایسے زہر بھی دریافت ہو چکے تھے جن کا اثر کھانے والا چند دن کے بعد محسوس کرتا۔ ہر مہمان دعوت میں شریک ہونے سے پہلے سے یہ سوچ لیتا کہ اس نے کسی موقع پر خلیفہ کو ناراض تو نہیں کیا۔ زیر عتاب لوگ دعوت نامہ موصول ہونے پر ہی سمجھ لیتے کہ ان کا وقت آگیا ہے۔ لیکن بعض اوقات چند ہو شیار امراء میں اتفاق ہو جاتا تو خلیفہ کے لیے اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتا۔ اقتدار کی جنگ میں اگر خلیفہ مات کھاتا تو اس سے ایرانی اور ترک امراء کے ہاتھ کا کھلوٹا بننا پڑتا اور اگر امراء مغلوب ہوتے تو وہ اس کے آکھ کار بننے پر مجبور ہو جاتے۔

آخری دور میں عباہی خانقاہ کو شعرو شاعری اور فنون طینہ سے جس قدر لگا تھا، اسی قدر وہ مذہبی تعلیم سے بیگانہ تھے۔ مذہبی امور کی قیادت کے لیے ایک مرنجان مرجح عالم کو شیخ الاسلام بنا دیا جاتا تھا اور سیاسی امور خلیفہ اپنے ہاتھ میں رکھتا۔ سیاست اور مذہب کی یہ تقسیم اسلام کے لیے سب سے بڑا فتنہ تھی۔ شیخ الاسلام کا قلم خلیفہ کی تلوار کا مطیع بن چکا تھا۔

عزت اور معقول تنخواہ کے لائچ نے شیخ الاسلام کی منڈ کو بیشتر علماء کی منزل مقصود بنا دیا تھا اور اس منزل کی راہ میں دوسروں سے متصادم ہو کر وہ ان کے نظریات باطل قرار دینے اور ان پر کچڑا چھالنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ گزشتہ صدیوں میں علمائے حق کے اجتہاد میں فقط خدمت دین کا جذبہ کار فرمرا رہا۔ انھوں

نے بغداد کے گمنام گوشوں میں بیٹھ کر اسلام کی شاندار خدمات سر انجام دیں لیکن وہ لوگ جن کی پرواز کی آخری منزل سرکاری علماء کی کرسیاں ہوا کرتی تھیں، بعض اوقات ان بزرگوں کی مخالفت کر کے اور بعض اوقات ان کے نام کا سہارا اور ان کے فتوؤں کی آڑ لے کر اپنی اہمیت بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر شیخ الاسلام کسی امام کے مسلک کا پابند ہوتا تو وہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو زیادہ صحیح قرار دے کر اس کے ساتھیوں کو مناظرے کی دعوت دیتا اور بغداد کے بے فکر لوگ جس دلچسپی کے ساتھ شہر کے چوکوں میں جمع ہو کر راگ سنتے اور نقالوں کے تماشے دیکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ ان علماء کے مناظروں میں دلچسپی لیتے تھے۔

مناظرے کی ابتدا ایک دوسرے کو سمجھنے کی نیک خواہش کے اعلان کے ساتھ ہوتی۔ ایک تقریر کرتا اور دوسرا اطمینان کے ساتھ سنتا۔ پھر وہ بیٹھ جاتا اور صاحب صدر کی اجازت سے مختلف جماعت کا لیڈر اٹھ کر جواب دیتا۔ پھر دونوں کی زبانیں آہستہ آہستہ تیز ہو نے لگاتیں۔ جب گالیوں تک نوبت پہنچ جاتی تو دونوں اٹھ کھڑے ہو جاتے۔ ایک اپنے مقابل کی سات پشتیں گنتا، دوسرا اس کی بیس پشتیں گن ڈالتا۔ ایک، دو تین زبانوں کی منتخب شدہ گالیاں پیش کرتا تو دوسرا چھ سات زبانوں کی چیز چیدہ چیدہ گالیاں سنادیتا اور پھر دونوں اپنے اپنے گروہ سے ہمدردی رکھنے والے عوام سے مخاطب ہو کر انھیں گالیوں کا مطلب سمجھاتے اور جب عوام کا جوش انہیاں کو پہنچ جاتا تو دونوں طرف سے نعرہ بُکیر باند ہوتا اور دونوں گروہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے اور آن کی آن میں لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے، آخر پولیس اور فوج کی لامبیاں اس کھیل کو ختم کرتیں۔ حکومت نے مناظروں کو تو بند نہ کیا، یہ حکم جاری کر دیا کہ وہاں کوئی آدمی مسلح ہو کرنے جائے۔ چنانچہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے مناظر

ایک دوسرے کو یقین دلاتے کہ ان کی پارٹی کا کوئی آدمی مسلح نہیں ہے۔ اس پابندی نے اڑائیوں کو کم خطرناک بنانے کے ساتھ مکہ بازی اور کجتی کے فن کو اونچا مال تک پہنچا دیا تھا۔ گھنائم لٹھا ہو جانے کے بعد ایک دوسرے کی داری نوجوان اور قباقھاڑ باغداد کے عوام کے لیے ایک دلچسپ مشغله بن چکا تھا۔ علماء پر ہاتھ اٹھانا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی مناظرین اور صاحب صدر بحوم میں پھنس کر پڑ جاتے تھے۔

ان مناظروں میں کئی نئے مسائل پیدا ہوئے اور پھر یہ مسائل باغداد کے لیے وقت کا اہم ترین موضوع بنتے گئے۔ ان مناظروں میں شہرت حاصل کرنے والے علماء کو امراء کی مخصوص مخلوقوں میں بلا یا جاتا اور وہاں ان کے درمیان لگاتار کئی کئی دن تک بحث ہوتی رہتی۔ امراء شیخ الاسلام سے کوئی فتویٰ پوچھتے اور پھر اس کے بارے میں نامور مناظریں کی رائے لی جاتی۔ اختلاف کی صورت میں خلینہ کے سامنے ان کا منظر ہوتا اور خلینہ کا فیصلہ نام طور پر اس کے حق میں ہوتا جس کی زبان زیادہ تیز ہوتی یا دور ان بحث خلینہ کے علم و فضل کی شاخوانی کر کے یہ ثابت کر دیتا کہ اس کے علم اور خلینہ کے مقاصد میں نکرنا ہوگی۔

ان تمام قباتوں کے باوجود اگر خلینہ اور باغداد کے عوام عربوں کا وہ سپاہیانہ شعار جس نے پہلی صدی میں انھیں آدھی دنیا کا حکمران بنایا تھا، ترک نہ کرتے تو باغداد اور اس کے ساتھ باقی عالم اسلام کو ایک عبرت ناک تباہی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں عربوں نے جس قدر انواع کے ساتھ سندھ، ترکستان اور پسین کے ممالک فتح کیے تھے، عباسیوں کے پاس دور انحطاط میں بھی اس سے تین گناہوں تھیں اور وہ عالم اسلام پر کسی بڑی سے بڑی یلغار کو روک سکتے تھے

لیکن اموی اور عباسی خلفاء میں یہ فرق تھا کہ اول الذکر اپنی فوج کا آخری سپاہی تک دو در دروازے کے محاذوں پر بُشچ دیتے تھے اور عباسی خلفاء بغداد کی چار دریواری کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنی جانوں کی حفاظت کے لیے دو تین لاکھ تلواروں کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ چونکہ اموی خلفاء کی افواج دور دروازے کی غیر اسلامی سلطنتوں سے بر سر پیکار رہیں، اس لیے وہ کسی اندر ولی خلفشار میں حصے دار نہ بنیں اور ان کی ہر نئی فتح کی خبر عوام میں مرکز کی اطاعت کا جذبہ بیدار کرتی رہی۔ وہ ایک لڑی میں منسلک ہوتے چلے گئے اور اگر کبھی کوئی بغاوت بھی اٹھی تو افواج نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کے علاوہ اموی خلفاء نے فوج میں مختلف قبائل کے سپاہیوں کی تبلیغہ تبلیغہ جتنہ بندی نہ ہونے دی۔ ہر قوم، ہر ملک اور ہر قبیلے کا سپاہی ان کی فوج میں مساوی درجہ رکھتا تھا اور اعلیٰ منصب پر فائز ہونے والے ہر آدمی کے لیے ترقی کے راستے کھلے تھے۔ ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا ایک معمولی سپاہی اور اس قبیلے کا ایک عام آدمی اپنی ذہانت اور قابلیت کی بدولت اس فوج کا سپہ سالار بن سنبتا تھا۔

لیکن عباسیوں کے اقتدار کے ساتھ عالم اسلام میں جس انتشار و افتراق کی ابتداء ہوئی، وہ عباسی خلفاء کے انخطاط کے ساتھ ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ یہ عظیم الشان سلطنت جس کی بنیاد بنو امیہ کی سطوت کے گھنڈروں پر رکھی گئی تھی، پارہ پارہ ہو گئی۔ مختلف ممالک کے امراء خود مختار سلطین بن چکے تھے۔ حد یہ تھی کہ اگر عباسی خلفاء بغداد کی مساجد میں اپنے نام کے ساتھ ان سلطین کے نام کا خطبہ پڑھوانا منظور کرتے تو وہ بھی اپنے ممالک کی مساجد کے خطیبوں کو خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دیتے۔ سلجوقی سلطین کے اقتدار کے زمانے میں عباسی خلفاء ان کے ہاتھوں کے کھلو نے تھے۔

عباسی خالغا نے جن ترک اور ایرانی امیروں کو بغداد میں جمع کر رکھا تھا۔ ان کے قبائل کے سپاہیوں کی قیادت ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ خلیفہ، سپہ سالار یا وزیر اعظم سے سپاہیوں کی اطاعت، اپنے قبیلے کے امیر کی اطاعت کے ساتھ مشروط تھی اور خالغا کے جاسوس ان امراء پر کڑی گمراہی رکھتے تھے۔ اگر کسی سے سازش کا خطرہ ہوتا تو اسے اور اس کے قبیلے کے سپاہیوں کو یا تو کسی باغی سلطان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھج دیا جاتا یا کسی اور طریقے سے ختم کر دیا جاتا۔

اسی طرح امراء کے جاسوس بھی خلیفہ کے ارادوں سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتے چنانچہ ایک طرف تاریخ اگر ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ایک موقع پر خلیفہ کے دستِ خوان سے برتوں کے ساتھ چند لاشیں بھی اٹھائی گئیں تو دوسری طرف ہمیں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ خلیفہ مسلمین ایک دل غسل کے ارادے سے حمام میں داخل ہوئے اور ایک ساعت کے بعد وہاں سے ان کی لاش نکالی گئی۔

ہمارے لیے یہ اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ بغداد کے لوگ عباسی خالغا کو کس حد تک چاہتے تھے لیکن تاریخ ایسے خالغا کے نام بتاتی ہے جنہوں نے یہ محسوس کر کے کہ لوگ موت کے بعد ان کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کریں۔ اپنی قبروں کے ساتھ ساتھ سو سو خالی قبریں بنانے کی وصیت کی تھی تاکہ لوگ آسانی سے ان کی قبر کی تلاش نہ کر سکیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عالم اسلام کی حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں سے واسطہ نہ پڑتا تو دولت عباسیہ کے تزلیل کی رفتار شاید اس قدر تیز نہ ہوتی۔ ملک شاہ سلجوقی کی وفات اور اس کے وزیر اعظم نظام الملک کے قتل کے بعد عالم اسلام میں اس خطرناک تحریک کا ستد باب کوئی نہ کر سکا اور حسن بن صباح کے پیرو

گزشتہ صدی میں عالم اسلام کے درخشندہ ستاروں کو موت کے گھاڑا تارتے رہے۔ وہ باعمل علماء جن سے عالم اسلام کی صحیح راہ نمائی کی توقع ہو سکتی تھی، ایک ایک کر کے قتل کئے جا چکے تھے۔ چنانچہ جب خوارزم اور بغداد پر تاتاریوں کی افواج قبر الہی بن کرتا زل ہونے والی تھیں، عالم اسلام ایک خطرناک قحط الرجال کا سامنا کر رہا تھا

(۲)

بغداد پہنچ کر طاہر بن یوسف نے چار دن قاضی فخر الدین کے ہاں قیام کیا۔ اس دوران وہ بغداد کے چند گلی کو چوں، درس گاہوں اور کتب خانوں سے واقفیت حاصل کر چکا تھا۔ قاضی فخر الدین کے اپنے کتب خانے میں پائچ ہزار سے زائد کتابیں تھیں۔ فقہ، منطق اور تاریخ پر وہ خود کئی کتابیں لکھ چکا تھا۔ یہ کتابیں قاضی فخر الدین کے لیے معقول آمدی کا ذریقه تھیں۔ طاہر نے اپنے باپ کے پرانے ریش محسن کا پتہ معلوم کیا لیکن اس معلوم ہوا کہ اس کا سارا خاندان مصر جا کر آباد ہو گیا ہے

فخر الدین کے مکان میں طاہراً و رزید کے گھوڑوں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے اس نے یہ گھوڑے اپنے ایک پڑوی کے اصطبل میں بھجوادیتے تھے۔ طاہر نے آتے ہی اپنے لیے ایک علیحدہ مکان کی ضرورت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن فخر الدین چار دن تک ٹال تارہ۔ پانچویں دن اس نے اپنے شاگردوں سے طاہر کے لیے ایک کرائے کا مکان تلاش کرنے کے لیے کہا۔ ایک یہودی دلال نے اسے دو مکانات دکھانے کے بعد بتایا کہ اگر وہ انھیں خریدنا چاہیں تو بہت سستے مل جائیں گے۔

بغداد کے بعض امراء نے تو ہندوستان، خوارزم، مصر اور اندرس کے سلاطین کی

ملازمتیں اختیار کر لی تھیں اور ان کے عالی شان مکان نہایت ارزش قیمت پر بک رہے تھے۔ ظاہر اور زید نے جتنے مکانات دیکھے، ان میں سے کوئی اپیانہ تھا جسے خریدنے کے لیے زید نے بے تابی ظاہرنہ کی ہو لیکن ظاہر نے قاضی فخر الدین کا مشورہ لینا ضروری سمجھا اور شام کو جب اس نے مکان خریدنے کے متعلق قاضی کی رائے دریافت کی تو اس نے جواب دیا ”خالی مکانوں کی قیمت بہت اگرچکی ہے۔ تم اپنا مستقبل بغداد کے ساتھ وابستہ کر چکے ہو۔ یہاں اعلیٰ طبقے کے لوگ کرائے کے مکانات میں رہنے والے لوگوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ لوگ تمہارے علم و فضل اور سپاہیانہ خوبیوں کا اندازہ لگانے سے پہلے تمہارا مکان دیکھیں گے۔ اگر تمہارے پاس مکان خریدنے کے لیے معقول رقم ہے تو ضرور خرید لو لیکن یہ ضروری ہے کہ مکان خریدنے کے بعد تمہارے پاس دو چار سال کے اخراجات کے لیے کافی رقم ہو۔ صلاح الدین الیوبی کی تواریخ میں بغداد کی بڑی سے بڑی شخصیت متعارف کرادے گی لیکن یہ لوگ قلاش آدمی کے ساتھ زیادہ دیر دوستی نہیں رکھتے۔ بغداد میں جو منصب ذاتی قابلیت نہیں خرید سکتی وہ تحائف خرید سکتے ہیں۔“

ظاہر نے اپنی جیب سے تھیلی نکالی اور اسے کھول کر فخر الدین کے سامنے جواہرات ڈھیر کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ان کی قیمت کا علم نہیں۔ کیا آپ انھیں ایک مکان خرید نے اور چند سال کی ضروریات کے لیے کافی سمجھتے ہیں؟“

قاضی ایک لمحہ کے لیے حیران ہو کر جواہرات کی طرف دیکھتا رہا اور بالآخر بولا۔ ”اگر یہ جواہرات نلمی نہیں تو تم قصرِ خلد کے سوا بغداد کی ہر عمارت خرید سکتے ہو لیکن علم و فضل اور دولت کبھی اکٹھنے نہیں ہوتے۔ تم نے یہ کہاں سے لیے؟“

ظاہر نے جواب دیا۔ یہ بھی سلطان صلاح الدین الیوبی نے دیے تھے۔

قاضی فخر الدین نے چند ہیرے اپنی ہتھیا پر رکھ کر غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔  
تم بغداد کے امیر تین آدمیوں میں سے ہو۔ تم اپنے لیے ترقی کا کوئی دروازہ بند نہیں  
پاؤ گے لیکن سنو! تمہارے سو اکسی اور کوتوان کا علم نہیں؟  
صرف پچا احمد کو علم ہے۔

اور زید؟

اس کو میں نہیں بتایا لیکن اگر بتا دوں تو وہ قابلِ اعتماد ہے۔  
فخر الدین نے جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور واپس آکر  
بیٹھتے ہوئے کہا۔ بیٹا! تمہارے لیے ان جواہرات کو چھپا کر رکھنا بہتر ہوگا!  
طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔ کیا بغداد میں چور بھی ہیں؟  
قاضی نے جواب دیا۔ بغداد میں چوروں کے ہاتھ کا ٹوٹ جاتے ہیں لیکن  
تمہارے ایسے مہمندان ڈاکوؤں سے خطرہ ہے جن کے ہاتھ پُوٹے جاتے ہیں۔

آپ کا مطلب۔۔۔۔۔؟

میں کسی خاص آدمی کا نام نہیں لیتا چاہتا۔ دربار کے امراء میں سے چند ایسے  
ہیں جو ایسے قیمتی جواہرات کی ہوس میں اخلاقی قیود کی پروانیں کرتے اور جب تک تم  
ابھی ہو تمہیں ایسے لوگوں سے باخبر رہنا چاہیے!  
کیا وہ مجھ سے زبردستی چھین لیں گے؟

قاضی نے جواب دیا۔ وہ اتنے بیوقوف نہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ زبردستی  
کرنے والے فوراً منظرِ عام پر آ جاتے ہیں۔  
کیا خلینہ ایسے لوگوں سے باز پس نہیں کرتا؟  
خلینہ ایسے لوگوں سے باز پس کرے تو دربار میں اسے بیش قیمت تھا۔

پیش کرے! اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص کی آواز خلینہ تک پہنچ سکے۔ عوام کو ان کا دیدار صرف عید کے موقع پر نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی کافی دور سے بغداد میں تمہارا کوئی اثر و رسوخ نہیں۔ امرا تمہارے خلاف کئی سازشیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم خوارزم شاہ کے جاسوس ہو اور تم پر مقدمہ چلانے بغیر خلینہ سے تمہارے قتل کا حکم حاصل کر سکتے ہیں!

کیا ایسے موقع پر سلطان صالح الدین ایوبی کی تلوار مجھے بے گناہ ثابت نہ کر سکے گی؟

وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حکومت مصر نے تمہیں سلطنتِ بغداد کا تختہ اللٹنے کے لیے بھیجا ہے!

ظاہر نے تھوڑی دریسو پنے کے بعد کہا۔ مجھے دولت سے محبت نہیں، میں بغداد میں ایک بہت بڑا متعدد لے کر آیا ہوں۔ میں دربارِ خلافت میں رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ خلینہ کا ایک نیک نیت مشیر بن کر حکومت کی خارجہ حکمتِ عملی میں تبدیلی پیدا کر سکوں۔ عالمِ اسلام اس وقت مختلف اطراف سے خطرناک آندھیوں کا سامنا کر رہا ہے۔ گزشتہ صلیبی جنگوں میں دربارِ خلافت کی بے اعلقی اور غیر جانب داری سے مغرب کے نصرانی حکمرانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ سلطان صالح الدین ایوبی نے انہیں عبرت ناک شکستیں دے کر شام و فلسطین سے نکالا لیکن ہلال و صلیب کے ان فیصلہ کن معرکوں میں دربارِ خلافت کا طرزِ عمل بہت مایوس گئا تھا۔ شکست کے باوجود اہل یورپ پر ان معرکوں نے ثابت کر دیا ہے کہ خلینہ کو بغداد کے سوا باقی عالمِ اسلام کے ساتھ کوئی دچکی نہیں اور وہ اہم ترین محااذ پر بھی چند رضا کاروں سے زیادہ نہیں بھیج سکتا۔ اس لیے وہ ازسر نو منظم ہو کر مصر کی سلطنت کو تاخت و

تاریخ کرنا چاہتے ہیں اور یہ سلطنت عیسائیت کے سیاہ کے سامنے عالمِ اسلام کی آخری دیوار ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دیوار تنہا اس طوفان کا رُخ بدل دے لیکن شمال مشرق سے چنگیز خان کی صورت میں ایک نیا طوفان اٹھ رہا ہے اور اس طوفان کو اگر سلطنتِ خوارزم کی حدود کے پار نہ روکا گیا تو کسی دن یہ بغداد کو بھی خس و خاشک کی طرح بہا لے جائے گا۔ بغداد کی چھاؤنی میں ایک بڑی فوج موجود ہے لیکن بغداد فوج کے سرداروں کی سازشوں کا مرکز صرف اس لیے بنا ہوا ہے کہ ان کے سامنے کوئی مشترکہ محاذ اور بلند نصبِ اعین نہیں۔ ان کی زندگی اس جہاز رانوں کی زندگی نہیں جوئے ممالک اور نئے راستے تلاش کرنے لے لیے گھر سے نکلتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے حسد و بغض رکھنے کی بجائے انہیں اپنا دست و بازو سمجھ کر ان پر جان چھڑ کتے ہیں۔ خطرناک طوفان اور مہیب ہنورا یہے ملاحوں میں انتشار پیدا کرنے کی بجائے ان کے اتحاد و اتفاق کے رشتے اور زیادہ مضبوط کرتے ہیں لیکن بغداد کے لوگ ان مجھیروں کی طرح ہیں جو چھوتے سے جوہر میں مجھیلوں کی تقسیم پر اڑ رہے ہوں۔ جنہیں یہ بتانے والا کوئی نہیں کہ یہ دنیا ناپید کنار سمندر ہے اور اگر وہ اس سمندر میں اٹھتی ہوئی موج نہ بن سکے تو سمیتِ مختلف سے اٹھتے ہوئے طوفانوں کی موجیں ان پر چھا جائیں گی۔ انہیں یہ بتانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں، اسی فرض کے احساس نے مجھے بغداد آنے پر آمادہ کیا اور گھر سے رخصت ہونے سے چند دن قبل مجھے یہ علم نہ تھا کہ میری مشکلات کو آسان بنانے کے لیے میرے پاس اس قدر دولت بھی ہے۔ صالح الدین ایوبؑ کے خون اور پسینے کا ہر قطرہ خدمتِ اسلام کے لیے وقف تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی عطا کردہ دولت سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام دوں۔ اس لیے مجھے یہ دولت اپنے لیے سنبھالنے کا اس قدر شوق نہیں جس

قد راسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی خواہش ہے۔ اگر مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس پر کسی امیر کی نگاہ ہے تو میں ان جواہرات کو بغداد کے مفلس اور نادار لوگوں میں لکھا دوں گا۔ کسی زبردست امیر کے خزانے میں جانے نہ دوں گا۔ جو مقاصد میں نے آپ پر ظاہر کیے ہیں، ان کے حصول کے لیے دربارِ خلافت تک میری رسائی ضروری ہے۔ گزشتہ چار دن میں میں نے بغداد کے متعلق جواندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ عوام اب بھی ایک صحیح نصب العین پر جمع ہو سکتے ہیں صرف امراء کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس مکان کا فرش اور دیواریں سلامت ہیں صرف چھٹ میں شگاف پڑے ہوئے ہیں اور چھٹ تک پہنچنے کے لیے آپ کی رہنمائی ضروری سمجھتا ہوں۔

قاضی خخر الدین نے کہا۔ خدا تمہارے نیک ارادے پورے کرے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں تمہاری پہلی ضرورت ایک عالی شان مکان ہے۔ تمہارے حصطبیل میں بہترین گھوڑے ہونے چاہیں۔ اگر تم بغداد کے میدان میں چوگان اور نیزہ بازی میں مقام پیدا کر سکتے تو بہت جلد امراء کی نظروں میں آجائیں گے اور اس کے بعد ان میں سے ایک واقعیتی ہیروں کا تحفہ تمہیں دربارِ خلافت تک پہنچاوے گا۔ اس کے بعد تم اپنے علم کا لوہا منوا سکو گے اور اگر خدا کو بغداد کا مستقبل بہتر بنانا مقصود ہوا تو خلیفہ کے معتمد بھی بن سکو گے لیکن سر درست اپنے ارادے کسی ہر ظاہر نہ کرنا۔ خوارزم شاہ کو خلیفہ اپنابذرین دشمن سمجھتا ہے اور اس دشمنی کی ذمہ داری اُس پر بھی نائد ہوتی ہے۔

ظاہر نے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے بغداد پر چڑھائی کر کے سخت عاقبت نا اندریشی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن خلیفہ نے اگر خوارزم کی سلطنت مٹانے میں چنگیز خان کی حمایت کی تو یہ غلطی ناقابل تلافی ہوگی۔

قاضی خرالدین نے ایک ہیرا اٹھاتے ہوئے کہا۔ مجھے جواہرات کے متعلق کوئی علم نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ صرف ایک ہیرا تمہارے لیے بغداد میں نہایت اچھا مکان خرید سکے گا۔ ایک آرمنی تاجر کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ چلو اس کے پاس چلیں!

باتی ہیرے اٹھا کر اپنے پاس رکھلو۔ وہ تاجر قابلِ اعتماد ہے لیکن اسے یہ نہ بتانا کہ تمہارے پاس اس قسم کے اور ہیرے بھی ہیں عصر کی نماز کے بعد ظاہر اور قاضی خرالدین تاجر کے پاس پہنچے۔ اس نے ہیرا ہاتھ میں لے کر ایک لمحہ دیکھنے کے بعد سوال کیا۔ آپ نے یہ ہیرا کہاں سے لیا ہے؟ ظاہر کی بجائے قاضی نے جواب دیا۔ یہ ایک بہت بڑے آدمی کا تحفہ ہے! تاجر نے کہا۔ میں شاید فوراً اس کی قیمت ادا نہ کر سکوں لیکن اگر آپ منظور کریں تو میں اس کی آدمی قیمت اس وقت اور آدمی کا صلح تک ادا کر دوں گا۔

قاضی نے سوال کیا۔ کیا قیمت ہو گی اس کی؟

تاجر نے ہیرے کو دو تین بار غور سے دیکھا۔ میں اس کے ۵۰ ہزار دینار دینے کے لیے تیار ہوں۔

پچاس ہزار؟ قاضی نے حیران ہو کر سوال کیا لیکن سو داگر نے اس کی حیرانی کا مطلب الٹ سمجھتے ہوئے ہیرے کو پھر غور سے دیکھا اور کہا۔ دیکھیے! آپ میرے دوست ہیں میں سائٹھ ہزار تک دینے کے لیے تیار ہوں۔ اس سے زیادہ اس کی قیمت بغداد میں اور کوئی نہیں دے گا۔

قاضی کو بغداد کے مشہور یہودی جوہری سے زیادہ کی امید تھی لیکن وہ اس ہیرے کو کسی ایسی دکان پر فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں امراء کے جاسوس ہر وقت

موجود رہتے تھے۔ اس ایک ہیرے کی قیمت سن کر اسے احساس ہو گیا تھا کہ طاہر اس کے اندازے سے کہیں زیادہ دولت مند ہے۔ ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ آپ اسے غور سے دیکھیں۔ اس ہیرے کی قیمت ۰۷۰ ہزار سے کم نہیں ہوئی چاہتی! سو دا اگر نے کچھ دیر جھگڑے کے بعد پہلے دو ہزار کی چھلانگ لگائی اور پھر پانچ پانچ سو کر کے چونسٹہ ہزار تک پہنچا۔ بالآخر چونسٹہ ہزار پانچ سو دینار پر فیصلہ ہوا

(۳)

رات کے وقت جب قاضی خرالدین، طاہر اور اپنے چند مہمانوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھا تو زید موجود نہ تھا۔ خرالدین نے اپنے خادم سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ چوک مامونیہ میں ایک عظیم الشان مناظرہ ہے اور زید مغرب کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھا کر وہاں چلا گیا ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد طاہر اپنے کمرے میں بیٹھا شمع کی روشنی میں کتاب پڑھ رہا تھا۔ جوں جوں رات جا رہی تھی، زید کے متعلق اس کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ وہ کبھی کبھی اٹھ کر دروازے سے باہر جھانکتا اور پھر کتاب پڑھنے میں مصروف ہو جاتا۔ ایک شمع ختم ہونے کے بعد اس نے دوسری شمع جلاتی اور گرسی سے اٹھ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ چند بار اس کے دل میں خیال آیا کہ چوک مامونیہ میں جا کر زید کو تلاش کرے لیکن ہزاروں انسانوں کے انبوہ میں زید کو ڈھونڈ نکالنا ناممکن خیال کرتے ہوئے وہ ارادہ تبدیل کر دیتا۔

آدمی رات کے قریب کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے بعد طاہر کو قاضی کا ایک خادم دوسرے سرے سے یہ کہتا ہوا سنا تی دیا۔ اٹھو دروازہ کھول شاید زید

آیا ہے۔ اور دوسرا خادم یہ کہتا ہوا سنا تی دیا۔ تم خود کیوں نہیں کھو لئے!

ایک لمحے کے بعد طاہر کو دروازہ کھانے کی آہٹ اور قاضی کے خادم کے قہقہے سنائی دیے۔ وہ کہہ رہا تھا، ہمید اٹھوڑا زید کی صورت ملاحظہ کرو! پھر دونوں نہیں رہے تھے۔ ایک خادم کہہ رہا تھا۔ دیکھا۔ ہم نے تمہیں منع کیا تھا۔ شکر کرو آنکھ بچ گئی!

طاہر نے جلدی سے کروٹ بدلتی اور اپنا چہرہ چادر میں ڈھانپنے کے بعد آنکھ کے لیے تھوڑا سارستہ بنا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ زید بڑا تا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی قیمپس پہشا ہوا تھا۔ دیاں گال اور ناک سوجی ہوئی تھی اور باہمیں آنکھ کے نیچے کسی طاقت و رہا تھے کے ملکے کا سیاہ نشان تھا۔ زید تھوڑی دیر اپنے بستر پر بیٹھ کر اٹھا اور دیوار کے ساتھ لٹکتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اپنی صورت دیکھنے کے بعد بولا۔ دوست! اب میں بھی تمہیں مشکل سے پچان سنبتا ہوں۔ اچھا تماشہ دیکھنے گئے تھے تم! یہ کہتے ہوئے وہ اپنا گال سہلا تا ہوا پھر بستر پر آبیٹھا۔

زیر! تم آگئے! طاہر نے اپنی بنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ زید نے چونک کراس کی طرف دیکھا اور یہ سمجھتے ہوئے کہابھی اس نے اپنے چہرے سے چادر اٹھا کر اس کی صورت نہیں دیکھی، فوراً اٹھ کر شمع بجھا دی اور اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں میں آگیا ہوں۔

بہت دیر لگائی تم نے! کیا سیکھا وہاں!

گالیاں! زید نے مغموم آواز میں جواب دیا۔

تمہاری آواز بہت مغموم ہے۔ خیر تو ہے؟

زید نے ایک اداس بنسی کے ساتھ جواب دیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

طاہر نے کہا۔ تمہاری آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ناک میں تکلیف ہے!

زید نے بستر سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ تاک سے زیادہ میری آنکھ  
میں تکلیف ہے!  
طاہر کھلکھلا کر نہس پڑا۔

زید نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔ طاہر! ایک مسلمان پر بلا وجہ ہاتھ اٹھانا  
گناہ ہے نا؟

طاہر نے جواب دیا۔ کسی شخص پر بھی بلا وجہ ہاتھ اٹھانا گناہ ہے۔  
لیکن اگر کوئی بلا وجہ گلے پڑے تو؟  
تو ہمیں آنکھ کے بد لے آنکھ اور دانت کے بد لے دانت کے قانون پر عمل کرنا  
چاہتے۔ لیکن درگزر کرنا زیادہ اچھا ہے۔

میں نے بہت درگزر کی لیکن تاک پر چوت کھانے کے بعد انسان کی طبیعت  
میں سکون نہیں رہتا۔ میں نے انہیں باقی ملکے تو معاف کر دیے تھے لیکن تاک اور آنکھ  
کے بارے میں بے انتہائی نہ برداشت کیا۔ پھر بھی مجھے شک ہے کہ کوشش کے باوجود  
میرا کوئی مکانشنا نے پر نہیں پڑا۔ میں تمام عمر تیر اندازی اور تلوار چلانا سیکھتا رہا ہوں  
لیکن یہاں آ کر محسوس ہوا ہے کہ بغداد میں رہنے کے لیے ملکہ بازی اور گشتنی اڑنے  
کا فن سیکھنا بھی ضروری ہے۔

طاہر نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم مناظرے کے اختتامی کارروائی میں پورا حصہ  
لے کر آئے ہو۔

مجھے معلوم نہ تھا کہ اس کا اختتام اس طرح ہو گا لیکن یقین کیجئے کہ ہاتھا پانی  
کے وقت بالکل الگ تھلگ کھڑا تھا۔ اگرچہ مجھے اس موئی تازے اور بھاری آواز  
والے مناظر کے مقابلے میں ایک خیف والا غراور نہایت باریک آوازو والے عالم

سے ہمدردی ہو چکی تھی۔ پھر بھی میں فساد کے وقت ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن جب دو بزرگ صورت ایک دوسرے کی دارثی میں ہاتھ ڈالے گالیاں دیتے ہوئے میرے قریب آگئے تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں ان کے پیچ میں کو دپڑا۔ بڑی مشکل سے میں نے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کیا لیکن وہ بدستور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے اور میں ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں تین اور نوجوان آگئے اور وہ ان دو میں سے ایک بوڑھے پر ٹوٹ پڑے۔ میری مداخلت سے اُسے تو بھاگ کر نہر میں کو دنے کا موقع مل گیا لیکن وہ تینوں مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں بہتر اچلا یا کہ بھائی میں ایک اخنی ہوں لیکن کسی نے میری نہ سُنبھالا اور میں نے محسوس کیا کہ میں بُری طرح پٹ رہا ہوں اور اس بوڑھے نے جس کو شاید یہ رنج تھا کہ میں اس کے حریف کو بھاگنے کا موقع کیوں دیا ہے، اپنے کا نپتے ہوئے ہاتھوں سے میراً اگر بیان پھاڑ دیا۔ میں نے اپنی ناک اور آنکھ پر چوت کھانے سے پہلے ان پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ اس کے بعد میرے چند ملکے خالی گئے۔ تاہم ایک آدمی میری چپت کھا کر زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرامکہ کھا کر لیٹ گیا۔ تیرے نے میرے ملکے کو خطرناک سمجھتے ہوئے میرے ساتھ کشتی شروع کر دی۔ اس نے مجھے تین بار زمین پر پٹخن دیا۔ چوتھی بار ہم ایک دوسرے کو دھکلتے ہوئے ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ مجھے ندی میں گرانے کی کوشش میں وہ خود بھی میرے ساتھ گر پڑا۔ خوش قسمتی سے پانی تھوڑا تھا ورنہ میں ڈوب جاتا۔ ندی میں اڑتے ہوئے میں نے اسے دو تین لکے رسید کیے اور اس نے ہار مان لی۔ اب خدا کرے میرے لئے اس کی ناک اور آنکھ پر لگے ہوں۔۔۔۔۔ طاہر! میرے خیال میں یہاں تیرا کی سیکھنا بھی ضروری ہے۔ کیا

آپ تیرنا جانتے ہیں؟

طاپر نے جواب دیا۔ بہت معمولی۔ لیکن میرا ارادہ ہے کہ میں ہر صبح دریا میں  
مشق کیا کروں۔ ایک اچھا تیراک ہونا بھی ضروری ہے۔  
میں بھی سیکھوں گا۔

تحوڑی دیر کی خاموشی کے بعد زید نے کہا۔ طاہر! آپ مجھ سے خفاظتوں نہیں!  
کس بات پر؟

میں پوچھتے بغیر مناظرہ سننے چلا گیا تھا۔  
اگر یہ تجربہ مفید ہو تو میرے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔  
مفید---؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ساری عمر مناظرہ سننے نہیں جاؤں گا۔  
لیکن آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں--  
وہ کیا؟

وہ یہ کہ آج اس مناظرے کے چالیسویں رات تھی۔ چالیس دنوں میں ہر گروہ  
کے مناظر اپنے دعویٰ کو صحیح اور اپنے مقابل کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لیے  
ایڈی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ اس کے باوجود ایک دوسرے کو قائل نہیں کر سکے۔  
اس کی کیا وجہ ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ ایسے لوگ ہزار رس میں بھی ایک دوسرے کو قائل نہیں  
کر سکیں گے۔  
لیکن کیوں؟

طاہر نے جواب دیا۔ اس نے کہ مناظر ایک دوسرے کو سمجھنے اور حق بات ماننے  
کی نیک خواہشات لے کر ایک دوسرے کے سامنے نہیں جاتے۔ ان کا مقصود اپنی  
قوتِ بیان کا اظہار ہے۔ آئندہ اسلام جن کے نام پر اڑائیاں اڑی جاتی ہیں۔ کبھی

ایک دوسرے پر اس طرح کفر کے فتوے نہیں لگاتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام میں اجتہاد کے دروازے کھول کر اس ہر زمان و مکان کے لیے ایک زندہ تحریک بنادیا جائے اور یہ لوگ انہی کے نام کی آڑ لے کر اسلام میں افتراق و انتشار کا بیج بوتے ہیں!

”لیکن اس کا علاج؟“

”اس کا علاج یہ ہے کہ ان پر امن لوگوں کے لیے میدانِ عمل تلاش کیا جائے۔ اگر ہمارے سامنے میدانِ عمل ہو تو ان علماء سے جو امن کے زمانے میں مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کرنے کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منظم اور مستحکم کرنے کا کام لیا جاستا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس زمانے میں بھی مسلمان فتوحات کا شوق لے گھروں سے نکلے۔ ان میں اعتقادات کے بارے میں کبھی سر پھول نہ ہوتی۔ گفر پر اسلام کی فتح کی خواہش ان میں ہمیشہ اتحاد و تنظیم کا جذبہ پیدا کرتی رہی۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب مسلمانوں کی افواج بیک وقت سندھ، ترکستان اور انڈس میں اڑ رہی تھیں لیکن ہم نے کبھی یہ نہیں سنایا کہ ان مجاہدین نے کبھی مناظرہ کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو اور آج جب کہ ہمیں افق پر تباہی کا طوفان دکھائی دے رہا ہے، ہمارے علماء اگر دوپیش سے آنکھیں بند کر کے اپنے گھر میں پھوٹ ڈال رہے ہیں جس قوم کی تلوار نیام میں چلی جاتی ہے اس کا قلم بھی غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

زید نے کہا۔ بازار میں افواہ اگرم ہے کہ مغرب کے نصرانی بادشاہ مصر پر ایک زبردست حملہ کے تیاری کر رہے ہیں اور شاید چنگیز خان بھی خوارزم پر حملہ کر دے۔ اگر خلیفہ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا تو میں سب سے پہلے ان دو

علماء کے پاس جاؤں گا اور یہ کہوں گا کہ آؤ میں تنگ و کفن باندھ کر میدان میں جاریا ہوں۔ اسلام کی جس محبت کا مظاہرہ تم چوک مامونیہ میں کیا کرتے ہو۔ ایک دن میدانِ جنگ میں بھی اس کی نمائش ہو جائے! آپ نے مجھے زرہ خرید کر دینے کا وعدہ کیا تھا؟

مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ لیکن تم زرہ پہننے سے سخت انفرت کا اظہار کر چکے ہو۔ اس وقت میرا جسم دُکھ رہا تھا۔ آج میں نے فوج کے چند زرہ پوش سپاہیوں کو دیکھا۔ نئی زرہ جسم پر اچھی معلوم ہوتی ہے۔

میں تمہیں کل نئی زرہ لے دوں گا۔

اور خود بھی؟

خود بھی لے لوں گا۔

آپ تیرنا بھی سکھائیں گے تا مجھے؟  
وہ بھی سکھا دوں گا۔

زید نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ طاہر! میں نے آپ کو ایک بات نہیں بتائی۔  
وہ کیا؟ طاہر نے جماں لے کر کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔

جب میں ندی سے باہر نکل کر اس طرف آ رہا تھا۔ مجھے راستے میں وہ بوڑھا دکھائی دیا۔ جس نے میرا قمیض پھاڑ دیا تھا اور میں نے بغیر سوچے تجھے اس کے منہ پر تھپٹر رسید کر دیا۔

بہت بڑا کیا تم نے، اگر وہ کبھی ملے تو اس سے مغدرت کرنا!  
مغدرت قبول کرنے والوں سے تو وہ بھی نہیں تاہم مجھے افسوس ضرور ہے۔  
اچھا اب سو جاؤ۔

تین ماہ کے بعد طاہر کے امراء کی محفلوں میں کافی شہرت اور عزت حاصل کر چکا تھا۔ دریائے دجلہ کے کنارے وہ ایک عالی شان مکان خرید چکا تھا۔ زید کے علاوہ اس کے پاس چار اور خادم اور تین سائیمس تھے۔ اس کے اصطبل میں چوگان اور نیزہ بازی کے لیے گھوڑے تھے۔ قاضی فخر الدین کے مہمان خانہ سے اس عالیشان مکان میں منتقل ہوتے ہی سب سے پہلے جن لوگوں نے اسے اپنی توجہ کا مستحق سمجھا، وہ بغداد کے علماء تھے۔ پہلے ہی دن اس کے پاس وفد کی صورت میں یکے بعد دیگرے علماء کی پانچ ٹولیاں آئیں اور قریباً ہر ٹولی کے لیڈر کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ہمارے فرقے میں شامل ہو جائیں اور طاہر نے ان سب کو یہی جواب دیا۔ اگر آپ مجھے اسلام کی دعوت دینے آئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور اسلام کا صحیح مفہوم سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے وہ مسائل بیان نہ کیجیے جن پر آپ پانچ صد یوں میں متفق نہیں ہو سکے۔ بعض علماء نے اُسے بحث میں گھٹینے کی کوشش کی لیکن طاہر کی چند باتوں نے انہیں یقین دلادیا کہ اس نوجوان کے پاس صرف چاندی اور سونا ہی نہیں علم کا خزانہ بھی ہے۔

-----  
بغداد میں چوگان یا پولو کاررواج اس زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔  
-----

اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ شاہ سواری کے فن میں مال بھی ایک عرب نوجوان کی وراثت سمجھی جاتی تھی۔ مدینے میں احمد بن حسن نے طاہر کو فتوں سپہ گری سکھانے کے لیے بہترین استادوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ چنانچہ سولہ سال کی عمر میں ہی مدینے کے نوجوان تفعیلی اور نیزہ بازی میں

اس کے مال کا اعتراف کرتے تھے لیکن بغداد پہنچ کر طاہر کو معلوم ہوا کہ یہاں چوگان کے کھیل کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

شاہی محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس میں فوجی پریڈ، گھوڑوؤڑ، نیزہ بازی اور چوگان کا مقابلہ ہوتا تھا۔ اس میدان کے ایک طرف وزیر اعظم اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدیداروں کے محلات کی قطار تھی۔ شہر کے وہ معززین جنہیں امراء سلطنت دعوت دیتے، ان محلات کی بالکلوں میں بیٹھ کر پولو اور گھوڑوؤڑ دیکھتے خواتین کے لیے بالائی منزلوں کے دریچوں پر چمنیں ڈال دی جاتیں۔

اس میدان میں کھیلوں کا انتظام ایک تیجده نظام کے سپرد تھا۔ طاہر نے اس نظام سے واقفیت پیدا کرنے کی تدبیر سوچنے سے پہلے چوگان کے کھیل میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ شہر میں چوگان کے کھیل کے لیے چند اور میدان بھی تھے۔ طاہر نے ایک میدان میں چوگان کی مشق شروع کر دی اور چند ہفتوں کے بعد شہر میں چوگان کے شائقین کی محفلوں میں ایک ایسے نوجوان کا چبر چاہونے لگا جس کے باپ نے بہادری کے صلے میں صلاح الدین ایوبی کی تواریخ حاصل کی تھی۔ عوام کی آواز امراء کے کانوں تک پہنچی۔ امراء نے وزیر اعظم کو باخبر کیا اور وزیر اعظم کو تووال کو بلا کر پوچھا کہ ہم ابھی تک اس نوجوان سے متعارف کیوں نہیں ہوئے؟ چنانہ ایک صح طاہر دریا میں تیرنے کی مشق کر رہا تھا۔ زید بھاگتا ہوا آیا اور کنارے کھڑا ہو کر چلا یا۔ آپ جلدی باہر نکلے شہر کا کوتوال آپ سے مانا چاہتا ہے۔

طاہر نے باہر نکل کر کپڑے بدلتے ہوئے پوچھا۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ کوتوال

؟

وہ خود یہی کہتا ہے کہ میں کوتوال ہوں۔ اس کے ساتھ چھ مسلخ پاہی ہیں۔ میں

اے دیوان خانے میں بٹھا آیا ہوں۔ خدا کرے وہ اچھی نیت سے آیا ہوا!  
طاہر نے کہا۔ کسی کی نیت پر بلا وجہ شک نہیں کیا کرتے۔

(۵)

مکان پر پہنچ کر طاہر کو معلوم ہوا کہ کوتوال وزیر اعظم کی طرف سے ملاقات کی  
دعوت لے کر آیا ہے۔

میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر طاہر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی  
دیر بعد ہوا یک قسمی جبہ زیب تن کیے واپس آیا اور کوتوال کے ساتھ ہولیا۔

بغداد کے وزیر اعظم افتخار الدین سے طاہر کی پہلی ملاقات بہت مختصر تھی۔ افتخار  
الدین نے اس سے چند سوالات پوچھئے۔ تم بغداد میں کب آئے؟ کہاں سے آئے  
اور کیا مقصد لے کر آئے ہو؟

طاہر نے ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ مجھے آئے ہوئے تین مہینے  
وک دن ہوئے ہیں۔ میں مدینے سے آیا ہوں اور میرا مقصد خدمتِ اسلام ہے۔  
بہت نیک مقصد ہے۔ وزیر اعظم نے بے انتہائی کے ساتھ کہا۔ لیکن یہ مقصد  
آپ دولت عباسیہ کی خدمت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا کسی ذخیرہ انجم کے  
رکن بن کر؟ میں نے سنایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار کی بدولت بغداد  
کے عوام آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔۔۔!

یہ اس مرد مجاہد کی تلوار کا احترام ہو ستا ہے۔ میں ابھی اپنے آپ کو کسی عزت کا  
حق دار نہیں سمجھتا۔ رہا دولت عباسیہ کی خدمت کا سوال تو میں عرض کرتا ہوں کہ اگر  
میرے دل میں یہ جذبہ نہ ہوتا تو میں اپنا مستقبل بغداد سے وابستہ نہ کرتا۔ میں دولت  
عباسیہ کی صحیح خدمت، اسلام کی خدمت سمجھتا ہوں۔

صحیح خدمت سے آپ کی مُراد کیا ہے؟

طاہر نے اس سوال پر اچانک محسوس کیا کہ اس جہاندیدہ آدمی سے گفتگو کرتے ہوئے اسے بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتے ہے۔ اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ بیرونی خطرات کا اندازہ لگاتے ہوئے بغداد کی مدفعانہ قوت کو مضبوط کرنا دولت عباسیہ کی صحیح خدمت سمجھتا ہوں۔

افتخار الدین نے کہا۔ کیا تمہارے خیال میں محمد شاہ خوارزم کے واپس لوٹ جانے سے بیرونی خطرات ٹل نہیں گئے۔

لیکن چنگیز خان کا خطرہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔

افتخار الدین نے اطمینان سے جواب دیا۔ ہمارے لیے نہیں۔ خوارزم کے لیے! کیا آپ تاتاریوں کے طوفان کے مقابلے کے لیے خوارزم کو تنہا چھوڑ دیں گے؟

یہ حالات پر منحصر ہے۔ ابھی تک خوارزم شاہ نے ہم سے معافی نہیں مانگی۔ نہ اعانت طلب کی ہے اور نہ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ چنگیز خان چند تاجروں کے قتل کا بدله لینے کے لیے خوارزم پر چڑھ دوڑے گا کیونکہ وہ تاجر زیادہ تر بخارا کے مسلمان تھے۔

لیکن میں نے سنا ہے کہ سلطنت خوارزم کے ساتھ دولت عباسیہ کے سیاسی تعلقات پھر بحال ہو گئے ہیں اور ان کا سفیر یہاں آپنچا ہے؟

افتخار الدین نے جلدی سے سوال کیا۔ تم خوارزم کے سفیر سے ملتے ہو؟ طاہر کو پھر ایک بار یہ احساس ہوا کہ اس نے تدبیر کا ثبوت نہیں دیا۔ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ مجھے اس سے کیا کام!

افتخار الدین نے کہا۔ تمہاری دولت کی جوداستانیں مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر ہو صحیح ہیں تو تمہیں بغداد میں بہت محتاط ہو کر رہنا چاہیے۔ ہماری حکومت اپنی حکمتِ عملی کے متعلق باہر سے ہر مشورے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے اور امیرزادے نام طعر پر غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کر بیٹھتے ہیں!

طاہر نے جواب دیا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ دولتِ عباسیہ کی بہتری کے لیے صرف ہوگا۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو ایک تھفہ پیش کرنے کی بُرات کروں؟

افتخار الدین نے جلدی سے سوال کیا۔ صالح الدین ایوبی کی تلوار؟ نہیں، تلوار شاید آپ کے اسلام خانے میں ایک فالتوث ہو۔ یہ کہہ کر طاہر نے اپنی جیب سے سونے کی ایک ڈبیہ نکالی اور کھول کر وزیراعظم کو پیش کی۔

افتخار الدین نے ڈبیہ لے کر ایک چمکتا ہوا ہیرا نکالا اور غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں تھائف حاصل کرنے کے شوق سے نہیں بلایا تھا۔ اسے اپنے پاس رکھو۔

طاہر نے کہا۔ اگر آپ مجھے شرف بازیابی نہ بھی بخشتے تو بھی میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ یہ ہیرا کسی دن آپ کو پیش کروں گا۔ آپ اسے قبول فرمائیں! وزیراعظم نے ہیرے کی ڈبیا میز پر رکھ دی اور بتالی بجائی۔ ایک غلام کمرے میں داخل ہوا اور چند قدم جھک کر ادب سے سام کرنے کے بعد حکم کا انتظار کرنے لگا۔

وزیراعظم نے کہا۔ انہیں ہمارے اصطبل میں لے جاؤ اور جو گھوڑا یہ پسند کریں، اس پر زین ڈال کر ان کے حوالے کر دو۔ پھر اس نے طاہر کے ساتھ مصافحہ

کرتے ہوئے کہا۔ کل شام تمہاری میرے بان دعوت ہے اور میں فیصلہ کروں گا کہ تم سے دولت عباسیہ کی کون سی خدمت لی جاسکتی ہے۔

طاہر وزیر اعظم کے ساتھ مصافحہ کر کے رخصت ہونے کو تھا کہ ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

وزیر اعظم نے کہا۔ طاہر! یہ قاسم ہے میرا بیٹا!  
طاہر نے اس کے ساتھ گر مجوشی سے مصافحہ کیا۔

قاسم کوئی بیس بائیس سال کا موٹا تازہ نوجوان تھا۔ اس کے چہرے سے امراء کے نام اڑکوں کی طرح آسودگی، بے حسی اور بے فکری متربع تھی۔ آنکھیں یہ ظاہر کرتی تھیں کہ اس میں اپنے عالی نسب ہونے کا احساس حماقت کی حد تک پایا جاتا ہے۔ ہونتوں پر ایک مسکراہٹ تھی لیکن اس مسکراہٹ سے ملامت اور سادگی کی بجائے درندگی اور عیاری برستی تھی۔ قاسم کے ہاتھ میں ایک ہلکی سی تلوار تھی، جسے تنق زنی سکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس نے خود بغل میں دبارکھا تھا اور جسم پر زرد بلکتر پہنے ہوئے تھا۔

قاسم نے کہا۔ میں۔ تنق زنی کی مشق کے لیے جا رہا تھا کہ آپ کے یہاں آنے کا پتہ چلا۔ میں آپ سے زیادہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار دیکھنے کا خواہ شمند تھا۔

وزیر اعظم نے فوراً گفتگو کا موضوع بد لئے کی ضرورت محسوس کی اور کہا۔ قاسم! یہ ہمارے اصلیل سے اپنے لیے ایک گھوڑا پسند کریں گے۔ مشہور ہے کہ ایک عرب گھوڑے کے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا۔ تم ان کے ساتھ جا کر دیکھو یہ کون سا گھوڑا پسند کرتے ہیں۔

لیکن قاسم نے گھوڑے کے انتخاب کے مسئلہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور پھر طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ اگر آپ بیچنا چاہیں تو میں صالح الدین ایوب کی تلوار خریدنا چاہتا ہوں۔ ابا جان اس کے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرے دیں گے۔ آپ لباس سے ایک عالم معلوم ہوتے ہیں۔ آپ اسے کیا کریں گے؟

وزیراعظم نے جھنجھلا کر منہ پھیر لیا اور طاہر نے اپنی پریشانی پر قابو پوتے ہوئے کہا۔ ایسی چیز کو بیچنا اس کی تفصیل ہو گی۔ میں کسی معاوضے کے بغیر اسے آپ کی نذر کر دوں گا۔ لیکن ایک شرط پر۔

وہ کیا؟

وہ یہ کہ آپ اپنے آپ کو اس امانت کا مجھ سے بہتر حق دار ثابت کریں! قاسم نے پر امید ہو کر جواب دیا۔ آپ ایک عالم ہیں اور میں ایک سپاہی ہوں تلوار پر آپ سے زیادہ میرا حق مسلم ہے۔ ورنہ آپ آزمائ کر دیجئے لیجئے! طاہر نے کہا بہت اچھا۔ اگر آپ تنقیز نی میں مجھے مات دے گئے تو تلوار آپ کی۔

شمیز زنی کے فن میں قاسم کی خود اعتمادی غرور کی حد تک پہنچ چکی تھی اور اس کا یہ غرور بنا وجہ نہ تھا۔ وہ دور دراز کے بہترین استادوں فن سے تربیت حاصل کر چکا تھا۔ اس کی زندگی کے دو ہی مشاہل تھے۔ پول اور تنقیز نی۔ پولو میں چند اور نوجوانوں کو بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ تھا لیکن تنقیز نی میں سب اسکے مال کے حرف تھے۔ اس لیے جب طاہر نے اسے مقابلے کی دعوت دی تو قاسم نے ایک تھقہ لگایا اور وزیراعظم نے طاہر کی طرف تعجب کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ مقابلہ دلچسپ رہے تھا لیکن میں چاہتا ہوں دوسرے لوگ بھی اس سے لطف اٹھائیں۔ شاید خلیفۃ

مسلمین بھی اس میں دچپی لیں۔ لیکن آج نہیں کل بہتر رہے گا۔ آپ کل صحیح آجائیں۔ دوپر اور شام دونوں وقت کا کھانا میرے ہاں کھائیں۔ قاسم! اب تم انہیں گھوڑے دکھاؤ!

(۶)

وزیر اعظم سے دوبارہ مصالحت کرنے کے بعد طاہر قاسم کے ساتھ محل سے نیچے اترا محل کے وسیع صحن میں سنگ مرمر کی سڑک کے دونوں طرف صاف شفاف پانی کے تالابوں میں فوارے چھوٹ رہے تھے اور ان تالابوں کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں سبز گھاس کے پلاٹ تھے۔ ایک ڈیورہمی سے گزرنے کے بعد چند سیڑھیاں اُتکری یہ سنگ مرمر کی سڑک ایک دلکش باغ سے گزرتی تھی اور تالابوں کا پانی دو آبشاریں بنانے کے بعد دو ٹنگ اور تیز رفتار نہروں میں تبدیل ہو جاتا تھا، پھر ان نہروں سے دائیں بائیں کئی اور شاخیں نکل کر باغ کو سیراب کرتی تھیں۔ وہ میدان جس میں پولو اور گھوڑہ ووڑ ہوتی تھی محل کے اس حصے کے عقب میں تھا اور طاہر اسی طرف محل میں داخل ہوا تھا۔

دوسری ڈیورہمی پر باغ ختم ہو جاتا تھا اور اس سے باہر ایک وسیع چار دیواری کے اندر وزیر اعظم کے خادموں کے مکانات اور ایک بہت بڑا اصطبل تھا۔ اصطبل میں مختلف نسلوں کے ڈیڑھ سو گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور یہ تمام وزیر اعظم کی ذاتی ملکیت تھے۔ طاہر نے اصطبل کے تین چکر لگائے۔ کسی گھوڑے کو سرسری طور پر اور کسی کوغور سے دیکھا اور بالآخر ایک گھوڑے کی پیٹھ پر تھکن دیتے ہوئے کہا۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔

قاسم نے کہا۔ ٹوب۔ میں آپ کے انتخاب کی داد دیتا ہوں لیکن یہ کبھی کبھی

اُٹھے پاؤں چلانا شروع کر دیتا ہے۔ اسے ہمارے اصطبل میں آئے ہوئے گھل دو

مہینے ہوئے ہیں۔ یہ اتنا سرکش ہے کہ میں بھی اسے تربیت نہیں دے سکا۔

ایک جبشی خادم گھوڑے پر زین ڈال کر اصطبل کے صحن میں لے آیا۔ قاسم نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ گل کا وعدہ نہ بھولیے! طاہر نے مصالحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے میں تلوار اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔

قاسم نے ایک خادم کو اشارے سے بُلا کر کہا۔ یہ گھوڑا ان کے گھر چھوڑ آؤ۔ خادم گھوڑے کی باگ پکڑنے کے لیے آگے بڑھا لیکن اصطبل کے دروازے سے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور آن کی آن میں دو گھوڑے صحن میں داخل ہوئے طاہر نے ان گھوڑوں کے سواروں کو دیکھا اور ایک لمحے کے لیے بہوت سا ہو کر رہ گیا۔ یہ دونوں جوان لڑکیاں تھیں۔ دونوں سفید ریشم کا چست لباس اور موتویوں سے جھوکی ہوتی سفید ٹوپیاں پہنے ہوئے تھیں۔ انکھوں اور پیشانی کے سوا چہرے کے باقی نقوش پر سیاہ رنگ کے باریک نقاب تھے۔ گھوڑے بہت بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُتریں، خادم نے طاہر کے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر ان کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔ ایک لمحے کے بعد وہرے خادم بھاگتے ہوئے پہنچ گئے اور اس نے گھوڑے ان کے حوالے کر کے پھر طاہر کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ لڑکیاں قاسم کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھیں اور قاسم جلدی سے طاہر کو خدا حافظ کہہ کر ان کے پیچھے چل دیا۔

جب طاہر خادم کے ساتھ اصطبل سے نکل کر محل کی ڈیوڑھی کے سامنے سے گزراتوں دونوں لڑکیاں سیڑھیوں پر کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور قاسم اس کی

طرف اشارہ کر کے انہیں کچھ بتا رہا تھا۔

آخری دروازے سے گزرنے کے بعد طاہر کے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی اور اسکے ایک ہاتھ دریائے دجلہ اور دوسرے ہاتھ حکام سلطنت کے مکانات کی قطار تھی کوئی پانچ سو قدم کے فاصلے پر دریا کا پل دکھائی دیتا تھا۔  
ان لڑکیوں کا نام صفیہ اور سکینہ تھا۔ سکینہ قاسم کی بہن تھی اور صفیہ اس کے مر جوم پچا کی لڑکی۔

اصطبعل سے نکلنے کے بعد سکینہ نے صفیہ سے کہا۔ صفیہ! تم نے اس نوجوان کو دیکھا کتنی سادگی تھی اس کے چہرے پر تمہیں دیکھ کر بدحواس سا ہو گیا تھا۔  
میں نے تو اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ تمہیں دیکھ کر ہوا ہو گا بدحواس!  
صفیہ وہ بغداد کے امراء سے بہت مختلف تھا۔ میں دیکھ کر فوراً آنکھیں جھکائی تھیں۔

صفیہ نے جواب دیا۔ میں قاسم کے تمام دوستوں کے متعلق ایک ہی رائے رکھتی ہوں۔

لیکن میں اسے قاسم کے ساتھ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔  
صفیہ نے کہا۔ ہاں وہ شکل و صورت سے باعلم آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قاسم ایسے لوگوں کے ساتھ میل جوں نہیں رکھتا۔

جب یہ لڑکیاں سیر ہیوں پر چڑھ رہی تھیں قاسم نے انہیں پیچھے سے آواز دے کر ٹھہرالیا۔ صفیہ! اس نے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ ایک جانور دیکھو گی!

صفیہ نے جواب دیا۔ تمہیں دن میں ایک بار دیکھنے کے بعد میرے دل میں کسی نئے جانور کو دیکھنے کی خواہش کیوں پیدا ہونے لگی؟

قاسم نے اپنی تلخی کو مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں صرف تمہاری نگاہوں میں جانور ہوں لیکن تمہیں اپیسا شخص دکھاتا ہوں جسے کل تک بگداد کے تمام لوگ جانور کہیں گے۔ سکینہ! تم نے بھی دیکھا۔ وہ نوجوان جو اصل میں میرے قریب کھڑا تھا۔ اس کے باپ نے بہادری کے انعام میں سلطان صالح الدین ایوبی کی تلوار حاصل کی تھی اور آج اس نے مجھے دعوت دی ہے کہ اگر تنقیح زنی میں اس سے بازی لے جاؤں تو وہ تلوار میری ہوگی۔

اس وقت ظاہر ڈیوڑھی کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ قاسم نے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ان بدروں کی ذہنیت بھی عجیب ہے، چاہے انہوں نے اپنی زندگی میں تلوار کو چھو کر بھی نہ دیکھا ہو۔ اپنے آپ کو اس فن کا استاد ضرور سمجھتے ہیں۔ کل بڑا عجیب تماشا ہوگا۔ ابا جان کی خواہش ہے کہ یہ تماشہ خلیفۃ المسلمين کے سامنے ہو!

صفیہ نے کہا۔ اگر اس کے پاس صالح الدین ایوبی کی تلوار ہے اور وہ صحیح قسم کا بدرو ہے تو مجھے ڈر ہے کہ تم دوسروں کے لیے سامانِ تفسیک نہ بن جاؤ۔ چلو سکینہ چلیں! کل دیکھیں گے اس کے کرتب۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے صالح الدین ایوبی کی تلوار حاصل کر لی تو پھر اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگیں گے۔

## طاہر کے نئے دوست اور شمن

اسی رات عشاہ کی نماز سے تھوڑی دیر بعد طاہر اپنے دیوان خانے میں بیٹھا  
ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اس کے مکان کے سامنے چار تھوڑوں کی بگھی رکی۔ ایک  
خادم نے آکر اطلاع دی کہ ایک فوجی افسر سپہ سالار کا پیغام لایا ہے۔ طاہر نے  
کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندر لے آؤ!

خادم چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک دراز قیامت، قوی ہیکل اور بازعب آدمی  
کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اور چہرے  
سے خلوص ذہانت اور شجاعت مترشح تھی۔ طاہر نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور  
اپنے قریب ایک گرسی پر بٹھا لیا۔

نووار نے کہا۔ میرا نام عبد العزیز ہے۔ میں آپ سے غائبانہ و اتفاقیت حاصل  
کر چکا ہوں۔ اس وقت میں سپہ سالار کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ آپ سے مانا  
چاہتے ہیں۔ لیکن میں آپ سے ذاتی طور پر بھی ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے  
وقت کی ضرورت ہے۔ سردست میں آپ کو یہ بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا  
دوست سمجھیں۔ اور میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ اس لیے نہیں بڑھانا چاہتا کہ آپ  
بہت زیادہ امیر ہیں یا آپ کے پاس وہ تلوار ہے جو آپ کے والد نے صلاح الدین  
ایوبی سے انعام میں حاصل کی تھی بلکہ اس لیے کہ آپ کے دل میں اپنے آپ کو  
یہاں رہا پ کی نشانی کا حق دار ثابت کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ آپ نے قاسم  
کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ ہاں مجھے معلوم نہ تھا کہ بغداد میں یہ تلوار اس قدر اہمیت  
اختیار کر لے گی۔ میرے نزدیک اس کا صحیح مصرف یہ نہ تھا کہ ایک امیرزادے کے

اسلمہ خانے کی زینت بن جائے۔ اس لیے مجھے مقابلے کی دعوت دینا پڑی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ جہاں تک تلوار سے کھینے کا تعلق ہے، قاسم کو آپ نے محض ایک امیرزادہ سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کی صاحیت کا اعتراف کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا لیکن قصرِ خلد کے آس پاس رہنے والے امراء کیلئے کوں سے وہ اپنا لوبہ منواچکا ہے۔ اس لیے آپ ذراحتاطر ہیں تو اچھا ہوگا۔ اگر آپ ہار گئے تو آپ کو شاید تلوار چھپن جانے کا فسوس نہ ہو لیکن بعد اد کی فوج میں ایک نہایت غلط قسم کے عہدے دار کا اضافہ ہو جائے گا۔ پچھلے دنوں جب علاء الدین خوارزم شاہ کی افواج بغداد کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہماری افواج نے اسے راستے میں روکنے کی لیے پیش قدمی کی۔ وزیرِ اعظم کی کوشش سے خلینہ نے اس برخودار کو میمنہ کے بیس دستوں کے سالار کا عہدہ دے دیا لیکن تمام راستہ یہ حالت رہی کہ اگر سپہ سالار کے خیمے پر رات کے وقت بیس سپاہی پہرہ دیتے تو یہ دن کے وقت بھی چالیس پہرے داروں کا مطالبہ کرتا۔ اپنے ہر افسر کے ساتھ گستاخی سے پیش آتا اور یہ کہتا کہ میرا باب سلطنت عباسیہ کا وزیرِ اعظم ہے۔ ہم سب نے محسوس کیا کہ بغداد میں اس نوجوان کو جس قدر کند تلواروں سے مشق کرنے کا شوق تھا۔ اسی قدر اب یہ اصلی تلواروں کا مقابلہ کرنے سے گھبرتا ہے۔ چنانچہ چوتھی منزل پر اسے در در شروع ہوا اور پانچویں منزل پر یہ رخصت لے کر گھر چلا آیا۔ اس کی خوش قسمتی سے خوارزم کی افواج راستے سے لوٹ گئیں اور اسے خلینہ کے سامنے صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ اب سپہ سالار کو ڈر ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار اسے خلینہ کی نظروں میں کسی نہایت اہم عہدے کا حق دار ثابت نہ کر دے۔ میں بھی یہ خدشہ محسوس کرتا ہوں لیکن سپہ سالار کی طرح پریشان نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بغداد کی

ترتی کے دن گئے جا چکے ہیں اور بیسیوں ناہل عہدے داروں میں ایک اور کے اضافے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ میں بغداد میں بہت بڑی امیدیں لے کر آیا تھا لیکن---!

یہاں تک کہکر عبدالعزیز خاموش ہو گیا اور اس کے چہرے پر اداسی چھائی۔  
لیکن کیا---؟ طاہرنے پوچھا۔

عبدالعزیز نے کہا۔ میں مایوس ہو چکا ہوں۔ میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتا اور اگر آپ اپنے دل میں خدمتِ اسلام کا جذبے لے کر آئے ہیں تو آپ بھی شاید یہاں زیادہ دیر نہ رہ سکیں۔ اس وقت مصر میں بمال و صلیب کے معمر کے پھر گرم ہو گئے ہیں۔ میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میری ضرورت ہے، وہاں عالمِ اسلام کے ہر مجاہد کی ضرورت ہے، میرے چند اور دوست بھی وہاں جانے کے لیے تیار ہیں اور میں آپ کو بھی دعوت دیا ہوں لیکن اگر آپ وہاں نہ جانا چاہیں تو کم از کم ہمارے لیے تعارفی خط لکھ دیں۔ مصر میں آپ کی کافی واقفیت ہو گئی۔ تعارفی خط اس لیے نہیں چاہتا کہ وہاں ہماری اہمیت محسوس کی جائے بلکہ اس کی ضرورت اس لیے محسوس کرتا ہوں کیونکہ عبدالعزیز کو وہاں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر میں سپہ سالار کا خط لے کر بھی جاؤں تو بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ ہمیں جاسوس سمجھا جائے گا۔

طاہر نے کہا۔ نصرانیوں پر ملک العادل کے پر درپے فتوحات کی خبر آپ سُن چکے ہوں گے۔ میرے نزدیک فتنہ تاتار، اسلام کے لیے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ عبدالعزیز نے مایوس ہو کر کہا۔ میں بھی اسے کم خطرناک نہیں سمجھتا۔ لیکن کاش! وہ شخص جو خوارزم میں ہمارے دفاع کا آخری سورچہ سنپھالے ہوئے ہے،

اس قدر حمق نہ ہوتا۔ اسے محض اپنی قوت کے غلط اندازے نے تمام دنیا سے لڑائی مول لینے پر آمادہ کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف اب بگداد کو بلکہ ہر غیر ملکی کو خلینہ کا جاسوس سمجھتا ہے۔ اس نے چنگیز خان کو قوت آزمائی کی دعوت دی ہے لیکن اس قدر خوف ناک طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی اسلامی سلطنت کی اعتماد کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خلینہ نا صرکوبی یقین ہے کہ چنگیز خان سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہو پھر بگداد پر اپنی طاقت آزمائے گا۔ اس لیے۔۔۔ لیکن یہ باتیں کہنے کا بھی وقت نہیں آیا۔۔۔ بھر کہی۔ اب چلیے، سپہ سالار آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے!

طاہر نے کہا۔ آپ خاموش کیوں ہو گئے۔ مجھ پر اعتماد کیجیے۔

عبد العزیز نے متجمس نگاہوں سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں صرف ایک سپاہی ہوں اور سپاہی کو سیاسی معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں۔

ٹھریے۔ طاہر یہ کہتے ہوئے جلدی سے اٹھا اور دوسرے کمرے سے صلاح الدین ایوبی کی تلوار زکال لایا اور عبد العزیز کے سامنے اس کی دستے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ میرے والد نے ڈون کا آخر یقطرہ بیہا کریے انعام حاصل کیا تھا۔ میں اس تلوار پر ہاتھ رکھ کر نیک مقصد میں آپ سے وفاداری کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کے عوض میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں لیتا۔ آپ کے چہرے پر پہلی نگاہ نے مجھے بتا دیا تھا کہ بگداد میں مجھے جس رفیق کی تلاش تھی، اسے قدرت نے بھیج دیا ہے۔

عبد العزیز نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور طاہر کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔ شاید میں بھی کسی کی تلاش میں تھا۔ بگداد میں بہت سے لوگ کسی کی تلاش میں ہیں۔ کیا قدرت نے بگداد کی پرسکون زندگی میں تموج پیدا کرنے کے لیے آپ کو منتخب کیا ہے؟ اس جھیل کا کھڑا اپنی ہوا کے کسی تیز جھونکے کا منتظر ہے۔

اس سوئی ہوتی محفل کے لیے صور اسرائیل کی ضرورت ہے۔ اگر ہو آپ ہیں تو میں آپ سے آخری دم تک دوستی اور وفا کا عہد کرتا ہوں۔ میں نے گز شہر رات ایک خواب دیکھا تھا اور اب شاید اس کی تعبیر دیکھ رہا ہوں۔ میں بہت سے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ سمندر میں طوفان اٹھ رہا تھا۔ کشتی ایک سوراخ کے راستے آہستہ آہستہ پانی جمع ہو رہا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ ڈوب جائے گی۔ ہم زندگی سے مايوں ہو چکے تھے۔ اچانک پانی سے ایک چٹان نمودار ہوتی اور پھیلی اور بلند ہوتی چلی گئی۔ سرکش موجیں بعض اوقات اس سے لکرا کرو اپس چلی جائیں اور بعض اوقات اسے تھوڑی دری کے لیے اپنی آغوش میں چھپا لیتیں۔ ہم میں سے ایک نوجوان نے کشتی کی پتوار سنبھالتے ہوئے کہا۔ یہ چٹان ہمارا آخری سہارا ہے۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ چٹان زیادہ دریاں زبردست موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بعض ملاحوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے ہاتھ سے پتوار چھیسنے لی اور اس نے مايوں ہو کر پانی میں چھلانگ لگادی اور تیرتا ہوا چٹان پر جا چڑھا۔ میں اور میرے چند ساتھیوں نے اس کی تقلید کی لیکن دوسرے مسافر کشتی کے ساتھ چھٹے رہے۔ ہم چٹان پر پہنچ چکے تھے اور کشتی کو سمندر کی موجیں ایک تنکے کی طرح بہا کر ہم سے دور لے جا رہی تھیں۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ بعض لوگ اس چٹان سے کو دکر کشتی کا رخ کر رہے تھے۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں کشتی کا انعام نہ دیکھ سکا۔

طاہر نے کچھ دری سوچنے کے بعد کہا۔ کیا آپ سلطنتِ خوارزم کوتا تاریوں کے سیااب کی راہ میں آخری چٹان نہیں سمجھتے؟

عبد العزیز نے جواب دیا۔ وہ ہمارے دفاع کی آخری چوکی ضرور بن سکتی تھی لیکن موجودہ حالات میں یہ کہنا مشکل ہے کہ علاء الدین محمد شاہ کی قیادت میں

خوارزم کی افواج تاتاری سیاہ کے سامنے آخری چٹان ثابت ہوں گی، وہ ایک خود غرض، جاہ پسند اور تو ہم پرست آدمی ہے۔ جب اس نے بغداد پر چڑھائی کی تھی۔ اہل بغداد پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے اور یہ خدشہ تھا کہ اس کی فتح کے امکانات دیکھ کر خلینہ کی فوج کے بہت سے ترک امراء کے ساتھ جا ملیں گے لیکن راستے میں برف پڑی اور وہ اسے عذاب الہی سمجھ کر واپس چلا گیا۔ مجھے خدشہ ہے کہ چنگیز خان سے پہلی شکست کے بعد وہ یہ سمجھ کر ہمت ہار دے گا کہ اس کے مقدار کا ستارہ ڈوب چکا ہے اور یہ چٹان ایک بار ڈوب کر دوبارہ اُبھر نے کا نام نہ لے گی۔

ظاہر نے کہا۔ تو کیا اس صورت میں بغداد کے لوگوں میں یہ احساس پیدا کرنا ضروری نہیں کہ دفاع کا یہ آخری سورچہ ٹوٹ جانے کے بعد تاتاریوں کا سیاہ ہم سے قریب تر ہو جائے گا۔ کیا مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے خافیہ اور خوارزم شاہ کے اختلافات مٹانے کی کوشش کرنا ہر دُور اندیش آدمی فرض نہیں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر دولت عباسیہ اور سلطنت خوارزم میں اتحاد ہو جائے تو ہم دنیا کے آخری کونے تک چنگیز خان کا تعاقب کر سکتے ہیں۔ میں یہی مقصد کے کربنگا میں آیا ہوں اور یہی مقصد ہے جو مجھے امرائے سلطنت اور خلینہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نہایت بھوٹے اور شرم ناک طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ میں انہیں خواب سے جگانا چاہتا ہوں اور اگر خدا نخواستہ مجھے کامیابی نہ ہوئی تو میری دوسری منزل مصر یا خوازم ہوگی۔

عبد العزیز نے کہا۔ تو مجھے خواب میں کشتی سے چٹان کا راستہ دکھانے والا اور کوئی نہ تھا، آپ تھے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میرے چند دوست بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ اگر آپ کو کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو میں کل رات انہیں اپنے ساتھ

لے آؤں گا۔

طاہر نے کہا۔ کل رات میری وزیر اعظم کے یہاں دعوت ہے۔ پرسوں آپ انہیں یہاں لے آئیں۔

عبدالعزیز نے کہا۔ اگر کل رات آپ کی وزیر اعظم کے ہاں دعوت ہے تو پرسوں شام یقیناً سپہ سalar آپ کو اپنے ہاں بلا میں گے۔ اس کے بعد دوسرے امراء کی بری ہوگی اور پھر شاید خلافیہ بھی آپ کو اپنی نظرِ عنایت کا مستحق سمجھیں لیکن چ بتائیں آپ نے وزیر اعظم پر کیا جادو کیا؟ وہ کسی معمولی تھفہ کو درخواستنا نہیں سمجھتے؟

طاہر کے تذبذب پر عبدالعزیز نے کہا۔ میں نے یہ سوال صرف اس لیے پوچھتا تھا۔ کہ آپ کو ذرا بآخہ کر دوں۔ سپہ سalar برہا راست آپ سے یہ سوال نہ پوچھے لیکن وہ گول مول باتوں سے یہ راز معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا لیکن آپ اسے نہ کو شش کریں اور اپنا سب سے قیمتی تھفہ خلینہ کے لیے رکھ چھوڑیں۔

طاہر نے کہا۔ میں وزیر اعظم کو ایک ہیرا پیش کیا تھا اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو سپہ سalar کو بھی ایک ہیرا پیش کر دوں۔

عبدالعزیز نے کہا۔ اچھا ہوا آپ نے پوچھ لیا۔ سپہ سalar تھائف سے عہدے حاصل کرنے والے امیرزادوں سے بہت چہڑتا ہے۔ وہ تھائف پیش کرنے والوں سے ہمیشہ کے لیے بدن ہو جاتا ہے۔ اب چلیے وہ بہت پریشان ہو رہا ہوگا۔

طاہر اور عبدالعزیز ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے مکان سے باہر نکلے اور بگھمی پر سوار ہو گئے۔ راستے میں عبدالعزیز نے کہا۔ آپ کی دعوتوں کا سلسلہ شاید چند دنوں تک ختم نہ ہو۔ س لیے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اپنے دوستوں کے

ساتھ پرسوں سچ آجائیں گا۔ پرسوں جمعہ ہے اور ہمیں چھٹی ہو گئی۔ نماز کے بعد ہم کشتنی پر یا گھوڑوں پر سیر کے لیے جائیں گے۔

تمہوڑی دور آگے جا کر طاہر نے سوال کیا۔ آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ سپہ سالار نے مجھے شرفِ ملاقات کیوں بخشنا ہے؟

عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ جونووار دوزیرِ اعظم سے ملتا ہے سپہ سالار اس سے ملاقات ضروری سمجھتے ہیں اور آپ سے ملنے کے لیے ان کی بے قراری کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے قاسم کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ قاسم کی شہرت میں ایک نیا اضافہ شاید اس کے لیے فوج میں باندروں عہدہ حاصل کرنے کا سبب بن جائے۔ اس لیے وہ آپ سے غالباً یہ کہیں گے کہ بر خودار! اگر تم تلوار چلانا نہیں جانتے تو گھوڑوں کا انتظام میں کرتا ہوں۔ تم آج رات ہی بغداد سے روانہ ہو جاؤ، کسی سیاسی موضوع پر ان سے بات نہ کرنا۔ وہ ہر سیاست دان کو بغداد کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنے آپ کو ایک سادہ دول پاہی ثابت کر کے تم ان کی توجہ اور دلچسپی کے مستحق بن جاؤ گے۔ اگر علاء الدین محمد شاہ کا ذکر آجائے تو یہ نہ کہہ دینا کہ وہ راستے کی برف باری کو بدشکونی سمجھ کر واپس چلا گیا تھا۔ وہ صرف یہ سن کر خوش ہوتے ہیں کہ خوازم شاہ پر ان کی بیت چھاگئی تھی۔ یہ سئنے کے بعد اگر وہ اٹھ کر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی موچھوں پر ہاتھ پھر نہ لگیں تو آپ یہ ضرور کہہ دیں کہ خوارزم کی لومزی کو شیر بغداد کے سامنے آنے کی جرأت کیونکر ہو سکتی تھی؟

سپہ سالار کے مکان کے سامنے بگھی رکی اور طاہر اور عبد العزیز اندر داخل ہوئے، ایک پہرے دار انہیں اور پر کی منزل میں لے گیا۔ ملاقات کے کمرے سے

باہر سپہ سالار کا محافظہ کھڑا تھا۔ اس نے ان دونوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے عبد العزیز سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ نے بہت دیر لگائی۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں انہیں اندر چھوڑ آؤں۔

(۲)

محافظ طاہر کو اندر چھوڑنے کے بعد واپس آکر عبد العزیز کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا تھوڑی دیر بعد ایک جبشی غامم نے باہر آکر عبد العزیز سے کہا۔ سپہ سالار آپ کو بلاتے ہیں۔

عبد العزیز کمرے میں داخل ہوا۔ سپہ سالار نے کہا۔ عبد العزیز انہیں ان کے گھر پہنچا آؤ اور دیکھو۔ کل علی الصباح ان کے پاس جانا اور یہاں لانے سے پہلے ان کا اچھی طرح امتحان لے لینا۔ قاسم کو آج شام میں نے اس کے یونانی استاد کے ساتھ مشق کرتے دیکھا ہے۔ تمہیں معلوم ہے یہ یونانی کون ہے؟

عبد العزیز نے جواب دیا۔ اس کے متعلق میں زیادہ معلومات فراہم نہیں کیں لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ گزشتہ ہفتے اپنے بادشاہ کی طرف سے خلیفہ اور وزیر اعظم کے پاس چند تھائے لایا تھا اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ میں بہادری دکھا کر شاہ فرانس سے انعام حاصل کیا تھا اور قاسم نے ایک معقول معاوضہ پر اس کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔

عمر سیدہ سپہ سالار نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ اور اب وہ واپس جا کر یہ کہے گا کہ بغداد کے امراء کے لڑکے تیغ زنی سکھنے کے لیے مغرب کے عیسائی اُستادوں کے محتاج ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اسے یہ بتا سکے کہ مسلمان تلوار کا کھیل سکھنے کے لیے کسی اُستاد کا محتاج نہیں۔ یہ احساس کرتی ہمیں لے

عبدالعزیز نے کہا۔ اس بارے میں ہمارے جذبات آپ سے مختلف نہیں لیکن کاش وہ شخص محض ایک یونانی ہوتا۔ وہ وزیر اعظم کے صاحب زادے کا اُستاد ہے۔ ایک نام سپاہی اسے مقابلے کی دعوت کیونکر دے سکتا ہے؟ اگر قاسم کو مقابلے کی دعوت دینے کے لیے بھی ایک امیرزادہ ہونا ضروری نہ ہوتا تو اب تک اپنے متعلق اس کی غلط نہیں دُور ہو چکی ہوتی۔ طاہر کو ایک امیرزادہ فرض کر لیا گیا ہے اور اگر اسے ایک امیرزادہ فرض نہ بھی کیا جاتا تو صلاح الدین ایوبی کی تلوار قاسم کے دل میں رقابت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔

سپہ سalar نے کہا۔ لیکن یہ تماشا خلینہ کے سامنے ہو گا۔ قاسم کے اُستاد کے پاس شاہ فرانس کا آفرین نامہ ہے۔ شاگرد نے اگر بازی جیت کر صلاح الدین ایوبی کی تلوار حاصل کر لی تو کون کہہ سکتا ہے کہ چند سال بعد بغداد کی افواج کی قیادت کیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو گی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ مجھے طاہر کے متعلق اطمینان ہے اس شاگرد کے بعد کسی طرح اُستاد بھی میدان میں آجائے تو ممکن ہے کہ یہ کھیل اور بھی دلچسپ بن جائے۔ اُستاد کے بعد شاگرد! نوجوان تم دُور کی سوچنے میں ہمارے وزیر خارجہ سے کسی طرح کم نہیں۔ آج سے تمہارا نام اپنے ذہین سالاروں کی فہرست میں درج کرتا ہوں۔ اُستاد کے بعد شاگرد!

عبدالعزیز نے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ جی شاگرد کے بعد اُستاد!

ہاں ہاں شاگرد کے بعد اُستاد! سپہ سalar نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اگر اس

نوجوان نے ہماری توقعات پوری کیں تو ان دونوں کی صورت دیکھنے والی ہوگی۔  
شاگرد کے بعد استاد! عزیز! تم نے بہت دور کی سوچی۔ اب بہت دیر تک مجھے نہیں  
نہیں آئے گی۔ آج وزیر اعظم یہ خدشہ ظاہر کر رہے تھے کہ اگر کوئی قصیدہ گو شاعر آگیا  
تو خلینہ اس دلچسپ کھیل کو دیکھنے کے لیے آنے کا وعدہ بھول جائیں گے۔ میں یہ  
کوشش کروں گا کہ کل کوئی شاعر اس طرف کونہ جانے پائے لیکن۔۔۔۔۔ اس نے  
اچانک سنجیدہ ہو کر کہا۔ کل صبح اس نوجوان کو اچھی طرح آزمای کر دیکھ لیں۔ اب اسے  
گھر چھوڑ آؤ!

سپہ سالار کے محل سے نکل کر بھی پرسوار ہوتے ہوئے عبد العزیز نے ظاہر کی  
طرف دیکھا اور ہستے ہوئے کہا۔ استاد کے بعد شاگرد!  
ظاہر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ تمہارا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ سپہ سالار نے  
میرے ساتھ مصافی کرنے کے بعد میرے بازوؤں کو ٹوٹ لئے ہوئے کہا۔ برخودار!  
تمہارے بازو تو کافی مضبوط معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر تم تنقیز نی میں اپنی مہارت کا  
غلط اندازہ لگانے کے خاطری ہو تو میرے بہترین گھوڑے تمہیں گھر پہنچانے کے لیے  
موجود ہیں۔ قاسم کے یونانی استاد کا نام کیا ہے۔

لوکس۔ عبد العزیز نے جواب دیا۔ لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے یقین ہے  
کہ استاد شاگرد سے بہتر ثابت نہیں ہوگا۔

ظاہر نے حقارت آمیز لمحے میں کہا۔ میں اس سے ذرا پریشان نہیں لیکن کاش!  
میرا اور اس کا مقابلہ اس قدر دوستانہ فضائیں سکند تواروں سے نہ ہوتا!

عبد العزیز چاند کی روشنی میں غور سے ظاہر کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ  
دنفریب چہرہ جس پر اسے ٹھوڑی دیر پہلے ایک باعظام آدمی سنجیدگی نظر آتی تھی، اب

سپاہیانہ و قارو جبروت کا آئینہ دار تھا۔

طاہر کے مکان کے سامنے پہنچ کر عبدالعزیز نے کہا۔ اُتر یہ۔ آپ کا مکان آگیا۔ لیکن وہ کسی گہرے خیال میں محو تھا۔ عبدالعزیز نے آہست سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ کیا سوچ رہے تھے آپ؟ کیا اُس یونانی کو شق زنی کا سبق دے رہے تھے؟

طاہر نے چونک کر کہا۔ نہیں۔ میرے لیے یہ مسئلہ اس قدر اہم نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ چینگیز خان اس وقت کیا کر رہا ہو گا! ترکستان میں سلطان علاؤ الدین کیا کر رہا ہے۔ مصر میں کیا ہو رہا ہے اور ہم بغداد میں کیا کر رہے ہیں۔ ہم زندگی سے کس قدر رُور ہیں؟

طاہر بکھری سے اُترا۔ دروازے کے باہر زید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ طاہر نے کہا۔ زید۔ تم ابھی تک سوئے نہیں؟

زید نے غصے، شکایت اور شفقت کے لمحے میں جواب دیا۔ یہ کیسے ہو ستا ہے کہ آپ خالی ہاتھ شیروں کی کھچار میں جائیں اور مجھے نیندا آجائے۔

(۳)

شاہی محل کے سامنے ایک نصف دائرے میں سانبانوں کے نیچے دو قطاروں میں امراء سلطنت گرسیوں پر رونق افروز تھے۔ ان کے پیچے تیسری قطار میں نچلے طبقے کے حکام کھڑے تھے۔ اور درمیان میں ذرا اونچے پلیٹ فارم پر ولی عہد طاہر اور اس کے نوجوان بیٹے مستنصر کی گرسیاں تھیں۔ طاہر اور مستنصر کے سامنے ایک میز پر سُنہری طشت میں صلاح الدین ایوبی کی تلوار رکھی ہوئی تھی۔ سانبان اور شاہی محل کے برآمدے کے درمیان میں خالی جگہ پر ایک سُرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔

اور محل کے برآمدوں میں ریشمی پردوں کے پیچھے شاہی خاندان اور امیر گھرانوں کی خواتین بیٹھی ہوتی تھیں۔ محل کی دوسری منزل کی کشادہ گیلری کے درمیان ایک خوب صورت محراب کے نیچے ایک سنبھری کرسی دکھائی دیتی تھی اور شامیانے کے نیچے بیٹھنے والے تمام امراء کی نگاہیں اس کی کرسی پر لگی ہوتی تھیں۔ ولی عہد کے دائیں ہاتھ وزیر اعظم اور شہزادہ مستنصر کے بائیں ہاتھ سپہ سالار کی گرسیاں تھیں اور دوسرے وزرا فوجی عہدے داروں اور بیرونی ممالک کے سفیروں کو ان کے مراتب کے لحاظ سے بٹھایا گیا تھا۔ چنگیز خان کے سفیر کی کرسی وزیر اعظم کے ساتھ تھی اور علام الدین محمد شاہ کا سفیر عہد الممالک سپہ سالار کے قریب بیٹھا تھا۔

پہلی قطار کے ایک سرے پر قاسم کی کرسی تھی اور اس کے پیچھے دوسری قطار میں طاہر بیٹھا ہوا تھا۔ طاہر کے بائیں ہاتھ تین گرسیاں چھوڑ کر قاسم کافر انیسی اُستاد بیٹھا ہوا تھا اور طاہر کے عین پیچھے تیسرا قطار میں عبدالعزیز کھڑا تھا۔

طاہر نے عبدالعزیز کی طرف مژ کر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ کیا ہمارا مقابلہ اس قالین پر ہو گا؟

عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ یہ خالی قالین تو صرف اس لیے ہے کہ آپ کے مقابلہ وزیر اعظم کے صاحب زادے سے ہو گا۔ اگر یہ مقابلہ شاہی خاندان کے کسی فرد کے ساتھ ہوتا تو اس پر پھولوں کی تیج بھی بچھائی جاتی۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ کیا چوگان کے لیے بھی میدان میں قالین بچھائے جاتے ہیں؟

عبدالعزیز نے آہستہ سے اس کے کان میں جواب دیا۔ نہیں لیکن اگر ہمارے منزل کی رفتار یہی رہی تو ممکن ہے کہ اس کا بھی رواج ہو جائے۔ آپ نے لوگوں کو

دیکھا؟ آپ کے باس میں ہاتھ چوتھی گرسی پر!

طاہر نے بائیں طرف دیکھا اور کہا۔ ارے! یہ تو پوری تیاری کر کے آیا ہے؟ عبد العزیز نے کہا۔ آپ اسے ہر وقت اسی لباس میں دیکھیں گے۔ شاید یہ سوتا بھی اسی لباس میں ہے۔ آپ ہمت کریں۔ شاگرد کے بعد استاد کی باری ضرور آئے گی۔ شاید سپہ سالار شہزادہ مستنصر کے ساتھ اس وقت یہی بات کر رہا ہے۔

طاہر نے سپہ سالار کی طرف دیکھا۔ وہ مستنصر سے سرگوشی کے اندر میں کوئی بات کہہ رہا تھا۔ قاسم نے طاہر کی طرف مر کر دیکھا اور ذرا بلند آواز میں کہا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں یہ کھیل بہت جلد ختم کر دوں گا۔

اس کے جواب میں طاہر کی خاموشی پر لوکس نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا۔ لیکن اتنی جلدی نہ کرنا۔ اگر تم یہ تماشہ فوراً ختم کر دیا تو دیکھنے والوں کو مایوس ہو گی۔

اس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی نگاہیں طاہر کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس نے مُر کر عبد العزیز کی طرف دیکھا۔ طاہر کی پیشانی کیوہ رگ جسے عبد العزیز کی طرف دیکھنے کے بعد طاہر لوکس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ آپ مطمئن رہیں۔ دیکھنے والوں کو مایوس نہیں ہو گی۔ شاید آپ کو بھی مایوس نہ ہو۔ جب تک آپ خود اس بات کی خواہش نہیں کریں گے۔ یہ کھیل ختم نہیں ہو گا۔

طاہر کے الفاظ میں ایک غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی اور اپنے استاد کی طرح قاسم بھی اپنے جسم میں ایک ہلکی سی کپکاپا ہٹ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

دوسری طرف برآمدے میں ریشمی پردوں کے پیچھے خواتین کے اجتماع میں صفائی سکینہ سے کہہ رہی تھی۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ قاسم کی زبان اس کی تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

سکینہ نے کہا۔ وہ کوئی دوستانہ بات کر رہے ہوں گے۔

صفیہ نے کہا۔ اگر کوئی دوستانہ بات ہوتی تو سلسلہ کلام اس کے جواب پر ختم نہ ہو جاتا۔ قاسم کے منہ سے کوئی سخت بات نکل گئی ہو گئی۔ اس کے یونانی استاد نے تائید کی ہو گی اور اب اس کا جواب سن کر دونوں بھیگی بایوں کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئے ہیں۔

سیکینہ نے کہا۔ میرا بھائی تو ایک شیر کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ تم ہر بات فرض کر لیتی ہو۔ بھلا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ قاسم نے اس سے کوئی سخت بات کی ہے؟ اتنی دور سے نہ کوئی بات تم سن سکتی ہو اور نہ میں سن سکتی ہوں۔ ابھی تمہوڑی دیر میں یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ قاسم کی تلوار تیز ہے یا زبان۔ قاسم اس کی ایسی گت بنائے گا کہ وہ دوبارہ تلوار کو ہاتھ لگانے کا نام نہ لے گا۔

صفیہ نے کہا۔ اور اگر قاسم کی گت بن گئی تو \_\_\_\_\_؟

سکینہ نے کہا۔ صفیہ! خدا سے نیک دُعا مانگو۔ تمہیں اس جنہی کے ساتھ اس قدر رہ مردی کیوں ہے؟

صفیہ نے چونکر جواب دیا۔ مجھے ایک اجنسی کے ساتھ نہیں۔ اس بجاہد کے  
بیٹے کے ساتھ ہمدردی ہے جس نے ریوشنل پر مسلمانوں کی فتح کا جھنڈا انصب کر کے  
صلاح الدین ایوبی کی تلوار حاصل کی تھی۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا بھری محفل  
میں اپنے باپ کی اس مقدس امانت کا اہل ثابت ہو اور قاسم اس تلوار حاصل کر کے  
بھی کہا کرے گا؟

کیا وہ ایک سیاہی نہیں؟

سپا ہی؟ سپہ سالار کی اٹرکی سے پوچھو وہ کیا سپا ہی ہے۔ زیادہ جاننا چاہو تو عبد

الملک کی بیوی سے پوچھو۔ وہ صرف قالین پر کشتی اٹھنے والا پہلوارن ہے۔ پھر میں زمین پر چار منازل طے کرنے کے بعد سپہ سالار سے اڑاکر گھر لوٹ آیا تھا۔ خوش قسمتی سے خوارزم کی افواج واپس چلی گئیں اور اسے با تمیں بنانے کے لیے بہانہ مل گیا۔ ورنہ میں نے سنا ہے کہ وہ رات کے وقت خواب کی حالت میں بھی چلا اٹھتا تھا کہ ترک آگئے بھاگو گو اپنی جانیں بچاؤ! میں سچ کہتی ہوں کہ اگر وہ تمہارا بھائی ہونے کی بجائے ایک عام آدمی کا اٹھ کا ہوتا تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو میدان جنگ سے بھاگنے والے سپاہیوں سے کیا جاتا ہے۔

سکینہ نے کہا۔ یہ سب سپہ سالار کی شرارت ہے۔ اس نے قاسم کو خلیفہ کی نظروں سے گرانے کے لیے ایس با تمیں مشہور کر رکھی ہیں۔ لیکن آج اسے بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ بغداد کی افواج کی قیادت سنبھالنے کا حق دار کون ہے؟

صفیہ پچھ کہنا چاہتی تھی کہ بالائی منزل سے نقیب نے بلند آواز میں کوئی ایک درجن القاب بول کر خلیفۃ المُسْلِمِینَ کی آمد کی خبر دی۔ شامیانے کے اندر بیٹھنے والے امراء نے اُپر کی بالکنی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر تعظیم سے گرد نیں جھکا لیں لیکن طاہر گردن جھکانے کی بجائے دم بخود سا ہو کر سفید ریش خلیفہ کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کے صحیح خدو خال کو بڑھا پے کی جھریوں نے چھپا رکھا تھا۔ دو جبشی غاموں نے بوڑھے خلیفہ کو سہارا دے کر سُبْری کرسی پر بٹھا دیا۔ اچانک درپچوں کے پردے گرے اور نقیب نے حاضرین کو بیٹھنے کا حکم دیا۔

(۳)

ایک فوجی افسر ثالث کے فرائض سر انجام دینے کے لیے میدان میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک جبشی غام سُبْری طشت میں چند تلواریں جو مشق کے لیے استعمال کی

جائی تھیں اٹھائے ہوئے آگے بڑھا۔ ثالث کے اشارے پر قاسم اور طاہر اپنی کرسیوں سے اٹھئے اور انہوں نے طشت سے ایک ایک تلوار اٹھا لی۔ قاسم نے اپنے خود کا نقاب چہرے پر سر کالیا۔ طاہر نے اس کی تقلید کی۔ تمباشائیوں پر ایک سکوت طاری تھا۔

تلواروں کی جھنکار آہستہ آہستہ بلند ہونے لگی اور اس جھنکار کے ساتھ ساتھ تمباشائیوں کی زبانیں لکھانے لگیں۔

امراء جو اپنی کرسیوں پر شیک لگائے ہوئے آرام سے بیٹھے تھے۔ آہستہ آہستہ آگے کی طرف جھکنے لگے۔ قاسم کے حملوں کی تیزی بڑھ رہی تھی اور طاہر صرف اس کے وارروں کے پر اکتفا کر رہا تھا۔ تمباشائی ایک طرف قسم کی سندھی اور تیزی کے معرف تھے تو دوسری طرف انہیں مدافعانہ جنگ میں طاہر کے مال کا اعتراض تھا۔ وزیر اعظم اپنی گرسی پر آکڑ آکڑ کر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو سپہ سالار اپنے گھنٹوں پر ہاتھ رکھ کر گرسی سے باہت بھراونچا ہو رہا تھا۔ قاسم کا استاد لوکس اپنے شاگرد کے پی در پی حملوں کی ناکامی برداشت نہ کر سکا اور فرانسیسی زبان میں کچھ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا لیکن پچھے سے ایک قوی ہیکل فوجی افسر نے اس کی دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے زردستی دباؤ کر گرسی پر بٹھا دیا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس دفعہ اس کی گرسی کے پچھے عبدالعزیز پہنچ چکا تھا اور لوکس کو اپنے کندھوں پر نئے ہاتھ کا دباؤ کہیں زیادہ حوصلہ شکن محسوس ہوا۔

دوسری طرف خواتین کے اجتماع میں صفیہ، سکینہ سے کہہ رہی تھی، سکینہ! کیا تمہارے خیال میں بغداد کے مہذب نوجوان نے مدینے کے ایک بد و کو مقابلے کی دعوت دے کر غلطی نہیں کی؟ قاسم کہتا تھا کہ پچاس گنے سے پہلے یہ کھیل ختم ہو جائے

گا اور میں تین سو گن چکی ہوں۔

سکینہ نے صفیہ سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ پھلی میں نے اسے کہا تھا کہ ذرا تمہور اتماشہ ہونے دینا۔ وہ اسے ایک بچے کی طرح کھلا رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ جب بچہ اسے کھلانا شروع کرے گا تو اس کی حالت قابلِ رحم ہو گی!

سکینہ نے کہا۔ تم دس دن تنقیز نی کی مشق کرنے کے بعد سمجھ بیٹھی ہو کہ تم اس فن کی اُستاد ہو گئی ہو۔ تم کیا جانور دوں کا کھیل!

صفیہ نے کہا۔ میں اپنے مقابلے میں تمہارے بھائی کی برتری کا اعتراض کرتی ہوں لیکن یہاں اس کا مقابلہ ایک مرد کے ساتھ ہو رہا ہے اور وہ بھی بدوس کے ساتھ، جوڑے بغیر ہارنیں مانے گا۔ دیکھو! قاسم اب اندھاڑ ہندوار کر رہا ہے اور وہ ابھی تک روکنے پر اکتفا کر رہا ہے۔

ظاہر کے بچاؤ کے لیے پیچھے دیکھ کر سکینہ نے مسرت سے اچھلتے ہوئے کہا جسے دار کرنا ہی نہ آتا ہو وہ روکنے کے سوا اور کرہی کیا سنتا ہے؟

صفیہ نے کہا۔ اگر کوہ تو پچاس کی گنٹی اب پھر شروع کروں؟ سکینہ نے جواب دیا۔ نہیں۔ اب تمہوری دری کے لیے آنکھیں بند کرلو۔ کہیں میرے بھائی کو تمہاری نظر نہ لگ جائے۔ جب تمہارا یہ بد و تلوار پھینک کر زمین پر لیٹ جائے گا۔ میں تمہیں آنکھیں کھولنے لے لیے ہوں گی۔

صفیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنی باتوں کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اُس نے ابھی تک دُعا نہ کی تھی اور آنکھیں بند کرنے کے بعد جب اس نے دُعا کا ارادہ کیا تو اسکے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا کہ وہ کس کی فتح کے لیے دُعا

کرے؟ قاسم اس کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کے خاندان کی تمام امیدیں اس کے ساتھ وابستہ تھیں اور اس کے علاوہ وہ اسے چاہتا بھی تھا۔ اپنی تمام کمزوریوں اور تمام کوتا ہیوں کے باوجود قاسم اسے چاہتا تھا اور جب تک اس کے فوج سے واپس آنے کے بعد اس کی بزدی کے افسانے مشہور ہوئے تھے، اسے خود بھی اس سے نفرت نہ تھی۔ جب وہ خوارزم شاہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہونے والی فوج کا ساتھ دینے کے لیے گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر انکا تھا تو صفیہ نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنے دل میں کہا تھا۔ قاسم! خدا تمہیں سلامتی سے واپس لائے اور جب بغداد کے لوگ میدان میں تمہارے بہادرانہ کارناموں کے عوض تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالیں تو میں بھی اپنے باغ کے بہترین پھول تمہارے لیے منتخب کروں اور پھر اگر سیکھنے یہ کہے کہ صفیہ تمہیں قاسم پسند ہے؟ تو میں بُرانیمیں مانوں گی۔ لیکن جب قاسم واپس آیا اور اس کی بزدی کے انسانوں کے ساتھ اس کی شراب نوشی کے قصہ مشہور ہوئے تو اس نے محسوس کیا کہ وہ اسے نیشہ نفرت سے دیکھتی تھی اور اظہار محبت کے لیے قاسم کو مجذونا نہ حرکتوں نے اس نفرت کی خلائق کو اور وسیع کر دیا تھا لیکن اس وقت قاسم اس کے چچا زاد بھائی کا مقابلہ ایک اجنبی کے ساتھ تھا۔ وہ اجنبی جس کے متعلق وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک بہادر بابا پ کا بیٹا ہے اور اس کے پاس صلاح الدین ایوبی کی نثانی ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں اس کے باپ نے بھی ہلال و صلیب کے معمر کے میں ایک گمنام پاہی کی حیثیت میں حصہ لیا تھا، اس لیے اسے اسلام کے اس عظیم الشان مجاہد کے نام سے عقیدت تھی اور اسی عقیدت نے اس کے دل میں اس اجنبی کے لیے مردوت کے جذبات پیدا کر دیے تھے لیکن کیا طاہر سے ہمدردی کے لیے صرف یہی وجہ کافی تھی کہ اس کے پاس صلاح الدین ایوبی کی تلوار

تھی؟ صفیہ بار بار اپنے دل سے یہ سوال پوچھ رہی تھی اور ہر بار اس کا دل یہ گواہی دیتا تھا، نہیں اگر کسی اور نوجوان کے پاس یہ تلوار ہوتی تو شاید تجھے قطعاً متناز نہ کر سکتا۔ صفیہ! صفیہ! تو بھی ان نوجوان اڑکیوں میں سے ایک ہے جنہوں نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے اس کی حسین صورت کو اپنے دھڑکتے ہوئے دلوں کی نیک دُعاوں کا مستحق سمجھ لیا تھا۔

اچانک تماشا ٹیوں کی دبی ہوئی آواز باند نعروں میں تبدیل ہوئے لگیں لیکن صفیہ آنکھیں کھولنے کی بجائے تصور میں یکے بعد دو صورتیں دیکھ رہی تھیں۔ ایک ثانیہ کے لیے اس کے سامنے فاتح قاسم کی مغرور صورت اور شکست خورده طاہر کی بیکش شکل تھی اور دوسرے لمحے میں وہ طاہر کے سامنے اپنے پچازاد بھائی کو گردان جھکائے دیکھ رہی تھی۔ خون کے رشتے نے جوش مارا اور اس نے جلدی سے دُعا کی۔ یا اللہ! قاسم کی فتح۔ لیکن اس کی زبان رُک گئی۔ وہ اجنبی جس نے اس کی زندگی کے سمندر میں پہلی بار ہلکی ہلکی موجیں پیدا کی تھیں۔ انہتائی بُسی کی حالت میں یہ پوچھ رہا تھا۔ کیا میرے لیے تمہارا پچازاد بھائی نہ ہونا ایک گناہ ہے؟

تماشا ٹیوں کی بڑھتی ہوئی لے دے سُن کر صفیہ نے آنکھیں کھولیں۔ طاہر کی مدافعت اب جارحانہ حملوں میں تبدیل ہو چکی تھی اور قاسم بد حواس ہو کر اُٹھنے پاؤں میدان میں چکر لگا رہا تھا۔ قاسم تین بار اُٹھنے پاؤں بھاگتے ہوئے گرا لیکن طاہر نے اس کے سینے پر تلوار رکھ کر ہار منوانے کی بجائے ہر بار اسے اٹھنے کا موقع دیا۔ چوتھی بار رُگر کر قاسم نے اٹھنے کی بجائے اپنی تلوار پھینک دی۔ طاہر نے آگے بڑھ کر اسے اٹھانے کے لیے ہاتھ کا سہارا دنیا چاہا لیکن اس نے طاہر کا ہاتھ جھٹک کر پیچے ہٹا دیا اور اٹھ کر ڈگمگا تا ہوا اپنی گرسی پر جا بیٹھا۔ اس نے خود اُتار کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

وہ تنھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے چہرے سے پسینے کی دھاریں چھوٹ رہی تھیں۔ لوکس نے اٹھ کر اسے پسینہ پوچھنے کے لیے اپنا رومال پیش کیا لیکن قاسم نے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ جب لوکس پر بیٹا نہ پورا پانی کر سی پر بیٹھ رہا تھا۔ عبدالعزیز نے جھٹک کر اس کے کان میں کہا یہ رومال اپنے لیے رکھیے۔ ابھی لوگوں کی تسلی نہیں ہوتی۔ وہ آپ کے کرتب بھی دیکھنا چاہیتے ہیں۔

لوکس کے لیے ہونٹ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

(۵)

بغداد کے امراء دبی زبان سے طاہر کو داد دے رہے تھے لیکن خوارزم کا سنیر اپنی گرسی سے اٹھا اور آگے بڑھ کر مصالحتے کے لیے طاہر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ نوجوان میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ صالح الدین ایوبؑ کے بہادر سپاہی کے بیٹے سے ہمیں یہی توقع تھی!

طاہر نے خود اتنا رکر اس کا شکریہ ادا کیا۔ عما دالمالک نے اس کا خود پکڑتے ہوئے اسے اپنا رومال پیش کیا۔ طاہر اس کے ہاتھ سے رومال لے کر اپنے چہرے سے پسینہ پوچھ رہا تھا کہ اپر سے نقیب نے اعلان کیا کہ خلیفۃ المسلمين جاری ہے ہیں۔ حاضرین اٹھ کر احترام کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ نقیب نے جھوڑی دیر بعد خلیفہ کے تشریف لے جانے کا اعلان کیا اور سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

طاہر، عما دالمالک کے ہاتھ سے اپنا خود لے کر پسینہ پوچھتا ہوا اپنی جگہ آبیٹھا، امرائے سلطنت کی نگاہیں وزیر اعظم پر لگی ہوتی تھیں۔ وہ اپنے ذہنی کرب کو ایک سیاسی مسکراہٹ میں چھپا نے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا:

”میں خلیفۃ المسلمين، ولی عبد سلطنت شہزادہ مستنصر اور

امراۓ بغداد کی طرف سے ظاہر بن یوس کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ تلوار جس کا اس نوجوان نے اپنے آپ کو بہترین حقدار ثابت کیا ہے، دولت عباسہ کی بہترین خدمات سرانجام دے گی۔“

اس تقریر نے حاضرین کی جھجک دور کردی اور وہ یکے بعد دیگرے اٹھ کر ظاہر سے مصافحہ کرنے لگے۔

سپہ سالار پھر ایک بار مستنصر سے سرگوشی کرنے کے بعد اٹھا اور بلند آواز میں بولا:

”شہزادہ مستنصر باللہ کی خواہش ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے صلاح الدین ایوبؑ کی تلوار اکمر میں باندھنے سے پہلے اس کا ایک اور امتحان لیں۔ ہمارے معزز مہمانوں میں سے ایک کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں اس سے بہترین تنقی زن کوئی نہیں۔ اگر ظاہر بہت زیادہ تھک نہ گیا ہو تو میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ ہمارے معزز مہمان کی دعوت قبول کرے، کیونکہ ظاہر کے پاس اگر صلاح الدین ایوبؑ کی تلوار ہے تو ہمارے معزز مہمان لوکس کے پاس شاہ فرانس کا آفرین نامہ ہے۔“

لوکس نے یہ سن کر آؤ دیکھانہ تا و جھٹ اپنی کرسی سے اٹھا اور سر پر خود رکھ کر میدان میں آکھڑا ہوا۔ ظاہر پانی کا پیالہ پی کر مسکراتا ہوا اٹھا۔ عبدالعزیز نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ مقابلہ جلد ختم کرنے کی کوشش کریں۔ ظاہر نے اطمینان سے اپنے سر پر خود رکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ میرا

کھیل بہت مختصر ہو گا۔ تم فکر نہ کرو۔

جبشی غلام نے آگے بڑھ کر تلواریں پیش کیں۔ لوکس نے اپنے لیے ایک تلوار اٹھانے کی بجائے دو تلواریں اٹھائیں اور ایک تلوار طاہر کی طرف پھینک دی۔ طاہر نے تلوار دبوچ لی اور اس کے وار کا انتظار کرنے لگا۔ لوکس طاہر کا طریق جنگ دیکھ چکا تھا۔ اس نے اس کی تھکاوٹ سے فائدہ اٹھانے کے لیے فوراً حملہ کر دیا لیکن بجائے اس کے کہ طاہر اس کاوار اپنی تلوار پر روکتا، اس نے جلدی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کاوار خالی جانے دیا اور جب لوکس کی تلوار کی نوک زمین کے ساتھ لگ چکی تھی، طاہر نے اپنی تلوار پوری طاقت کے ساتھ گھما کر اس کی تلوار کے ساتھ دے ماری۔ لوکس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور وہ خالی ہاتھ میدان میں کھڑا لوگوں کے تلقینہ میں رہا تھا۔

شہزادہ مستنصر نے ولی عہد طاہر شاہ کا اشارہ پا کر میز پر سے تلوار اٹھائی اور آگے بڑھ کر طاہر کی کمر کے ساتھ باندھ دی اور طاہر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ہمارے اسلجہ خانے میں اس سے زیادہ خوب صورت، اس سے زیادہ چمک دار اور تیز تلواریں ہیں۔ لیکن کاش آپ جیسے چند اور سپاہی بھی ہوتے۔ آپ یہاں سے نہ جائیں۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ جب تک آپ کو میری ضرورت ہے۔ میں یہیں ہوں۔

چلیے ابا جان سے ملیے!

طاہر ولی عہد کی کرسی کے قریب پہنچا۔ ولی عہد نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ نوجوان! میرے اصطبل کا بہترین گھوڑا جس پر میں سوار ہونے کی حرمت اب تک پوری نہ کر سکا اور میرے اسلجہ خانے کی بہترین تلوار، جس کے

استعمال سے میرے ہاتھ ناواقف ہیں۔ تمہیں انعام میں دیتا ہوں آج یہ چیزیں  
تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔

یہ کہہ کروہ پانے بیٹھے سے مناطب ہوا۔ مستنصر! مہماںوں کو رخصت کرنا اب  
تمہارا کام ہے۔ میں جاتا ہوں میری طبیعت خراب ہے۔

ولی عہد کے چلے جانے کے بعد اہل محل اور زیادہ بے تکلف ہو گئے۔ وہ  
آگے بڑھ بڑھ کر طاہر سے مصافحہ کر رہے تھے۔ دوسروں کو دیکھا دیکھی چنگیز خان  
کے سفیر نے بھی طاہر کے ساتھ مصافحہ کیا لیکن اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے  
طاہر نے اپنے جسم میں ایک کپکا پاہٹ محسوس کی۔

مجلس آہستہ آہستہ برخاست ہونے لگی۔ وزیر اعظم نے رخصت ہوتے  
ہوئے طاہر سے کہا۔ بیٹا! میرے ہاں رات دعوت نہ بھولنا!

قاسم ابھی تک گرسی پر بیٹھا ہوا تھا، وزیر اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گرسی  
سے اٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر محل کی طرف چل دیا۔

سب سے آخر میں طاہر کے گرد سپہ سالار اور دوسرے فوجی افسروں نے گئے۔ سپہ  
سالار نے عبد العزیز کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اُستا کے بعد شاگرد!  
عبد العزیز نے کہا۔ شاگرد کے بعد اُستاد۔

سپہ سالار نے تھقہ لگاتے ہوئے کہا۔ عزیز! تمہیں شکار کا بہت شوق ہے۔ میں  
کال سے تمہیں اور تمہارے دوستوں کو لیکن آٹھ سے زیادہ نہ ہوں۔ تین دن کی چھٹمنی  
دیتا ہوں۔ طاہر کو ساتھ لے جاؤ!

پردے کے پیچھے صفیہ سکینہ سے کہہ رہی تھی۔ سکینہ! دیکھا بدھ کو؟ سکینہ خاموش  
تھی اور جب صفیہ اس کے ساتھ اپنے محل کی طرف جا رہی تھی، وہ تمام راستہ اپنے

دل میں بد و کا لفظ دہراتی رہی۔ اس کے لیے اس لفظ کے معنی بدل چکے تھے۔

رات کے وقت وزیر اعظم کے دستر خوان کے چین منظور امراء موجود تھے۔  
قاسم کی عدم موجودگی میں وزیر اعظم نے طاہر سے مذمت کرتے ہوئے کہا۔ قاسم  
اپنے کسی دوست کے ہاں گیا ہوا ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل پر بہت نادم ہے۔ مجھے تو قع  
ہے کہ کل یا پرسوں وہ خود تمہارے پاس آئے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم دنوں  
ایک دوسرے کے لیے بہترین دوست ثابت ہو گے۔

طاہر نے کہا۔ وہ مجھے اپنی دوستی کے قابل پائے گا۔

کھانے کے دوران باقی مہمانوں سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وزیر  
اعظم نے طاہر سے سوال کیا۔ کیا تمہیں سپہ سالار فوج میں کسی اعلیٰ عہدے کی پیش  
کش نہیں کی؟ میں نے سنا ہے کہ ولی عہد اور شہزادہ مستنصر نے تمہاری سفارش کی  
ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ سپہ سالار نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی  
اور نہ مجھے ولی عہد اور شہزادہ مستنصر کی سفارش کا علم ہے۔

وزیر اعظم نے غور سے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر تم فوج میں جانا چاہو تو  
میں خود سپہ سالار سے کہہ سکتا ہوں لیکن فوج کے اعلیٰ عہدوں پر ترک فائز ہیں اور ان  
کے بعد اپرائیوں کا اقتدار ہے۔ اس لیے عرب افسر کے لیے ترقی کی کوئی گنجائش نہیں

طاہر نے کہا مجھے کسی عہدے کا لائق نہیں۔ میں صرف مسلمانوں کی خدمت  
کے لیے کسی موقع کا متلاشی ہوں۔

وزیر اعظم نے کہا ایک معمولی عہدے دار کے لیے عام طور پر اپنے افسروں کو

خوش رکھنے کا مسئلہ اس قدر اہم ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی خدمت کرہی نہیں سنتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ تم اس نازک دور میں سلطنتِ عباسہ کی نہایت شاندار خدمات سرانجام دے سکتے ہو۔

طاہر نے محسوس کیا کہ وزیرِ اعظم قاسم کا باب پ ہونے کے باوجود ایک قابلِ قدر انسان ہے اور اس کے متعلق بغداد کے لوگوں نے جو رائے قائم کی تھی وہ رقبابت اور حسد کی پیداوار تھی۔ اس نے کہا۔ مجھے آپ سلطنتِ بغداد کے لیے بڑی سے بڑی ٹربانی کے لیے آمادہ پائیں گے۔

وزیرِ اعظم نے کہا موجودہ وقت میں بغداد کے خارجی معاملات بہت اُبجھے ہوئے ہیں اور ہمیں دفترِ خارجہ کے لیے نہایت ہوش مند، ذہین اور قابلِ اعتماد آدمیوں کی ضرورت ہے۔

طاہر کو اچانک اپنی منزل کا زینہ دکھائی دیا۔ اس نے کہا۔ اپنی ذہانت اور ہوشمندی کے متعلق مجھے کوئی دعویٰ نہیں لیکن آپ مجھے قابلِ اعتماد ضرور پائیں گے۔

وزیرِ اعظم نے کہا۔ میں کل وزیرِ خارجہ سے بات کروں گا۔ ممکن ہے کہ چند دن تک ایک نہایت اہم مہم تمہارے پر کر دی جائے۔ شاید قاسم بھی تمہارا رفیق کا رہو۔ تم خوارزم کے سفیر سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرو اور اگر ہو سکے تو اسے یقین دلاو کہ تمام ان لوگوں میں سے ہو جو خوارزم پرتاتاریوں کا حملہ برداشت نہیں کریں گے۔

طاہر نے کہا۔ کیا اسے یقین دلانے کی بھی ضرورت ہوگی؟ عامِ اسلام کا ایک ذلیل تیرن فرد بھی خوارزم پرتاتاریوں کا حملہ برداشت نہیں کرے گا لیکن کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ چنگیز خان ضرور ترکستان پر حملہ کرے گا؟

وزیر اعظم نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ جب تک چنگیز خان کو بغداد کی غیر  
جانبداری کا یقین نہ ہو گا وہ جرات نہیں کرے گا اور ممکن ہے کہ اگر اس کی افواج نے  
ترکستان کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تو ہمیں یہ بتانا پڑے کہ ہم اپنے  
اختلافات کے باوجود ایک اسلامی سلطنت پر تاتاریوں کی یلغار برداشت نہیں کریں  
گے۔ تازہ اطلاعات یہ ہیں کہ چنگیز خان کی افواج خوارزم کی شمال مشرقی سرحد پر جمع  
ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے ہمیں اسے یہ پیغام بھیجننا پڑے کہ اگر تم نے خوارزم پر حملہ کیا تو  
بغداد کی افواج خوارزم شاہ کی حمایت کے لیے میدان میں آجائیں گی لیکن خوارزم  
شاہ کے عمال کی یہ حالت ہے کہ وہ بغداد سے مملکت تاتار میں جانے والے تاجر کو  
بھی جاسوس سمجھ لیتے ہیں۔ اور ہمارے سنیروں تک کی تلاشی لینے سے باز نہیں آتے  
اور اب چند چن سے تو وہ بغداد کے کسی ایلچی کو بھی سرحد عبور کر کے چنگیز خان کی  
مملکت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہی حالت رہی  
تو خوارزم کے ساتھ ہمارے تعلقات پہلے کی طرح کشیدہ ہو جائیں گے اور ممکن ہے  
کہ ہم ضرورت کے وقت چنگیز خان کو تنبیہہ بھی نہ کر سکیں۔ اس لیے اگر ہم اس  
نازک وقت پر خوارزم کے سنیروں کے ساتھ تمہارے جیسے نوجوان کی دوستی کا فائدہ اٹھا  
سکتے تو اس میں خوارزم اور بغداد دونوں کی بھائی ہو گی۔ اسے صالح الدین ایوبی کی  
بدولت تمہارے ساتھ بے حد عقیدت ہو چکی ہے۔ اس لیے تم موقع سے فائدہ اٹھاؤ  
آج تم نے اسے بہت متاثر کیا تھا اور اس نے سب سے پہلے اٹھ کر تمہیں داد دی  
تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم سلطنت خوارزم کے متعلق اپنے نیک ارادے ظاہر کر کے  
اسے دوست بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

ظاہر نے جواب دیا۔ خوارزم کے متعلق نیک ارادوں کا اظہار میرے دل کی

آواز ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ میں اسے اپنے خلوص سے متاثر کر سکوں گا اور اگر آپ نے چنگیز خان کو تنبیہ سے کرنے کے لیے منتخب کیا ہے تو میں اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔

وزیر اعظم نے کہا۔ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ یہ مہم کس کے سپرد کی جائے گی لیکن اگر تم نے خوارزم کے سنیر کا اعتماد حاصل کر لیا تو تمہاری کامیابی کے امکانات بہت روشن ہو جائیں گے کیونکہ خوارزم کی گزرگاہیں ہمارے لیے بند ہونے کی صورت میں ہمارے ایچی کومشراق کے دشوار گزار پیاری علاقوں میں سے ایک لمبا چکر کاٹ کرو ہاں جانا پڑے گا اور یہ راستہ وحشی اور لکیرے قبائل کی موجودگی میں اور بھی خطرناک ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دریا اور باتیں کرنے کے بعد وزیر اعظم نے طاہر کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔ مجھے امید ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں وہ دوسروں تک نہیں پہنچیں گی۔

طاہر نے کہا۔ اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ نہ بھی لیتے تو بھی میں کسی کے ساتھ یہ باتیں نہ کرتا۔ بہر حال آپ کی تسلی کے لیے میں وعدہ کرتا ہوں اور میرا وعدہ ایک سیاستدان کا وعدہ نہیں، ایک سپاہی کا وعدہ تمجھے!

وزیر اعظم کے اشارے سے اس کے محافظ طاہر کو محل سے باہر چھوڑنے کے لیے اس کے ساتھ ہو لیا۔ پہلا دروازہ گزرنے کے بعد باغ میں پاؤں رکھتے ہوئے طاہر نے کہا۔ اب آپ جائیں۔ مجھے راستہ معلوم ہے۔

محافظ نے مصادفہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ کو گھر تک پہنچانے کے لیے محل کے دروازے پر بھی موجود ہے۔

طاہر پھولوں کی کیاریوں میں گزرتی ہوئی سڑک پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ پھولوں کی مہک سے لبریز ہوا کے جھونکے اس کے دل و دماغ میں ایک تازگی اور سرو رپیدا کر رہے تھے۔ یہ دن اس کی زندگی کا مبارک تیرن دن تھا۔ وہ صح سے اب تک اپنے کئی سپنوں کی تعبیر دیکھ چکا تھا۔ تفہیم کے مقابلے میں اس کی کامیابی نے اسکے لیے منزل مقصود کی کئی راہیں کھول دی تھیں، ولی عہد کا بہترین گھوڑا اور اس کی تلوار اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ شہزادہ مستنصر کو اس نے اپنا گروپڈہ بنالیا تھا۔ بغداد کے امراء اس کے حرف ہو چکے تھے۔ تاہم اسے یہ خدشہ تھا کہ اس نے وزیراعظم کو ناراض کر لیا ہے۔ اس کے متعلق وہ یہ سن چکا تھا کہ وہ نہایت فتقم المزاج آدمی ہے اور اسکی ایک تدبیر اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر سکتی ہے لیکن دسترخوان پر وزیراعظم کی خندہ پیشانی اور حسنِ سلوک نے ان خیالات کی تردید کر دی تھی اور اس کی باتوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کا سب سے بڑا دوست اور خیرخواہ ہے۔ بغداد کا یہ جہاں دیدہ سیاست دان جس کی وہاں تک ہزاروں براٹیں سن چکا تھا۔ اب اسے انسانیت کے بہترین و صاف کا پیکرِ قسم نظر آ رہا تھا۔ طاہر کو قاسم کا خیال آیا اور اس نے اپنے دل میں کہا۔ کاش میں اسے میدان میں اس قدر ذلیل نہ کرتا۔ وزیراعظم و سعیِ انتظاری کے باوجود اس کا باپ ہے اور اسے یقیناً اس بات کا ذکر ہوگا۔ دسترخوان پر قاسم کو موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے دل میں ابھی تک پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ طاہر کو وزیراعظم کے یہ الفاظ یاد آئے کہ قاسم کل یا پرسوں تک تمہارے پاس آئے گا۔ طاہر نے پہلی دفعہ قاسم کے لیے اپنے دل میں برادرانہ شفقت محسوس کی۔ اس نے سوچا کہ وہ شاید اپنے باپ کے مجبور کرنے پر اس کے

پاس آئے تاہم اس کے دل میں ایک تکلیف دہ احساس ضرور ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ میں خود پہل کروں۔ خود اس کے پاس جاؤں اور یہ کھوں۔ قاسم میں تمہارا دوست ہوں۔ بغداد کی بھائیتی کے لیے دولت عباسیہ کی بھائیتی کے لیے ہمیں ایک دوسرے کا دوست بننا چاہتے ہیں۔ کاش! میں ابھی گھر جانے سے پہلے قاسم سے مل ستا۔ اتنی جلدی نہیں۔ مجھے قاسم کا غصہ ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار کرنا چاہتے ہیں۔ کل میں عبدالعزیز کے ساتھ شکار پر جانے سے پہلے اسے ضرور ملوں گا اور لوکس اس کا اُستاد ہے، اس شہر میں اجنبی بھی۔ میں اس کو دل جوئی بھی کروں گا۔

اچانک طاہر نے اپنے ہاتھ پر کسی کی گرفت محسوس کی اور اسے پیچھے سے کوئی یہ کہتا ہوا سنا تی دیا۔ ٹھہر یہ!

طاہر چونک کرتلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے مڑا۔ اس کے سامنے ایک خواجہ سرا کھڑا تھا۔ خواجہ سرانے اپنے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور کہا۔ میرے ساتھ آئیں۔

طاہر ایک لمحے کے لیے تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا۔ خواجہ سرانے کہا۔ ڈر یہ نہیں، میرا پیغام سلامتی کا پیغام ہے۔

سرک کے دونوں جانب بہنے والی نہروں پر تجوڑے تجوڑے فاصلے پر سنگ مرمر کی ملیں پلوں کا کام دے رہی تھیں۔ خواجہ سرا جلدی سے نہر عبور کر کے پھولوں کی کیاری میں کھڑا ہو گیا اور طاہر ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس کے پیچھے ہو لیا۔ کسی غیر متوقع خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا دایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا۔ پھولوں کی کیاری میں سے گزرنے کے بعد وہ سرا کے پیچھے گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں داخل ہوا۔ یہاں ٹھہر یہ۔ یہ کہہ کر خواجہ سرا ایک درخت کے پیچھے غائب ہو گیا۔

خواجہ سرا کے غائب ہو جانے کے بعد طاہر نے اچانک یہ محسوس کاے کہ اس نے اپنی راہ سے بھٹکنے میں غلطی کی ہے، اس نے احتیاطاً تلوار نیام سے نکالی اور درختوں کے درمیاں ذرا کھلی جگہ چھوڑ کر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

(۳)

تحمودی دیر بعد درختوں کے پتوں میں ہلکی ہلکی سر سراہٹ پیدا ہوئی اور ایک نوجوان لڑکی درختوں کے تاریک سائے سے نمودار ہو کر اس جگہ آکھڑی ہوئی جہاں کچھ دیر پہلے طاہر کھڑا تھا۔ چاند کی روشنی پتوں میں سے چھن چھن کر اسے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ خوب صورت تھی۔ طاہر نے چاند کی کرنوں کو کسی پھول کی سفید پنکھڑیوں میں اس قدر تازگی اور انفرادی پیدا کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ لیکن وہ کون تھی؟ طاہر ایک لمحے کے لیے تصور حیرت بن کر اس حسین، سادہ اور معصوم چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

نوجوان لڑکی پر بیشان ہو کر ادھر ادھر جھانک رہی تھی، بالآخر اس نے ہمچھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ آپ کہاں ہیں؟

طاہر تلوار نیام میں ڈالنے ہوئے درخت کی آڑ سے باہر نکلا۔ لڑکی نے جلدی سے چہرے پر نقاب ڈال لی اور ایک ثانیہ توقف کے بعد کہا۔ آپ میرے متعلق کسی غلط نہیں میں بتانا نہ ہوں۔ میں آپ کی بھلانی کے لیے آپ سے کچھ کہنا ضروری سمجھتی ہوں۔

طاہر لڑکی کے الفاظ کے معانی سے زیادہ ان کے ترجمہ سے متاثر ہو رہا تھا۔ لڑکی نے پھر تحمودی دیر ڈک کر کہا۔ آپ بغداد میں ایک انجبی ہیں۔ ہو سنتا ہے کہ یہاں آپ کے مخلص دوست بھی ہوں لیکن آپ دوست نمائشمنوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ

پائیں گے اور ممکن ہے کہ جس شخص سے آپ پھولوں کی توقع رکھتے ہوں اس کے ہاتھ میں آپ کے لیے ایک زہرآلود شتر ہو۔ قاسم سے باخبر ہیے۔ آپ کے متعلق اس کے ارادے خطرناک ہیں!

طاہر نے جواب دیا۔ کل میں نے اس کے ساتھ کچھ زیادتی کی تھی۔ وہ یقیناً مجھ سے خفا ہو گا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اپنے متعلق اس کا دل صاف کر لوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں، مجھے قاسم سے کوئی خطرہ نہیں۔

لڑکی نے کہا۔ بغداد میں آپ جیسے خوش فہم آدمی لے لیے کوئی جگہ نہیں۔ آپ اپنے لیے کوئی ایسا گوشہ تلاش کیجیے جہاں حسد، بغض اور عناد کو دافریب مسکراہٹوں میں نہیں چھپایا جاتا۔ جہاں دل اور زبان کے درمیان رہا کے پردے نہیں۔ قاسم کو میں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔ آپ کے لیے اس کی دوستی شاید کھلی دُشمنی سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔

طاہر نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ نیک دل خاتون! اس محل میں رہنے والوں کو میری بجائے قاسم سے زیادہ دلچسپی ہوئی چاہیے۔ میں پوچھ سَتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

لڑکی نے جواب دیا۔ آپ کو یہ جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ میں قاسم سے یقیناً قریب تر ہوں لیکن مجھے اُس کا آپ کے ساتھ اُبھنا پسند نہیں۔

میں اس کی وجہ پوچھ سَتا ہوں؟

اس کی وجہ؟ لڑکی نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ اس کی وجہ مجھے معلوم نہیں لیکن آپ مجھ پر اعتبار کیجیے۔ آپ کی جان خطرے میں ہے۔ آپ اپنے لیے بغداد کا کوئی گوشہ محفوظ نہ تصحیح!

آپ میرے متعلق اس قدر پریشان نہ ہوں۔ میرے بازو میری حفاظت کر سکیں گے اور اس کے علاوہ موت سے کبھی نہیں ڈرا۔

اڑکی نے مغموم لبجے میں کہا۔ شاید میرے یہاں آنے کی یہی وجہ تھی کہ آپ موت سے نہیں ڈرتے اور آپ کو ڈرانا بھی نہیں چاہتی لیکن آپ کو اپنے بازوؤں پر اس قدر بھروسہ نہیں کرنا چاہتے۔ بہادر کی تلوار پیچھے سے حملہ کرنے والے کا خبر نہیں روک سکتی۔

طاہر نے کہا۔ میں قاسم کو اس قدر بُرداں نہیں سمجھتا۔

اڑکی نے کہا۔ قاسم بُرداں نہیں لیکن انتقام کے جوش میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے

میں اس کا جوش بُخندًا کرنے کی کوشش کروں گا۔

میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا کروں گا۔

میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا لیکن اتنا جانا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ اس سوال کا جواب میں دے چکی ہوں۔ آپ مجھے ایک ایسی مسلمان اڑکی کجھیے جس کے دل میں اپنی قوم کے بہادر فرزندوں کے لیے عزت ہے۔ آپ کے متعلق میں اتنا جانتی ہوں کہ آپ ایک بہادر باب کے بیٹے ہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی، نہ جانا چاہتی ہوں۔ آپ بھی میرے متعلق زیادہ جانے کی کوشش نہ کریں۔ زندگی میں ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ کی کشتی بجنور کے قریب آچکی ہے۔ میں نے آپ کی آنکھیں کھولنا ضروری سمجھا۔ میں اپنا فرض پورا کر چکی ہوں۔ میں جاتی ہوں۔ آپ ذرا اٹھریے۔ میں خواجہ سر اکوچھ تھی ہوں وہ آپ کو راستے پر چھوڑ آئے گا۔

اڑکی طاہر کو حیران و ششد جھوڑ کر درختوں میں غائب ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ سر انموار ہوا اور طاہر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے آگے چل دیا۔ پھولوں کی کیاری کے قریب پہنچ کر خواجہ سرا نے کہا۔ اب آگے آپ راستہ جانتے ہیں۔ مجھے اجازت دیجیے!

طاہر کے دل میں خواجہ سرا سے اس اڑکی کے متعلق کچھ پوچھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن زبان نے دل کی تائید نہ کی۔

(۳)

طاہر مختلف خیالات کی کش مکش میں محل سے باہر نکلا۔ دروازے کے سامنے بکھی کھڑی تھی۔ کوچوان نے اسے جھٹک کر سلام کیا اور وہ کچھ کہے بغیر بکھی پر سوار ہو گیا۔

وہ کون تھی؟ طاہر نے اپنے دل سے بارا برا اس سوال کا جواب پوچھ رہا تھا۔ کل اس نے اصطبعل کے سامنے دو اڑکیوں کو دیکھا تھا اور وہ غالباً ان میں سے ایک تھی۔ لیکن اس نیاس کے متعلق اس قدر پریشانی کا اظہار کیوں کیا؟ وہ قاسم سے اس قدر بدھن کیوں تھی؟ اچانک طاہر کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس کی پریشانی دُور ہونے لگی۔ وہ اڑکی اسے یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ بغداد میں رہنا اس کے لیے خطرناک ہے اور اپنے اسے دعوے کے ثبوت میں اس نے بغداد کے لوگوں کی نہایت گھناؤنی تصویر پیش کی تھی۔ قاسم کی شرارت نہیں۔ اور یہ شرارت اس لیے تو نہیں کی گئی کہ وہ مرعوب ہو کر بغداد سے چلا جائے؟ آخر و زیراعظم کے محل میں رہنے والی ایک اڑکی کو جو یقیناً وزیراعظم کے خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔ سکے الفاظ میں خلوص تھا۔ اس کے چہرے پر سادگی تھی۔ وہ تصنیع اور فریب سے ناقف معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک

شہزادہ نظر آتی تھی۔ ظاہر کی آنکھوں میں اس کی حسین و جمیل تصویر پھرنے لگی۔ وہ یقیناً وزیر اعظم کے خاندان سے تعلق رکھتی ہو گی۔ اس کے الفاظ میں خلوص تھا۔ اس کے چہرے پر سادگی تھی۔ وہ تصنیع اور فریب سے ناواقف معلوم ہوتی تھی۔ ہوسنا تا ہے کہ اسے قاسم سے کوئی رنجش ہو لیکن وہ بہر حال ایک اجنبی تھا اور اونچے طبقے کے لوگ گھر کے معاملات ایک اجنبی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، پھر اسے کیونکر معلوم ہوا کہ وہ ایک بہادر باپ کا بیٹا ہے؟ اس نے وہ تمام معلومات کسی مرد سے حاصل کی ہوں گی اور وہ مرد قاسم کے سوا اور کون ہوسنا تا ہے؟ قاسم کسی پر دے کی آڑ میں کھڑا ہو کروزیر اعظم سے اس کی باتیں سن رہا ہو گا اور وزیر اعظم کو اس کی طرف بہت زیادہ مائل دیکھ کر اپنے حریف کو راستے سے ہٹان کے لیے اس نے یہ سازش کی ہو گی۔ اس لڑکی کو یقیناً اس نے سکھا پڑھا کر اسے بے وقوف بنانے کے لیے بھیجا ہو گا اور اب وہ لڑکی قاسم سے جا کر یہ کہے گی کہ میں نے اسے بہت ڈرایا۔ وہ تمہارے پاس آ کر مغدرت کرے گا اور تمہارے سامنے دوز انو ہو کر دوستی کے لیے ہاتھ پھیلانے گا۔

ان خیالات سے ظاہر نے دونتائج اخذ کیے۔ ایک یہ کہ قاسم اپنے باپ کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اپنے گزشتہ طرزِ عمل کی تلافی کے لیے تیار ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ دوستی کی تجدید کے لیے پہل کروں اور اس مقصد کے لیے وہ اس کے دل میں ایک احساسِ مروع بیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

دوسرایہ کہ اگر اس واقعے کے بعد اس نے پہل کی تو وہ یہ تمجھے گا کہ یہ اس لڑکی کی دھمکیوں کا اثر ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ وہ قاسم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اس کا انتظار کرے۔

اس لڑکی نے قاسم کو جس قدر خطرناک ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اس قدر وہ

اسے سادہ اور بے ضرر نظر آتا تھا۔ اپنے گھر پہنچ کر دل میں قاسم کے لیے وہی جذبات تھے جو ایک بڑا بھائی چھوٹے اور ضدی بھائی کے لیے محسوس کرتا ہے۔ نوجوان اڑکی کے متعلق اس کی رائے یہ تھی کہ وہ ان امیرزادوں میں سے ایک ہی جن کی عمر تضع اور بناوٹ میں گزر جاتی ہے۔ جو جھوٹ کو سچ بنانا ایک مال سمجھتی ہیں لیکن رات کو سونے سے پہلے جب وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا ان تمام واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔ کیا وہ سادہ اور معصوم اڑکی اس قدر جھوٹ بول سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب سوچتے ہوئے وہ اس ذہنی کیفیت سے دو چار ہو رہا تھا۔ جس میں دل اور دماغ کی مختلف آوازیں انسان کو کسی فیصلے پر نہیں پہنچنے دیتیں۔

(۵)

اگلے دن صبح سے لے کر دو پہر تک قاسم گھر سے غائب رہا اور صفیہ پریشانی کی حالت میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد محل کے خادموں سے اس کے متعلق پوچھتی رہی۔ دو پہر کے وقت اسے معلوم ہوا کہ قاسم آگیا ہے اور اپنے پندرہ بیس دوستوں کے ساتھ محل کے مشرقی کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔

محل کے اس کونے کے برآمدے کا رُخ دریا کی طرف تھا اور سنگ مرمر کی سیڑھیاں برآمدے کی گرسی سے شروع ہو کر دریا تک جا پہنچتی تھیں۔ پانی کی سطح سے ذرا اوپر آخری سیڑھی پر کہیں کہیں لو ہے کی میخیں لگی ہوتی تھیں۔ اور ان میخوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی خوب صورت کشتیاں بندھی ہوتی تھے۔ اس سیڑھی پر کھڑے ہو کر اوپر کی طرف قصرِ خلافت اور سپہ سالا را اور دوسرے عہدے داروں کے محاذات کے وہ حصے جو دریا کے کنارے تغیر کئے گئے تھے، دکھائی دیتے تھے اور ہر محل کے سامنے

کشتیوں کی ایک بڑی تعداد نظر آتی تھی۔

صفیہ قاسم کے ارادوں سے تمہوری بہت واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ اب جب اس نے یہ سنایا کہ وہ اپنے پندرہ بیس دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی تشویش بڑھنے لگی۔ تمہوری دیر سوچنے کے بعد وہ ایک مضبوط ارادہ لے کر محل کے شرقی کونے کی طرف چل دی۔ اس کو نے پر اوپر کی منزل کے کمروں میں کبھی کبھی صحیح یا شام کے وقت خواتین آکر پیٹھتیں اور دریائے دجلہ کے دلکش مناظر سے لطف انداز ہوتی تھیں۔ تیسری منزل پر ایک وسیع بارہ دری تھی۔ دوسری اور تیسری منزل سے دریا کی طرف اترنے کے لیے پیچ دریچ سڑھیاں بنائی گئی تھیں اور ان کا دروازہ دریا کی طرف کھلنے والے برآمدے کے کونے میں تھا۔

صفیہ تیسری منزل کی گیلری سے گزرتی ہوئی بارہ دری میں پہنچتی اور وہاں سے اسے تنگ سڑھیوں سے نیچے اتنا شروع کر دیا۔ نچلے کمرے کی چھت سے ذرا نیچے اس سڑھی کا دروازہ ایک گیلری کا رُخ پائیں با غ کی طرف تھا اور قاسم کبھی کبھی خوش گوار موسਮ میں اس گیلری میں بیٹھ کر اپنے کسی دوست کے ساتھ شطرنج کھیلا کرتا تھا۔

نیچے اور اوپر سے ان سڑھیوں کے سوا اس گیلری میں آمد و رفت کو کوئی راستہ نہ تھا۔ وہ کمرہ جس میں قاسم بیٹھا تھا، اس کے در پیچے اس گیلری میں کھلتے تھے۔ صفیہ ایک در پیچ کے قریب بیٹھ گئی اور پردے کو تمہور اسا ایک طرف سر کا کرنیچے جھانکنے لگی۔

قاسم پندرہ بیس ایسے نوجوانوں میں بیٹھا ہوا تھا جن کے متعلق بغداد کے شریف آدمیوں میں سے کسی کی رائے اچھی نہ تھی۔ صفیہ انہیں اکثر قاسم کے ساتھ دیکھ کر تھی۔ ان میں لوکس بھی تھا لیکن آج وہ خلاف عادت بہت سمجھیدہ نظر آتا تھا۔

قاسم نے کہا۔ بدناگی کے داغ خون سے دھوئے جاتے ہیں۔ اُس نے مجھے دھوکہ دیا۔ شروع میں اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ وار کرنا جانتا ہی نہیں اور میں صرف اس خیال سے کہ یہ کھیل جلد ختم نہ ہو جائے۔ نہایت بے پرواٹی سے اس پر حملہ کرتا رہا۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ میرے بازو شل ہو جانے کے بعد وہ اس تیزی سے حملہ کرے گا تو میں شروع میں یہ کھیل ختم کر ڈالتا اور لوکس کے ساتھ بھی اس نے دھوکہ کیا۔ لوکس پر اس نے خلاف توقع دھاوا بول دیا۔ خیراب دیکھا جائے گا!

لوکس نے کہا۔ کم از کم میں اپنے متعلق یہ نہیں کہوں گا کہ اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس کی فتح برتری کا نتیجہ تھی۔ مجھے اگر کسی بات کا فسوس ہے تو وہ یہ کہ ہم نے بہادروں کی طرح ہار مان کر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ لوکس کی زبان سے یہ بات سب کے لیے غیر متوقع تھی اور وہ تیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگ۔

کمرے میں ایک شخص داخل ہوا اور سب کی نگاہیں لوکس سے ہٹ کر اس کی طرف مبذول ہو گئیں۔

قاسم نے پوچھا۔ کیوں کیا خبر لائے؟

نووارد نے جواب دیا۔ انہوں نے دریا کے اسی کنارے پر نیچے کی طرف یہاں سے پانچ کوں دور خیمه لگایا ہے۔ اس وقت وہ شکار کھیل رہے ہیں اور رات کے وقت ۔۔۔۔۔! قاسم نے اس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ رات کے وقت گدے کی نیند سور ہے ہوں گے۔ اسی کنارے پر اور پر کی طرف یا نیچے؟

نیچے جنگل کے قریب۔

وہ کتنے ہیں؟

کُل آٹھ!

اور کون کون ہیں؟

عبدالعزیز، عبدالمالک، مبارک اور افضل، باقی فوجی افسر ہیں۔ ان کے نام میں نہیں جانتا۔ ہاں شاید ایک طاہر کا فوکر ہے۔

قاسم نے پوچھا۔ تمہارے خیال میں ہم گھوڑوں پر جائیں یا کشتیوں میں جانا بہتر ہے گا؟

اس نے جواب دیا۔ گھوڑوں پر جانے سے یہ بات راز نہیں رہ سکے گی۔ ہم کشتیوں پر راتوں رات واپس آسکتے ہیں۔

قاسم لوکس کی طرف متوجہ ہوا۔ اگر آپ کو ہمارا ساتھ دینا پسند نہ ہو تو آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک آدمی سے کوئی خاص کمی نہ ہوگی۔

لوکس نے جواب دیا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو غلط اور خطرناک راستوں پر دوستوں کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ بیہادروں کی روایات کی خلاف ہے۔ کم از کم سوئے ہوئے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے میری تلوار بنے نیام نہ ہوگی۔

قاسم نے ہستے ہوئے کہا۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم اٹھارہ ان آٹھ سوئے ہوئے آدمیوں کو قتل کرنے کے ارادے سے جا رہے ہیں۔ نہیں۔ ہم انہیں جگا کر منہ ہاتھ دھونے اور اچھے طرح مسلح ہو کر سامنے آنے کا موقع دیں گے۔ اس کے بعد اگر وہ بھاگ جائیں تو میری خواہش نہیں کہ ہم خواہ مخواہ ان کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ میں انہیں مارنا نہیں چاہتا۔ بھگنا چاہتا ہوں۔ اپنے ساتھ زیادہ آدمی لے جانے سے میرا مقصود صرف یہ ہے کہ وہ مرعوب ہو کر بھاگ جائیں۔

لوکس نے کہا۔ اگر وہ مقابلہ کرنے پر اُتر آئے تو؟

قاسم نے جواب دیا۔ تو ان کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو اپنا مرتبہ نہ پہنچانے والے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آپ مجھ سے شکایت کر رہے تھے کہ عبدالعزیز آپ کو چھینجھوڑ چھینجھوڑ کر گرسی پر بٹھا رہا تھا۔ اگر آپ کو اپنی عزت کا پاس نہیں تو مجھے اس کا پاس ضرور ہے۔ طاہر کے ایک دوست کی طرف یہ فقط تمہید تھی۔ اگر ہم نے اس کی آنکھیں کھولنے لے لیے کچھ نہ کیا تو بغداد کا ہر فاقہ مست ہمارے سر پر چڑھ جائے گا۔

لیکن آپ کے ابا جان؟

ابا جان کو اگر ہمارے ارادے معلوم ہو جائیں تو شاید وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر منع کریں لیکن مجھے یقین ہے کہ جب میں ان کے سامنے اپنی مہم کی کامیابی کا ذکر کروں گا تو وہ آپ سب کو اپنے دستِ خوان پر بلا جائیں گے۔

لوکس نے قدرے مغموم لبھے میں کہا۔ تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔

قاسم نے اپنے تمام دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یاد رکھیے طاہر کا ہر صورت میں بغداد سے کوچ کرنا ہمارے لیے بہتر ہے۔ وہ سپہ سالار کے محل اور قصرِ خلافت تک رسائی حاصل کر چکا ہے اور اگر وہ کسی بڑے منصب پر پہنچ گیا تو ہر میدان میں اپنے دوستوں کو آگے کرے گا اور ہم سب کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گے۔

(۶)

صفیہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی، وہ اسے معلوم ہو چکا تھا۔ وہ اٹھی اور دبے پاؤں گلیری سے گزر کر سیر ہمیوں پر چڑھنے لگی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ الفاظ گھوم

وہ سکینہ کو تلاش کرتی ہوتی ایک کمرے میں پہنچی۔ سکینہ تکیے کے سہارے قالین پر بیٹھی ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے صفیہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ صفیہ! تم کہاں گئی تھیں؟ میں نے تمہیں بہت تلاش کیا۔ آؤ مجھے ان اشعار کا مطلب سمجھاؤ! صفیہ! سکینہ! آج گھوڑے پر سیر کے لیے نہ چلوگی؟ سکینہ نے حیران ہو کر جواب دیا۔ اس وقت؟

صفیہ نے کہا۔ میرا مطلب ہے تمہوڑی دیر کے بعد۔

سکینہ نے کتاب کی طرف دیکھتے ہوئے بے پرواٹی سے کہا۔ شام کے وقت چلیں گے۔

صفیہ نے سکینہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ آج ہم میدان کی بجائے دریا کے کنارے چلیں گے۔

سکینہ نے جواب دیا۔ تمہارا مقصد ہے کہ بغداد کے لوگ ہم سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور اب اجان ہمارا گھوڑوں پر سوار ہونا بند کر دیں۔ یاد ہے پچھلی دفعہ ہم دریائے دجلہ کے کنارے گئی تھیں تو کس قدر ناراض ہوئے تھے!

صفیہ نے کہا۔ نقاب میں ہمیں کون پہچانے گا؟

لیکن ہمارے گھوڑے تو پہچانے جا سکیں گے۔ یہن کر صفیہ سوچ میں پڑ گئی اور اس نے اس موضوع پر زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔

شام ہونے تک سکینہ نے اس سے چند بار پوچھا۔ صفیہ! تم مغموم ہو۔ آخر بتاؤ تو کہی تمہیں کس بات کی پریشان ہے؟ اور اس نے ہر بار یہی جواب دیا۔ سکینہ آج میرا جسم نوٹ رہا ہے۔ گھوڑے پر ایک لمبی دوڑ لگانے کے بعد میری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

صفیہ کے اصرار پر سکینہ معمول سے کچھ دیر پہنچے سیر کو جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر محل سے باہر نکلیں تو صفیہ نے اپنے گھوڑے کی باغ کھینچنے اور چند بار ایڈ لگانے کے بعد اسے شوخ کرتے ہوئے کہا۔ آؤ سکینہ! دریا کے کنارے ایک دوڑ لگائیں۔ ہم جلد وہاں آ جائیں گی۔ اس کنارے پر شہر کے لوگوں کی آمد و رفت ویسے ہی کم ہے اور اگر بالفرض کوئی ہمارے گھوڑوں سے ہمیں پہچان

بھی لے تو اُسے شکایت لے کر آنے کی جرأت نہیں ہوگی اور پھر اس میں بُرانی ہی کیا ہے؟ بالآخر ہماری وہ ماں تین اور بہنیں بھی تو تھیں جو مردوں کے دوش بدوسٹ میدانِ جنگ میں جایا کرتی تھیں۔

سکینہ نے کہا لیکن دریا کے کنارے کون سامیدانِ جنگ ہے؟ صفیہ نے لا جواب سی ہو کر کہا۔ میں سمجھی۔ تم ڈرتی ہو۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میرا تخبر تمہاری حفاظت کرے گا۔

سکینہ نے کہا۔ میں کسی سے کیوں ڈرنے لگی۔ کیا میرے پاس تخبر نہیں؟ چلو! سکینہ کا ارادہ بدل جانے کے خوف سے صفیہ نے جلدی سے گھوڑا دریا کی طرف موڑ دیا اور آن کی آن میں یہ دونوں شہر کی آبادی سے نکل گئیں۔ گھوڑی ڈور آگے جا کر سکینہ نے شور پھانا شروع کیا۔ صفیہ! اٹھرو! آگے جانا خطرناک ہے۔ صفیہ! صفیہ! کیا تم حسن بن صباح کی جنت میں پہنچنے کا ارادہ کر چکی ہو؟

بعیہ کی تدبیر کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ سکینہ گھوڑی دور تک اس کا ساتھ دے۔ اس نے گھوڑے کے بغیر مُر کر سکینہ کی طرف دیکھا اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ گھوڑے کی باگ کھینچ کر اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہے، بلند آواز میں کہا سکینہ! یہ گھوڑا آج ذرا سرکشی دکھار ہا ہے۔ میں اس کا مزاج درست کرنا چاہتی ہوں تم اگر آگے جانے سے ڈرتی ہو تو اٹھرو میں ابھی آتی ہیوں۔

اور سکینہ کہہ رہی تھی۔ کیسی بے وقوف ہوتم۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ اس گھوڑے پر صرف قاسم سوار ہو ستا ہے۔ تم اس پر مت چڑھو! صفیہ نے مُر کر جواب دیا۔ اس کا جوش ابھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ دو کوس اور بھاگے گا۔

سکینہ نے کچھ دور اس کا ساتھ دیا اور بالآخر وہ گھوڑے کو روک کر انہیں پریشانی کی حالت میں صفیہ کے صبار فتار گھوڑے کی طرف دیکھنے لگی۔ گھوڑا اگر دکے اڑتے ہوئے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور سکینہ دریتک وہاں کھڑی رہی۔

سورج غروب ہونے میں کافی در تھی۔ کنارے کے آس پاس کسانوں اور چبڑا ہوں کی چند بستیاں دیکھ کر سکینہ نے اپنے متعلق کوئی زیادہ خطرہ محسوس نہ کیا۔ چند بار سکینہ کو غصہ آیا اور اس نے چاہا کہ وہ واپس جائے لیکن جب سے یہ خیال آتا کہ گھر جا کر کیا بتائے گی۔ تو اس کا ارادہ بدل جاتا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس کا ایک جگہ کھڑا رہنا درست نہیں۔ اس نے معمولی رفتار سے گھوڑا چھوڑ دیا۔ کوئی آدھ میل نیچے جا کر اسے موڑ لیا اور پھر کوئی ایک میل آہستہ آہستہ شہر کی طرف چل کر رک گئی۔

مغرب کی طرف شفق کی سرخی چھارہ تھی۔ درختوں کے سامنے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ پرندے کھیتوں سے آشیانوں کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ سکینہ کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ تاہم وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے یہ کہہ رہی تھی۔ وہ ایسی نادان نہیں۔ وہ یقیناً بہت دور نہیں گئی ہو گی۔ وہ مجھے ستانے کے لیے دریا کے کنارے کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ اگر میں چل پڑوں تو وہ گھوڑا دوڑا کر مجھے سے آملے گی اور پھر میرے قریب پہنچ کر زور سے قہقہ لگائے گی۔ سکینہ کے دل میں دوسرا خیال آیا لیکن خدا نخواستہ اگر اسے کوئی حادثہ پیش آگاہے ہو تو! پھر بھی مجھے چلنا چاہپے۔ میں ابا جان سے کہہ دوں گی کہ اس کا گھوڑا سرکش ہو کر اس طرف نکل آیا تھا۔

بہت دریسو چنے کے بعد سکینہ نے واپس چلنے کا فیصلہ کیا۔ تاہم اس امید پر کہ

صفیہ ارہی ہوگی، وہ کبھی کبھی مکھوڑے کو روک کر اس کا انتظار کرنے لگتی۔

## قاسم کا انتقام

طاہر، عبد العزیز کے دوستوں میں سے عبد الملک اور مبارک کے ساتھ بہت جلد مانوس ہو گیا۔ مبارک ایک قوی ہیکل اور سادہ دل سپا ہی تھا۔ تعلیم میں بھی وہ باقی سب سے پچھے تھا۔ احباب کی محفل میں بات کرتے ہوئے وہ بہت جھجکتا لیکن دریا میں تیرنے، گھنے جنگل میں گھوڑے پر ہرن کا پیچھا کرنے اور اڑتے ہوئے پرندوں کو تیر کا نشانہ بنانے میں اس نے اپنے آپ کو طاہر کی توجہ کا مستحق بنالیا۔ طاہر کو زید اور مبارک میں بہت سی باتیں مشترک نظر آئیں۔ زید جس قدر دوسروں سے بات کرتا ہوا گھبرا تا تھا، اسی قدر مبارک کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ افضل ایک خوش وضع نوجوان تھا۔ باتیں کرنے میں وہ کافی ہوشیار تھا لیکن دوسروں کے مقابلے میں اس کی نفاست اور تن آسانی دیکھ کر طاہر نے اس کے متعلق کوئی بلند رائے قائم نہ کی۔ شکار میں افضل نے تھوڑی دیر اپنے دوستوں کا ساتھ دیا اور پھر ایک درخت کے نیچے گھوڑا باندھ کر آرام سے سو گیا۔ دوپر کے وقت جب وہ دریا میں تیر رہے تھے۔ زید کو اس بات سے خوشی ہوئی کہ گہرے پانی سے دور رہنے کے لیے اسے ایک ساتھی مل گیا ہے۔

طاہر جس نوجوان سے متاثر ہوا۔ وہ عبد الملک تھا۔ قد میں وہ عبد العزیز سے ذرا کم تھا۔ جسمانی طور پر وہ کافی تنومند تھا لیکن اس کا چہرہ نسبتاً لمبورڑہ اور پتلہ تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی، تیکھے نقوش اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں غایت درجہ کی جاذبیت تھی۔ اس نے بغداد کی بہترین درسگاہوں میں تربیت حاصل کی تھی اور بغداد کے مرجہ علوم پر اسے کافی عبور تھا اور جس قدر طاہر اس کے خیالات کی پختگی سے متاثر ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ طاہر کی ذہانت اور تحریک علمی کا معرفت تھا۔ تھوڑی دیر باتیں

کرنے کے بعد طاہر اور عبدالمالک یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ مدت سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

موکیٰ اور نصیر خالص سپاہی تھے۔ انھیں علم و ادب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ فقط عبد العزیز کی شخصیت اور محبت نے انھیں اس ٹولی میں شامل کر دیا تھا اور جس وقت باقی دوست درختوں کے سامنے میں بیٹھ کر نہایت اہم مسائل پر گفتگو کر رہے تھے یہ دونوں ذرا دوڑ بیٹھ کر آپس میں جھگڑر ہے تھے۔

موکیٰ کہہ رہا تھا۔ میں نے جو ہرن شکار کیا ہے وہ وزن میں تمہارے ہر نے سے بھاری ہے اور اس کے سینگ تمہارے ہر نے سے زیادہ خوب صورت ہیں۔  
نصیر اسے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔ تم نے خواب میں بھی ایسا ہرن شکار نہیں کیا ہو گا۔

زید کو ان کا جھگڑا علمی مباحثت سے زیادہ دلچسپ محسوس ہوا اور وہ اٹھ کر ان کے قریب جا بیٹھا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو اپنی بات منوانے سے مايوں ہو کر زید اپنا ثالث بنالیا۔ زید ہرن کی خوبیوں سے زیادہ اس کی وکالت میں نصیر کے جوش و خروش سے متاثر ہوا اور اس نے نصیر کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

موکیٰ اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ کر رہا تھا لیکن نصیر نے کہا۔ لس اب ثالث کے فیصلے کے بعد تمہیں بولنے کا کوئی حق نہیں۔

موکیٰ نے زید پر اپنا غصہ یوں اتنا را کہ جب یہ تینوں دریا میں نہار ہے تھے۔  
موکیٰ نے مذاق میں زید کی گردن دبا کر اسے دو تین غوطے دے دیے۔ زید نے باہر نکل کر اسے کشتی کے لیے للاکارا اور جب موکیٰ مقابلے کی دعوت پر لبیک کہتا ہوا باہر نکلا۔ مبارک، افضل اور عبد العزیز، طاہر اور عبدالمالک کو چھوڑ کر ان کے گرد آجع

ہوئے۔ زید موکی کو بچھاڑ کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بولا۔ اب ان سب کے سامنے اعلان کرو کمیرا فیصلہ صحیح تھا۔ موکی نے گھوڑی دیر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد ہنستے ہوئے کہا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ تمہارا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔  
زید نے کہا۔ وعدہ کرو کہ آئندہ پانی میں مجھے غوطہ میں دو گے!  
موکی نے وعدہ کیا اور زید نے اسے چھوڑ دیا۔

(۲)

عصر کی نماز کے بعد ان لوگوں نے تیراندازی کی مشق شروع کر دی لیکن طاہر، عبد العزیز اور عبدالمالک دریا کے کنارے سیر کے لیے چل دیے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور وہ خیمے کی طرف لوٹنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ دور سے ایک سوار سر پٹ آتا ہوا دکھانی دیا اور وہ اس طرف دیکھنے لگ۔

سوار کو قریب آتا دیکھ کر عبد العزیز نے کہا۔ یہ کوئی عورت معلوم ہوتی ہے۔ اور طاہر نے اپنے دل میں ایک خلش سی محسوس کی۔ گھوڑا قریب آنے پر یہ خلش پر پیشانی اور اضطراب میں تبدیل ہونے لگی۔

یہ صفیہ تھی۔ پیشانی اور آنکھوں کے سوا اُس کا باقی چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے کچھ فاصلے پر گھوڑا روک لیا اور تذبذب کی حالت میں یکے بعد دیگرے ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک لمحہ توقف کے بعد اس نے گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا اور طاہر پر نظریں گاڑ دیں۔ اس کی آنکھیں کسی تکلیف دہ احساس کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ اڑکی کی ہچکچاہٹ سے متاثر ہو کر عبدالمالک نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ جاؤ!

طاہر نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں؟۔

اڑکی نے اپنے تیز تیز سانس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں میں آپ کو  
یہ بتانے کے لیے آئی تھی کہ قاسم ۔۔۔ آج رات ۔۔۔ ؟ ۔۔۔

طاہر نے کسی قدر رظریہ لجھے میں اُس کافرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ ہمیں قتل  
کرڈا لے گا۔ لہذا ہمیں بغداد سے سوکوس دور نکل جانا چاہیے۔ میرے خیال میں  
مجھے پہلے بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

صفیہ کے دل کو ایک گہرا چہرہ کارگا اور اس نے کامپتی ہوئی مجروح آواز میں کہا۔  
میں آپ کو بغداد کے بذله سخ اور حاضر جواب نوجوانوں سے مختلف سمجھتی تھی۔

بہر حال میں اپنا فرض پورا کرتی ہوں۔ قاسم رات کے وقت پندرہ بیس آدمیوں کے  
ساتھ کشتنی پر یہاں پہنچ کر اچاک آپ پر حملہ کر دے گا۔ آپ یہاں سے چلے جائیں  
یا اپنی تفریح کے لیے کوئی اور جگہ منتخب کر لیں تو اس میں آپ کی بھلانی ہے ورنہ شاید  
بغداد میں کوئی یہ نہ پوچھے کہ کون قتل ہوا ہے اور کس نے قتل کیا؟

طاہر کے شکوہ یقین کی حد تک پہنچ چکے تھے اس نے کہا۔ آپ کی تکلیف کا  
شکریہ! آپ قاسم سے کہہ دیجیے کہ ایک عقل مند آدمی رو بارہ ایک غلط حرہ استعمال  
نہیں کرتا۔ میں آپ کو پہلے بھی یقین دلا چکا ہوں کہ میں اس کا شمن بننے کی بجائے  
اس کا دوست بننے کو ترجیح دوں گا لیکن مجھے مرعوب کرنے کے لیے جو طریقہ وہ  
اختیار کر رہا ہے اسے ہر سلیم الفضرت انسان برا تمجھے گا۔ میں اسے گنگے لگانے کے  
لیے تیار ہوں۔ اس کے پاؤں میں رینگنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گا۔

صفیہ کے لیے طاہر کا زہر میں بجھا ہو نشتر تھا۔ اپنے خلوص واشار کی۔ تضییک  
اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے غصے سے کامپتی ہوئی بلند آواز میں کہا۔ تم  
۔۔۔ تم ایک وحشی جاہل اور مغرور بد و ہوتم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے قاسم نے بھیجا ہے اور میں

اس کے کہنے پر یہاں آئی ہوں اور کل بھی تم میرے متعلق یہ رائے لے کر گئے تھے کہ میں اس کی آلہ کار ہوں اور میں تمھیں مروع کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی تھی۔ میں نے تمھیں سمجھنے میں غلطی کی۔ تم قاسم سے مختلف نہیں۔۔۔۔۔ میں بے وقوف تھی۔۔۔۔۔ اور اب میں تمھیں یہ کہتی ہوں کہ تم رات کے وقت اپنے خیے میں چراغ جلا کر آرام سے سو جاؤتا کہ قاسم کو تمھیں تلاش کرنے میں دیرینہ لگے۔

صفیہ یہاں تک کہہ کر بچکیاں لینے لگی اور طاہر اس کے الفاظ لٹکنی سے زیادہ اس کی خوب صورت آنکھوں میں چھمکتے ہوئے آنسوؤں سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے کسی پھول کی پنکھڑی پر شبنم کے قطروں میں وہ جاذبیت نہ دیکھی تھی جو اس کی پلکوں میں اٹکے ہوئے موتوپ میں نظر آ رہی تھی۔ اس نے سوچا۔ اگر میں نے اس لڑکی کے متعلق غلط رائے قائم کی ہوتا۔

صفیہ نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں آستین میں چھپا لیں اور اس کے بعد طاہر پر ایک ایسی نظر ڈالنے کے بعد جس میں غصہ بھی تھا اور حرم بھی، گھوڑے کی باگ موزلی لیکن عبدالمالک جو چند قدم پر کھڑا یہ لفتگو سننے کے بعد ایک نیجے پر پہنچ چکا تھا۔ تیزی سے آگے بڑھا اور گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بولا۔ معزز خاتون! مجھے آپ سے ہم کلام ہونے کا حق نہیں لیکن ایسے موقع پر کچھ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ اور طاہر ایک دوسرے کو کب سے جانتے ہیں بہر حال آپ کے آنسو آپ کے خلوص کی شہادت دیتے ہیں۔ طاہر نے شاید آپ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ لیکن آپ اس غلطی کو ناقابلِ معافی نہ سمجھیے۔ وہ بغداد میں ایک اجنبی ہے۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں۔ آپ کے متعلق اگر اس نے غلط رائے قائم کی ہے تو اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ طاہر، قاسم کو ایک بہادر نوجوان سمجھتے ہوئے اس کے

متعلق فوراً بری رائے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ بغداد کے امراء کی ذہنیت کس قدر گھناؤنی ہے۔ میں قاسم کو جانتا ہوں اور طاہر کی طرف سے مغذرت پیش کرتا ہوں۔ آپ کو طاہر کے الفاظ سے یقیناً رنج ہوا ہوگا۔ لیکن آج رات اگر قاسم کے متعلق اس کی خوش نہیں دور ہو گئی تو اس کے بعد آپ سے اس طرح پیش آنے پر اسے جوندامت اور افسوس ہوگا۔ شاید آپ اس کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ میں سمجھ سنا تا ہوں کہ آپ کن مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے یہاں پہنچی ہوں گی۔ آپ نے ہم پر بہت احسان کیا اور میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ ہم اس خطرے سے بچ نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اور آپ کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ طاہر کو بھی آپ احسان فرماؤش نہیں پائیں گی۔ اگر گستاخی نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ آپ صفیہ ہیں؟ صفیہ نے جواب دیا۔ ہاں! لیکن آپ کو میرے آنے سے کوئی غلط نہیں ہوئی ہو تو آپ اپنی بیوی سے پوچھ لیں۔ اگر آپ عبدالمالک ہیں تو آپ کی بیوی مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔

عبدالمالك نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ مجھے آپ کے متعلق کوئی غلط نہیں ہو سکتی۔

صفیہ کے غصے کی آگ سرد ہو چکی تھی۔ طاہر کو مدت اور افسوس کی حالت میں سرجھ کاٹے ہوئے دیکھ کر اس نے کہا۔ جب یہ اپنے طرز عمل پر نادم ہوں گے تو مجھے بھی اپنی سخت کلامی پر افسوس ہوگا۔ میں پھر ایک بار کہتی ہوں کہ قاسم رات کے وقت آئے گا۔ آپ باخبر ہیں اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ قاسم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آپ وعدہ سمجھیے!

عبدالمالك نے کہا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قاسم کے سر کے بال تک بیکا نہیں

ہوگا۔

طاہر نے گردن اور پرانھانی اور کہا۔ اگر میں ابھی اپنی ندامت کا اظہار کر دوں تو آپ مجھے قابل معافی سمجھیں گی؟

نہیں ابھی نہیں۔ صفیہ نے یہ کہتے ہوئے گھوڑے کو ایر لگادی۔

طاہر خفیف سا ہو کر زگا ہوں سے او جھل ہوتے ہوئے گھوڑے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عبدالمالک نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟

نہیں۔ طاہر نے جواب دیا  
میں پوچھ سنبتا ہوں کہ اسے پہلی بار تم نے کب اور کہاں دیکھا تھا۔  
کل رات وزیر اعظم کے محل میں۔ لیکن یہ ہے کون؟  
قاسم کی چپازادہ ہیں صفیہ!

اور اس کے باوجود تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا اندازہ غلط تھا؟

تمہارا اندازہ اگر میں غلط سمجھتا ہوں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ قاسم کی چپازادہ ہیں اور اس کا باپ بغداد کے تمام امراء سے مختلف تھا لیکن چلو نماز کا وقت ہو رہا ہے!

طاہران کے ساتھ چل دیا۔ عبدالعزیز جواب تک خاموش تھا، طاہر سے مخاطب ہو کر بولا۔ آپ کو اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے آپ کی مغذرت کو ٹھکرایا نہیں۔ پھر وہ عبدالمالک سے مخاطب ہوا۔ تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ لڑائی کی صورت میں ہم صرف آٹھ ہونے کے باوجود انھیں بہت اچھا سبق دے سکتے تھے۔ لیکن تم وعدہ کر چکے ہو کہ قاسم کے سر کا باال تک بیکانہ ہوگا

اور جب تواریں ٹکرائے لگیں تو مد مقابل کے بالوں کا لاحاظہ رکھنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے

عبدالمالک نے کہا۔ میں نے اس کے ساتھ قاسم کی جان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ یہ وعدہ نہیں کیا کہ اس کے گلے میں پھولوں کا ہارڈ الاجائے گا۔

عبدالعزیز نے کہا تو ہم اسے آج ایسا سبق دیں گے جو شاید اسے تمام عمر نہ بھولے لیکن تمھیں یقین ہے کہ قاسم رات کے وقت ہم پر حملہ کرے گا؟

عبدالمالك نے جواب دیا۔ اس لڑکی کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے میں اس کے پیش نظر اس پر یقین نہ کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ قاضی عبدالرحمن اسے قرآن و حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ میری بیوی بھی ان کی شاًگرد تھی۔ اس لیے یہ دونوں ایک دوسری کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ میری بیوی اس کے متعلق بہت باندرائے رکھتی ہے۔

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ لیکن تم نے اسے کیسے پہچان لیا؟

تم نے غور نہیں کیا۔ اس کے نیچے قاسم کا گھوڑا تھا۔

(۳)

صفیہ تھکے ہوئے گھوڑے کو کبھی آہستہ اور کبھی تیز رفتار سے بھگاتی ہوئی جا رہی تھی۔ اپنے محل سے کوئی نصف کوس کے فاصلے پر اس نے سکینہ کو جالیا۔ سکینہ راستے میں رُک رُک کر کئی بارا سے غصے کی حالت میں گالیاں دے چکی تھی اور محبت سے مجبور ہو کر اس کی سلامتی کی دعا میں کرچکی تھی۔ کبھی وہ کہتی۔ صفیہ! تم زندہ سلامت لوٹ آؤ تو میں اتنے دینا خیرات کروں گی۔ اور کبھی وہ اپنے ہونٹ کا ٹٹے ہوئے یہ کہتی۔ صفیہ! تم ایک بار آ جاؤ۔ میں تمھارے ساتھ وہ سلوک کروں گی جو تمھیں عمر بھر

یاد رہے۔ تمہارے ساتھ ہیر کے لیے نکلا تو درکنار میں بھی بات تک نہ کروں گی۔

صفیہ! پلگی نا دان، بے وقوف، اب شام ہو رہی ہے۔ تم کہاں جا بیٹھی ہو! میں گھر جا کر کیا جواب دوں گی۔ کل تک سارے شہر میں مشہور ہو جائے گا کہ صفیہ غائب ہو گئی

اور جب صفیہ اس کے قریب پہنچ کر کہہ رہی تھی۔ آپ سکینہ! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تم مجھ پر خفا ہو جاؤ۔ ذرا میری طرف دیکھو تو میں صفیہ ہوں۔ تمہاری بخشی صفیہ تو سکینہ کے لیے یہ فیصلہ ناممکن تھا کہ اسے کیا کہنا چاہے۔

صفیہ نے پھر کہنا شروع کیا۔ آپا! میری آپا!! تمہیں اس قدر خفاذ کیخنے سے تو بہتر تھا کہ میں گھوڑے سے گر کر مر جاتی۔!

بہت بے وقوف ہوتم! سکینہ نے یہ کہتے ہوئے صفیہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو اڈ آئے۔ تھوڑی دور آگے چل کر سکینہ نے کہا۔ اگر تمہیں حسن بن صباح کی جماعت کا کوئی آدمی مل جاتا تو؟

صفیہ نے ہنسنے کیستھے ہوئے جواب دیا۔ تو میں اسے یہ کہتی۔ تمہاری جنت میں حور بن کر رہنے کی مستحق میں نہیں سکینہ ہے۔

سکینہ نے کہا۔ اور گھروالوں نے ہماری تلاش شروع کر دی تو کیا بہانہ بناؤ گی؟

صفیہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ ابھی تو شام ہوتی ہے۔ چاندنی راتوں میں تو ہم کئی دفعہ عشا کے وقت گھر لوٹا کرتی ہیں۔

دریا کے پل کے قریب پہنچ کر صفیہ کو دو کشتیاں دکھاتی دیں۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ کشتی پر سوار ہونے والوں کو اچھی طرح نہ دیکھ سکی لیکن کشتیوں کی

رفتار دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ وہ قاسم اور اس کے ساتھی ہیں۔

(۳)

اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد قاسم نے طاہر اور اس کے ساتھیوں کے خیمے سے کوئی دوسو گزا پر کشتیاں کنارے پر لگانے کا حکم دیا۔

کنارے پر اتر کر ان سب نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیے اور چاند کی روشنی سے بچنے کے لیے سامنے درختوں کے سامنے میں پہنچ کر دبے پاؤں خیمے کی طرف بڑھنے لگے۔ خیمے کے قریب وہ ایک گھنے درخت کے سامنے میں کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر کانا پھوٹی کے بعد ایک شخص آگے بڑھا۔ اس نے دبے پاؤں خیمے کے گرد ایک چکر لگانے کے بعد اندر جھانک کر دیکھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ کر آہستہ سے کہنے لگا۔ اندر ایک کونے میں آگ جل رہی ہے اور وہ اپنے اوپر چادریں ڈال کر خرگوش نیند سو رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ بہترین موقع ہے؟

قاسم نے کہا۔ لیکن ان کے گھوڑے دکھائی نہیں دیتے؟

ایک شخص نے جواب دیا۔ گھوڑے اگر انہوں نے جنگل میں چڑنے کے لیے گھملے نہیں چھوڑ دیے تو ان کی بے خبری میں کوئی چراکر لے گیا ہوگا۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے!

قاسم کے اشارے پر سب نے تلواریں نکال لیں۔ لوگوں نے آگے بڑھ کر قاسم کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ انھیں جگا کر بھاگنے یا مقابلے کے لیے مسلح ہونے کا موقع دیں گے!۔

قاسم نے جواب دیا۔ اگر آپ ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو تعلیم دہ رہ سکتے ہیں

- آپ کی ضرورت پڑی تو آپ کو بایا جائے گا لیکن یاد رکھیے۔۔۔ آپ ہماری اس کارگزاری میں حصہ دار ہیں۔ اگر آپ کے پاس یہ راز محفوظ نہ رہ سکتا تو جو جرم ہم پر بہت مشکل سے ثابت ہو گا وہ آپ پر شاید آسانی سے ثابت ہو جائے۔ اگر آپ بغداد میں رہتے تو شاید آپ اس جرم سے بے تعلقی ثابت کر سکتے لیکن میں آپ کو اسی لیے اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ اب واپس پہنچ کر یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ ہمارے ساتھ اتنا راستہ چلنے کے بعد آپ کی حیثیت محض ایک تماشائی کی تھی۔ اگر آپ تلوار نیام سے نہیں نکالنا چاہتے تو آپ کو یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ کی زبان بھی محتاط رہے گی!

لوکس نے ٹھہر سوچ کر جواب دیا۔ میں نے ایک دوست کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا لیکن آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔

قاسم نے کہا۔ مجھے آپ سے یہی موقع تھی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس کھیل کو ذرا دلچسپ بنایا جائے اور آپ کو یہ اعتراض بھی نہ ہو کہ ہم نے انھیں جانے کا موقع نہیں دیا۔ ممکن ہے کہ وہ اڑے بغیر بھاگنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور ہمیں خواہ مخواہ اپنی تلواروں کو ان کے خون سے رنگنا پڑے۔ اگر انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ دوبارہ بغداد میں داخل نہیں ہوں گے تو شاید انھیں خراش تک نہ آئے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کا خیمہ گرا دیا جائے۔ اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے!

قاسم کی اس تجویز پر اس کے بعض ساتھیوں نے اسے کھلے دل سے دادوی۔ وہ درخت کے سامنے سے نکل کر زمین پر رینگتے ہوئے خیمے کے گرد جمع ہو گئے۔

قاسم کا اشارہ پا کر انہوں نے بیک وقت خیمے کی تمام رسیاں کاٹ ڈالیں اور اسے ایک طرف کھینچ کر چوبیں گردائیں۔ ایک لمبے کے لیے ان سب نے اپنے

دولوں میں زبردست دھڑکنیں محسوس کیں۔ ایک ثانیے کے لیے ان کے کان زمین پر بچھے ہوئے کپڑے کے نیچے سے طرح طرح کی آوازوں کے منتظر تھے اور پھر تمہوڑی دیر کے لیے ان کی آنکھیں سونے والوں کی کروٹوں کی منتظر ہیں۔

قاسم اور اس کے ساتھیوں کی تشویش اضطراب میں تبدیل ہونے لگی۔ سب اُنے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ کئی جگہ سے کپڑے کی اُبھری ہوئی سطح یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھی کہ خیمه خالی نہیں۔

لوکس نے دلبی زبان میں قاسم سے کہا۔ ہوسنا تاہے کہ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہوا اور ہماری تعداد سے سہم گئے ہوں۔ آپ انھیں آواز دے کر جان بخشی کا وعدہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بعد اچھوڑ نے پر آمدی ہو جائیں گے۔

خیمے میں ایک طرف آگ سلگ رہی تھی۔ قاسم کے ایک ساتھی نے انجھتے ہوئے دھوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اگر وہ گدھے کی نیند سوتے ہیں تو بھی انہیں اب تمہوڑی بہت حرارت محسوس کر لیما چاہیے تھی۔

قاسم نے بلند آواز میں کہا۔ اب دھوکے سے کام نہیں چلے گا۔ اگر بچنا چاہتے ہو تو بعد اد جانے کی بجائے یہاں سے سیدھا کسی اور ملک کا رخ کرو۔ تمہارے سر پر اٹھا رہ تلواریں موجود ہیں، خیمے میں آگ لگ چکی ہے۔ جواب دو بعد اچھوڑ نے کا وعدہ کرتے ہو یا نہیں؟

جب کوئی جواب نہ ملا تو قاسم نے آگے بڑھ کر تلوار کی نوک سے ایک اُبھری ہوئی جگہ کو ٹوٹانا شروع کیا۔ اس پر بھی جب سونے والے نے حرکت نہ کی تو اس تلوار کو ذرا زور سے دبایا لیکن اس نے محسوس کیا کہ نیچے انسان کی بجائے کوئی سخت چیز ہے۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے دوسرے ساتھی بھی خیمے پر چڑھ گئے۔ اور ایک نے

دوسرا جگہ ابھری ہوئی سطح پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے چلا کر کہا۔ نیچے پتھر ہیں انسان نہیں۔ انہوں نے پتھروں پر چادریں ڈال کر ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ چلو یہاں سے نکلیں۔

قاسم نے غصے کی حالت میں ایک اور ابھری ہوئی جگہوں پر تلوار مارتے ہوئے کہا۔ وہ ہماری آمد سے باخبر ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ چند قدم کے فاصلے سے ایک گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ہم یہیں ہیں۔ آپ بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔

قاسم کے ساتھی کسی غیر متوقع جملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن اس پاس کوئی نظر نہ آیا۔

کسی نے پتھر کہا۔ تم سب اس وقت ہمارے تیروں کی زد میں ہو اور یقین کرو کہ ہم میں سے غلط انتشار لگانے والا کوئی نہیں۔

قاسم نے محسوس کیا کہ بولنے والا سامنے درخت پر چھپا ہوا ہے اور اس نے اپنے ساتھیوں کو دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ دادائیں طرف ٹھنے کا مشورہ دیا۔ درخت سے آواز آئی۔ بھاگنے کی کوشش بے سود ہو گی۔ تمہارے پیچھے دریا ہے اور دادائیں بائیں اور درختوں پر میرے ساتھی تیر و مان لیے بیٹھے ہیں۔ اگر تم کو یقین نہیں آتا تو کسی طرف بھی چار قدم اٹھا کر دیکھو۔ تم ہمیں دیکھ سکتے ہونے تمہارا کوئی ہتھیار ہم تک پہنچ سنبتا ہے۔

قاسم انتہائی بدحواسی کی حالت میں چلایا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ ہم صرف دل لگی کے لیے آئے تھے۔

ہم بھی صرف دل لگی کے لیے درختوں پر چڑھے ہیں۔

میری بات پر یقین کرو۔ میں تمہیں صرف ڈرانا چاہتا تھا!  
تم بھی میری بات کا یقین کرو میں بھی صرف تمہیں ڈرانا چاہتا ہوں  
قاسم نے کہا۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم درخت سے نیچے اتر کر میرے ساتھ  
بات کرو!

درخت سے آواز آئی نیچے اترنے کی دعوت کا شکریہ! میں بھی یہاں بہت تنگ  
بیٹھا ہوں لیکن پیشتر اس کے کہ میں نیچے اتروں تمہیں ایک تکلیف ضرور اٹھانی پڑے  
گی۔

وہ کیا؟

تم اپنے ساتھیوں کو تواریں بھینکنے کا حکم دو۔  
قاسم نے کہا کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ تم بات کرتے وقت اپنے اور میرے منصب کا  
لکاظ کرو!

درخت سے آواز آئی۔ گستاخی معاف! تمہارے چہرے پر نقاب ہے اور میں  
آواز سے تمہیں نہیں پہچان سکا۔

قاسم نے کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ہماری آمد کے علم کے بغیر ہی  
اس قدر محتاج طبقتے۔

قدرے تو قف کے بعد آواز آئی۔ ہم دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے چاندنی  
رات کا لطف اٹھا رہے تھے۔ شاید تمہاری بد قسمتی تھی کہ ہم نے تمہاری کشتیاں دیکھ کر  
خطرہ محسوس کرنے میں غلطی نہیں کی۔

خیسے میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ قاسم نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ تم  
یہاں کیا کر رہے ہو۔ دیکھتے نہیں خیسہ جل رہا ہے؟ اب اسے گھیس کر پانی کے

قریب لے جاؤ۔

درخت سے گرجتی ہوئی آواز آئی۔ ٹھہرو! اگر تم میں سے کسی نے ادھر ادھر ہلنے کی کوشش کی تو تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔ ہمیں خیے کی پرواہ نہیں۔ اگر تم نے ہمیں یہ بوجھا اٹھا کر واپس لے جانے کی تکلیف سے بچایا ہے تو ہم نے بھی تمہاری ایک مشکل حل کر دی ہے۔ تم کو کشتیاں واپس لے جانے کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی۔ فرق صرف یہ پڑا ہے کہ ہمارے خیے کی راکھ کسی کے کام نہیں آئے گی لیکن تمہاری کشتیوں سے کوئی مجھیرا فائدہ اٹھا سکے گا۔ اب تم کوئی اور قصہ شروع کرنے سے پہلے تلواریں پھینک دوا!

قاسم نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر تلوار پھینک دی لیکن درخت سے پھر آواز آئی۔ ہم سے اتنی دور نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص باری باری آگے آئے اور اس درخت کے نیچے اپنی تلوار پھینک کرو اپس اسی جگہ جا کھڑا ہو۔  
قاسم نے کہا۔ ہم ایسی ہمارمانے کی بجائے لڑنے کو ترجیح دیں گے۔ اگر تم میں جرات ہے تو نیچے اتر کر مقابلہ کرو!

درخت سے آواز آئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں آپ نے اس قابل سمجھا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے پاس کند تلواریں نہیں۔ آپ نے ہماری تلواروں کی تیزی اور اپنی جان کی قیمت کا بہت غلط اندازہ لگایا ہے لیکن اس کے باوجوداً آپ مقابلے کی دعوت دیتے ہیں تو ہم تیار ہیں۔ آپ میں جس شخص کو اپنے متعلق زیادہ غلط فہمی ہے وہ ذرا آگے آجائے۔ ہم میں سے بھی ایک نیچے اتر آئے گا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے آپ میں سے ہر ایک کو زور آزمائی کا موقع مل جائے گا لیکن اگر آپ اس میں اپنا فائدہ نہیں دیکھتے تو میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے وعدہ

کرتا ہوں کہ ہتھیار ڈال دینے کے بعد تمھیں جانے کی اجازت ہوگی!

قاسم نے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کچھ سوچ کر ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا اور درخت کے نیچے تواریخنک کروائیں چلتے ہوئے خیمے کے قریب جا کھڑے ہوئے تو ایک شخص نیچے اتر ایہ عبدالعزیز تھا۔ وہ تواریخنام سے نکال کر آگے بڑھا اور قاسم اور اس کے ساتھیوں کے قریب جا کھڑا ہوا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔ میں عام طور پر آواز پہچانے میں غلطی نہیں کرتا۔ میرے خیال میں مجھے وزیراعظم کے صاحبزادے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے؟

قاسم نے اپنے سے چہرے سے نقاب اٹا کر کھینک دیا۔

عبدالعزیز نے آواز دی۔ طاہر! عبدالمالک! اب اُتر آؤ یہ قاسم ہے۔ ہم نے سمجھا تھا کہ ہم پر کسی دشمن نے چڑھانی کر دی ہے۔

عبدالعزیز کے ساتھی یکے بعد دیگرے نگلی تواریں لیے اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

قاسم نے کہا۔ تم بہت ہوشیار ہو۔ ہم تو صرف دلی لگی کے لیے آئے تھے۔ عبدالعزیز نے کہا۔ بہت نوازش کی آپ نے! ہم آپ کی باتمیں سن چکے ہیں

قاسم نے کہا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم سے تواریں رکھو کر آپ ہمارا راستہ نہیں روکیں گے؟

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں لیکن میں نے آپ کے ساتھیوں کو نہیں دیکھا۔ آپ انھیں نقاب اٹا رہے کامشو رہ دیجئے۔

قاسم کے اشارے پر انھوں کچھ دیر پس و پیش کے بعد نقاب اٹا رہیے۔

عبدالمالك نے ذرا آگے بڑھ کر ان میں سے چار فوجی افسروں کو پہچانتے ہوئے کہا

عزیز! قاسم کا اثر فوج تک بھی پہنچ چکا ہے۔ انھیں پہچانتے ہو؟ میرے خیال میں ان چار کو اپنے پاس مہمان رکھنا ضروری ہے۔

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ میں ان سب کی جان بخشی کا وعدہ کر چکا ہو۔ قاسم تم جاسکتے ہو لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھو۔ اگر تم نے اپنے ارادے سے بازنہ آئے تو تمہارے لیے بہت برا ہو گا۔ اگر طاہر کے جسم پر ایک خراش بھی آئی تو میں وزیر اعظم کے محل کے نیچے ۵۰ ہزار پاہی لے کر پہنچ جاؤں گا اور ہمارے پاس تلواریں اس بات کا ثبوت دے سکیں گی کہ ہمارا دشمن کون تھا؟ اگر وزیر اعظم کے لیے تمہارے دل میں عزت نہ ہوتی تو آج ہمارا طرز عمل اس سے مختلف ہوتا۔ اگر دجلہ کا پانی ہماری لاشوں کو چھپا سئتا ہے تو تمہاری لاشیں بھی اس کے سپرد کی جاسکتی تھیں۔ بہر حال اب تم جاؤ اور آئندہ جب کبھی تمہارے دل میں انتقام کی آگ دوبارہ سلگنے لگے تو یہ یاد رکھو کہ گل تک بگدا میں مجھے پندرہ بیس اور ایسے نوجوان مل جائیں گے جو ہمارے بعد بڑی سے بڑی طاقت سے ہمارا انتقام لینے کا حلف اٹھائیں گے۔

یہ کہہ کر عبدالعزیز اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ زید! نصیر! تم وہ تلواریں اٹھا لو!

زید اور نصیر نے درختوں کے نیچے جا کر تلواریں اٹھا لیں۔ عبدالعزیز نے اپنے باقی ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ ایک طرف چل دیے۔ قاسم اور اس کے ساتھی انتہائی ندامت اور پریشانی کی حالت میں انھیں درختوں کی آڑ میں روپوش

ہوتے دیکھ رہے تھے۔

جنگل میں قریباً آدھ میل چلنے کے بعد عبدالعزیز اور اس کے ساتھی اس جگہ پر پہنچ جہاں درختوں کے ساتھ ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ گھوڑی دیر بحث کے بعد سب اس فیصلے پر متفق ہو گئے کہ انھیں فوراً بغداد پہنچنا چاہیے۔ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

(۵)

قاسم کو کافی دن چڑھے ایک لوٹڈی نے جنجنجوڑ جنجنجوڑ کر گہری نیند سے جگایا۔ قاسم نے انگرائی لے کر آنکھیں کھولیں اور لوٹڈی کو ڈانٹنے کے بعد پھر بند کر لیں۔ لوٹڈی نے کہا۔ اُٹھیے! اب دوپھر ہونے والی ہے! آقا آپ کو بلا تے ہیں انہوں نے آپ کو فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

قاسم بڑا بڑا ہوا اٹھا اور آنکھیں ملتا ہوا وزیر اعظم کے کمرے میں داخل ہوا۔ وزیر اعظم ایک درتچ کے سامنے کھڑا باہر کی طرف جھاٹک رہا تھا۔ اس نے مُرہ کر قاسم کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ قاسم! رات تم کہاں تھے؟

ایک لمحے کے لیے قاسم اس غیر متوقع سوال کا جواب نہ دے سکا۔ اس نے اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ رات کو ایک دوست کے ہاں دعوت تھی مجھے وہاں باتوں میں دیر ہو گئی۔

وزیر اعظم نے اس کی طرف مُرہ کر دیکھا۔ قاسم نے اس کی نگاہوں کی تاب نہ لالا کر آنکھیں جھکا لیں۔ وزیر اعظم نے قاسم کے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے کہا۔ بیٹا! تم ابھی تک جھوٹ بولنے کے فن میں اتنے ہوشیار نہیں ہوئے کہ مجھے دھوکہ دے سکو

- یہ پڑھ لوا!

قاسم نے خط پڑھنے کے بعد اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں یہ پوچھ رہی تھیں کہ اب آپ کا ختم کیا ہے؟

وزیر اعظم نے کمرے کے ایک کونے میں چھوٹی سی میز پر پڑی ہوئی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ظاہر نے اس خط کے ساتھ تمہاری تلوار میرے پاس بھیج دی ہے۔ یہ اس کی شرافت ہے ورنہ اس کے لیے ولی عہد یا خلینہ تک پہنچنا مشکل نہیں۔ قاسم تم نے بہت برا کیا۔ تمھیں اس قدر ہوشیار آدمی پر اس قدر راوچھا وار نہیں کرنا چاہتے تھا۔

قاسم نے جواب دیا۔ ابا جان! یہ صرف ایک مذاق تھا، ظاہر اس قدر ہوشیار نہ تھا۔ مجھے صرف عبدالعزیز کی وجہ سے یہ خفت انٹھانا پڑی۔

وزیر اعظم نے سوال کیا۔ وہ کون ہے؟

وہ فوج کا معمولی عہدے دار ہے۔

لیکن باقی سترہ تلواریں سپہ سالار کو پیش کرنے کے بعد وہ کافی اہمیت حاصل کر لے گا۔ فوج میں پہلے بھی تمہارے متعلق کسی کی اچھی رائے نہیں۔ اور اب تم نے اپنی راہ میں نئے کائنے بودیے ہیں۔ قاسم! تم نے بہت برا کیا۔ میں ظاہر کو تمہارے لیے ایک زینہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کو اپنا نائب بنانے کا رقم چنگیز خاں کے دربار میں سنیر بن کر جا سکتے تھے لیکن اب۔۔۔۔۔!

لیکن اب؟ قاسم نے قدرے فلکر مند ہو کر سوال کیا۔

اب میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سئتا کہ اس کو کہیں باہر بھیج کر تمہارے لیے بغداد میں راستہ صاف کروں۔ تمھیں شاید معلوم نہیں کہ ولی عہد نے سپہ سالار سے سفارش کی ہے کہ اسے فوج میں کوئی ذمہ دار عہدہ دیا جائے۔ قاضی خر الدین نے

خلیفہ کے نام خط لکھ کر اس نوجوان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلا بے ملا دیے ہیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بغداد میں ترقی کے ہر میدان کی راہ میں وہ اور اس کے دوست کسی دن تمہارا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے۔

قاسم نے کہا۔ تو پھر آپ اسے کسی مہم پر کیوں نہیں بھیج دیتے؟۔

میں یہ کہ سنتا ہوں لیکن اس سے قبل میرے متعلق تمہاری اس حرکت سے جو شکوک اس کے دل میں پیدا ہو چکے ہیں میں انھیں دور کرنا چاہتا ہوں، ورنہ وہ ہمیشہ مجھے شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا رہے گا۔ ابھی تک اسے میرے متعلق حسنِ ظن ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے تمہاری شکایت کسی اور کی بجائے مجھ سے کی ہے۔

قاسم نے کہا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس سے مغذرت کروں؟

نہیں۔ اس طرح وہ تم سے اور بد ظن ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ میں اسے اپنے پاس بلاوں اور اس کے سامنے تم سے باز پرس کروں لیکن اس سے پہلے میں تمہاری طرف سے اس بات کا اطمینان چاہتا ہوں کہ تم کوئی اور حماقت نہیں کرو گے۔ فوج سے جو نوجوان تمہارے ساتھ گئے تھے ان کے متعلق میں سپہ سالار کو لکھ رہا ہوں کہ انھیں فوراً معزول کر دیا جائے۔

لیکن ابا جان وہ میرے دوست ہیں۔ وہ میری مدد کرنا چاہتے تھے اس میں ان کا کیا قصور؟

سردست میرے سامنے یہ مسئلہ نہیں کہ ان کا قصور تھا یا نہیں۔ ظاہر کے دوستوں پر ظاہر کرنا ضروری ہے کہ مجھے اس کے ساتھ کوئی عداوت نہیں۔ ظاہروں کی عہد، شہزادہ مستنصر اور سپہ سالار تک رسائی حاصل کر چکا ہے۔ خلیفہ نے اگر اسے سلطنتِ مصر جاؤں نہ سمجھ لیا تو عین ممکن ہے کہ وہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر اسے کسی

عہدے پر فائز کر دیں۔ اس صورت میں اپنے مخالفین کے خلاف اس کا سب سے بڑا حرہ اس کی دولت ہو گی اور میں یہ میں چاہتا کہ تم ایسے شخص کو اپنا شمن بنالوجس کے بازوؤں کو قدرت نے پیاروں کا کلیجہ چیر نے اور آسمان کے تارے نوچنے کی قوت عطا کی ہے۔ وہ ایک قابل قدر اور مخلص نوجوان ہے۔ ایسے شخص کی دوستی فائدہ مند اور دشمنی خطرناک ہوتی ہے۔ مجھے اس کی ضرورت ہے اور میں اس کے خلاف تمہاری کوئی سفارش برداشت نہیں کروں گا۔ ممکن ہے میرے بعد یہی نوجوان کسی دن بغداد کا وزیر اعظم بن جائے اور تمہیں اپنی حماقتوں پر پچھتنا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور امیر کا طرف دار بن جائے اور تمہیں اپنی حماقتوں پر پچھتنا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور امیر کا طرف دار بن کر میرے ہبہ وزارت کے اختتام کا باعث ہو۔

## طاہر بن یوسف

چنگیز خان قراقرم کو اپنا مرکز بنایا چکا تھا۔ اس کی مملکت و سیع تھی اور اس کی افواج بے شمار تھیں لیکن عالم اسلام پر حملہ کرتے ہوئے اسے اپنی راہ میں ایک ناقابلٰ تنفس قلعہ دکھانی دیتا تھا۔ یہ چنان جس کی عظمت اہل تاتار کے سیاہ کی لہروں کے لیے حوصلہ شکن تھی۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی عظیم الشان سلطنت تھی جس کی سرحدیں ایک طرف ہندوستان اور بغداد اور دوسری طرف بحیرہ ارال اور خلیج فارس سے ملتی تھیں۔

جب سلطنت بغداد امن کے گھوارے میں سور ہی تھی، مشرق اور مغرب کے حملہ آوروں کے لیے خوارزم اور مصر کی سلطنتیں اسلام کا بازوئے شمشیر زن تھیں۔

چنگیز خان کو سلطنت کی طاقت خوارزم کی طاقت کا صحیح علم نہ تھا، اس لیے اس نے حملہ کرنے سے پہلے خوارزم شاہ کے ساتھ دوستانہ تعلق پیدا کر کے خوارزم کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ان دو سلطنتوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ ہو جس کی بدولت ان کے درمیان تجارتی راستہ کھل گیا۔

خوارزم شاہ کے ساتھ اہل تاتار کے تجارتی تعلقات قائم ہونے کے بعد چنگیز خان کے جاسوسوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں لیکن زیادہ عرصہ نہ گز راتھا کہ خوارزم کی سرحد کے ایک گورنر نے بخارا کے چند تاجریوں کا مال چھین لیا اور انھیں اس الزام میں قتل کر ڈالا کہ وہ چنگیز خان کے جاسوسوں کو خوارزم کے حالات سے باخبر کر رہے ہیں۔ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کے پاس اپنا ایچی بھیج کر گورنر کی اس حرکت پر احتجاج کیا لیکن بخارا کے تاجر خوارزم شاہ کی رعیت تھے اور ان کے ساتھ چنگیز خان کی ہمدردی سے خوارزم شاہ کے یہ شکوک اور زیادہ بڑھ گئے کہ چنگیز خان

خوارزم میں جو کام تاتاریوں سے نہیں لے سئتا۔ اُس کے لیے اس نے بخارا کے تاجریوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ چنانچہ اُس نے برافروختہ ہو کر چنگیز خان کے اپنی کوتل کا حکم دے دیا۔

بعض امراء نے اسے سمجھا نے کی کوشش کی کہ کچھ بھی ہوا پلچی کا قتل جائز نہیں لیکن سلطان علاء الدین محمد شاہ ایک خود مر حکمران تھا، اس نے کسی کا کہانہ مانا۔ اپنی کوتل کر کے اس کے باقی ساتھیوں کی دارالصلیاں جلانے کے بعد انھیں واپس بھیج دیا

چنگیز خان کے لیے یہ تو ہیں ناقابل برداشت تھی۔ وہ ویہ واقعہ سن کر اٹھا اور ایک پیارڈی پر چڑھ کر دری تک سورج کے سامنے سر بجو درہا اور پھر باند آواز میں پکارا۔ نلک لازوال پر دوسورج نہیں اور اس زمین پر دو خاقان نہیں ہوں گے!

چنگیز خان اور خوارزم شاہ میں جنگ ناگزیر ہو چکی تھی لیکن چنگیز خان کو خوارزم کی افواج سے زیادہ اس بات کا خدشہ تھا کہ سورج پر ستون کے خلاف اگر خدا پرست متعدد ہو گئے تو اسے محراجے گوبی کے ویرانوں میں بھی پناہ نہ ملے گی۔

(۲)

ان واقعات سے قبل خوارزم شاہ اور خلینہ ناصر میں ناچاقی ہو چکی تھی۔ خوارزم شاہ نے خلینہ سے مطالبہ کیا تھا کہ سلطنت بغداد کی مساجد میں خلینہ کے ساتھ اس کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جائے لیکن جب یہ مطالبہ نہ مانا گیا تو اس نے اپنی سلطنت سے خلینہ کے نام کا خطبہ منسوخ کر کے بغداد پر چڑھائی کر دی۔ راستے میں غیر متوقع برف باری کوہ براشگون سمجھ کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اگر چہ دونوں سلطنتوں کے اختلافات رفع ہو چکے تھے لیکن خلینہ بغداد کی سرحد پر ایک طاقت ور سلطان کا وجود

اپنے لیے ایک مستقل خطرہ سمجھتا تھا۔

چنگیز خان کو ان اختلافات کا علم تھا لیکن اسے یہ یقین نہ تھا کہ خوارزم پر حملہ کی صورت میں بغداد کی رائے نامہ خلیفہ کو غیر جانبدار رہنے دے گی۔ اسے یہ ڈر تھا کہ اگر خلیفہ نے اپنے اختلافات بھلا کر خوارزم کی حمایت میں اعلان جہاد کر دیا تو افریقہ سے لے کر ہندوستان تک تمام اسلامی ممالک کی افواج اسے کچلنے کے لیے آموجود ہوں گی۔ ان تمام خدشات کے پیش نظر چنگیز خان قراقروم میں وسیع پیانا نے پر جنگی تیاریاں کر رہا تھا۔

خوارزم شاہ کے ساتھ ان بن ہو جانے سے پہلے چنگیز خان کو یہ احساس تھا کہ وہ سلطنت خوارزم کوتہ و بالا کیے بغیر تغیر عالم کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا۔ اگر خوارزم شاہ اسے شکایت کا موقع نہ بھی دیتا تو بھی زیادہ سے زیادہ نہ ہوتا کہ تا تاریوں کے ہاتھوں خوارزم کی تباہی چند برسوں کے لیئے مل جاتی۔ طاقت و رہنمائی کو نظر انداز کرنا یا کمزور رہنے سے پر حرم کرنا چنگیز خان کے مسلک کے خلاف تھا۔

وزیر اعظم کے ساتھ طاہر کی پہلی ملاقات سے چند ہفتے پیشتر خلیفہ ناصر کو خوارزم شاہ کے ہاتھوں چنگیز خان کے اپنی کے قتل ہونے کی خبر مل چکی تھی اور چند دن سے یہ خبر بغداد میں مشہور تھی۔ شکار سے واپس آ کر طاہر نے خوارزم کے سفارت خانے کا رُخ کیا۔

خوارزم کا سنیر عما دالملک جس قدر طاہر کی تنقیح زنی سے متاثر ہوا تھا، اس سے کہیں زیادہ اس کی باتوں سے متاثر ہوا۔ طاہر کے بلند ارادوں سے واقف ہونے کے بعد اس نے کہا۔ کاش! بغداد میں آپ جیسے کئی نوجوان اور ہوتے!

طاہر نے جواب دیا۔ بغداد میں میرے جیسے کئی نوجوان ہیں لیکن مجھے افسوس

ہے کہ آپ حکومت جس طرح خلیفہ سے بدنظر ہے، اسی طرح بغداد کے عوام سے بھی بدنظر ہے اور خلیفہ کے متعلق بھی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ خوارزم پر مصیبت آئی تو اس کے لیے غیر جانب دار رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ کم از کم وزیر اعظم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ قاسم کا باپ ہونے کے باوجود اپنے پہلو میں ایک مسلمان کا دل رکھتا ہے اور وہ خلیفہ کو غلط مشورہ نہیں دے گا۔

عماد الملک نے کہا۔ آپ جیسے خوش فہم انسان کو پانچ سو برس قبل پیدا ہونا چاہتے تھا۔ اب دنیا بہت بدل چکی ہے۔

ظاہر نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ کے متعلق مجھے غلط نہیں ہو لیکن وزیر اعظم کے متعلق میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ خوارزم کے خوارزم کے لیے اس کی نیت بُری نہیں۔

عماد الملک نے اپنے ہونتوں پر ایک خاترات آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔  
اگر میں وزیر اعظم کے متعلق آپ کی غلط نہیں دور کر دوں تو؟

آپ مجھے اپنی اصلاح کے لیے ہر وقت آمادہ پائیں گے اور پھر میری جگہ بغداد کی بجائے خوارزم میں ہوگی۔

آپ وعدہ کرتے ہیں کہ یہ راز آپ تک محدود رہے گا؟  
میں وعدہ کرتا ہوں۔

عماد الملک نے اٹھ کر ایک چھوٹا سا صندوق کھولا اور ایک باریک چیڑے کا نکڑا نکال کر ظاہر کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

خلیفۃ المسلمين خوارزم شاہ کے ہاتھوں خاقانِ تاتار کے ایلچی کے وحشیانہ قتل کو ایک ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہیں۔ اور یہ یقین دلاتے ہیں کہ اگر خاقانِ تاتار اس ظالم بادشاہ کو سزا دینے کا ارادہ کر لے تو عالمِ اسلام سے کوئی آواز اس کی حمایت

میں نہیں اٹھے گی اور عالم اسلام کے روحاں پیشوائی دعا میں ان کے ساتھ ہوں گی۔

مخاصل: وحید الدین وزیر خارجہ

اس عبارت کے نیچے چینی زبان کے چند حروف درج تھے۔ ظاہر نے ان حروف پر انگلی رکھ کر عما الدملک سے پوچھا۔ یہ کیا لکھا ہے؟ عما الدملک نے جواب دیا۔ یہ چنگیز خان کے سنیر کی تصدیق ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ آپ کے خادم خاص نے خلیفہ کو اپنا ہم خیال بنالیا ہے۔ ظاہر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔ آپ کے خیال میں یہ خادم خاص کون ہے۔

عما الدملک نے جواب دیا۔ وحید الدین اور کون؟ ظاہر نے کہا۔ نہیں یہ کوئی اور ہے خلیفہ کا کوئی ایسا معتمد جو بغداد میں چنگیز خان کی جاسوسی کر رہا ہے عما الدملک نے کہا۔ اگر وحید الدین نہیں تو پھر وزیر اعظم ہوگا! نہیں میرے خیال میں وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے علاوہ کوئی اور ہے۔ آپ یہ تحریر پہچانتے ہیں؟ نہیں میں نام پڑھ سنتا ہوں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وزیر خارجہ نے تاتاری سنیر سے اپنے خط کی تصدیق کروانے کی بجائے اس قسم کا پیغام بھجوانے کے لیے کیوں نہ کہہ دیا؟ عما الدملک نے جواب دیا۔ اس کی دو وجہات ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ جب سے جاسوسی کے اذام میں تاج قتل کیے گئے ہیں۔ ہماری حکومت نے چنگیز خان کے ساتھ بغداد کے تاتاری سنیر کے نامہ و پیام کا راستہ بند کر دیا ہے۔ اس نے چند بار

خود قراقرام جانے کے لیے ہماری حدود سے گزرنے کی اجازت مانگی ہے لیکن  
ہماری حکومت نے انکار کر دیا ہے۔ اور اب چنگیز خان کے اپنی کے قتل کے بعد اس  
کے لیے وہاں پیغام بھیجنے یا خود جانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ ہماری سلطنت میں  
سے گزرنے کے علاوہ اس کے لیے صرف دورستہ ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ مغرب کے  
ممالک سے گزرتا ہوا روس کا رخ کرے اور پھر روس کے ان ناقابل عبور علاقوں  
سے گزرے جن کے باشندے حال ہی میں تاتاریوں کی سفا کی دیکھ چکے ہیں۔ وہ  
کسی تاتاری یا ان کے اپنی کو اس کا حسب و نسب پوچھنے بغیر قتل کر دیں گے۔ دوسرا  
راستہ یہ ہے کہ وہ سمندر کے راستے ہندوستان جائے اور وہاں سے قراقرم کا رخ  
کرے۔ اس صورت میں اس کے سامنے وہ بلند پہاڑ حائل ہوں گے جہاں سے  
پرندہ بھی نہیں گزر سکتا۔

ظاہرنے پوچھا۔ یہ ری آپ کے ہاتھ کیسے ہیں؟

عہاد الملک نے جواب دیا۔ خلینہ ناصر کی فراست نے ہمیں چونا رہنا سکھا دیا  
ہے۔ انہوں نے اس مہم کے لیے ایک خوارزمی ترک کی خدمات حاصل کی تھیں اور  
چھڑا اس کے جوتے کے تلے اندر سی دیا گیا تھا لیکن ہماری سرحد کے افسر جاسوسوں کو  
پہچاننے میں بہتر ماہر ہیں۔ سرحد کے گورنر نے اپنی کو قتل کر دیا ہے۔ اور اس خط کی  
نقل سلطان کو اور اصل میرے پاس بھیج دیا ہے۔

خلینہ کو ان واقعات کا علم ہو چکا ہے؟

میں وزیر اعظم سے مل چکا ہوں۔ اسے میں نے یہ نہیں بتایا کہ اصل خط میرے  
پاس پہنچ چکا ہے۔ میں نے اسے صرف ایک نقل پیش کر دی تھی۔

تو وزیر اعظم نے آپ کو کیا جواب دیا؟

انھوں نے بے شمار تسمیں کھائیں۔ وزیر خارجہ کو گالیاں دیں اور مجھے اپنے محل میں بٹھا کر سیدھے خلیفہ کے پاس پہنچے اور واپس آکر مجھے بتایا کہ خلیفہ نے وزیر خارجہ کو بلا یا ہے۔ خلیفہ کا ارادہ ہے کہ اسے محل میں بلا کر گرفتار کر لیا جائے۔ اس کے بعد اسی شام مجھے وزیر اعظم نے دوبارہ اپنے محل میں بلا یا اور کہا کہ وزیر خارجہ روپوش ہے اور اس کی تلاش جاری ہے۔

ابھی تک وہ ملا ہے یا نہیں؟

نہیں

اور اسکے باوجود آپ یہ سمجھتے ہیں کہ خلیفہ اور وزیر اعظم اس سازش میں شریک ہیں؟ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ وزیر خارجہ ایک طرف عالم اسلام اور دوسری طرف خلیفہ اور وزیر اعظم سے غداری کر رہا تھا اور اس کے روپوش ہو جانے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے۔

عماد الملک نے کہا۔ ہو سنتا ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہوا اور دوپہر کے وقت خلیفہ کے اپنی کے اس مطالبے نے کہ آپ فوراً میرے ساتھ چلیں، اسے شک میں ڈال دیا ہو۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خلیفہ کے پاس گیا ہو خلیفہ اور وزیر اعظم نے اپنی بدناگی کے ڈر سے اسے روپوش کر دیا ہو۔ ممکن ہے اس نے اس شربت کا ایک آدھ گھونٹ پی لیا ہو جسے چکھ لینے کے بعد کوئی شخص خلیفہ کے محل کی بھول بھلیوں سے زندہ واپس نہیں نکلتا۔

اگر آپ کا خیال درست ہو کہ اس نے یہ سب کچھ خلیفہ یا وزیر اعظم کے حکم سے کیا ہے تو یہ کیسے ہو سنتا ہے کہ اسے زہر دے کر مرادیا گیا ہو؟ ایسی اہم مہم کی ناکامی کے بعد خلیفہ اسے کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھ سنتا۔

اگر مروانے کی بجائے کہیں چھپا دیا گیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ خلینہ اور وزیر اعظم اس معاٹے کی کھلی تحقیقات سے گھبراتے تھے۔ میری تسلی کے لیے انھیں یقیناً سزا دینی پڑی اور اپنی گردن پر جلا دکی تلوار دیکھ کر اسے خلینہ یا وزیر اعظم کا راز چھپانے میں کوئی مصلحت نظر نہ آتی۔ وہ سب کچھ بتا دیتا۔

طاہر نے کہا۔ آپ تصویر کا صرف ایک رُخ دیکھتے ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ سازش صرف وزیر خارجہ کی تھی اور وہ سزا کے خوف سے چھپ گیا ہے؟ میں اس بات کے امکان سے انکار نہیں کرتا لیکن حالات نے ہمیں ہربات کے تاریک پہلو کو دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

طاہر نے کہا۔ آپ کو مجھ پر اعتماد ہے؟

عماد الملک نے جواب دیا۔ آپ پر اعتماد کرنے کے لیے یہ جاننا ہی کافی ہے کہ آپ ایک بہادر نوجوان ہیں، ایک مجاہد کے بیٹے ہیں جس شخص کے ایمان کی شہادت صلاح الدین ایوبی کی تلوار دے رہی ہو میں اس کے خلوص پر شبہ کرنے کی جرأت نہیں کرستا۔

آپ کو یقین ہے کہ چنگیز خان خوارزم پر حملہ کر دے گا؟  
اگر وزیر خارجہ کا یہ پیغام اس کے پاس پہنچ چکا ہوتا تو وہ شاید اب تک حملہ بھی کر سکتا ہوتا۔

اور اگر وزیر اعظم کی طرف سے اسے یہ پیغام مل جائے کہ حملے کی صورت میں بغداد کا ہر مسلمان خوارزم کے جہنڈے تلنے جمع ہو جائے گا تو؟  
تو مجھے یقین ہے کہ چنگیز خان کو عالم اسلام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں ہوگی۔

اگر میں وزیر اعظم سے ایسا پیغام حاصل کروں تو کیا آپ خوارزم کی حدود عبور کرنے میں میری مدد کریں گے؟

میں وزیر اعظم کے ہر اقدام کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھوں گا لیکن اگر آپ ایسا پیغام حاصل کر سکیں تو مجھے یہ اطمینان ہو گا کہ قراقرم پہنچ کر ایسے پیغام کا منہوم بدل نہیں جائے گا لیکن آپ اس بات کی توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وزیر اعظم ایسا پیغام بھی بھیجیں گے اور آپ کو ایسی بھی بنائیں گے؟

اس سوال نے طاہر کو ایک لمحے کے لیے بدحواس کر دیا۔ اس کے دل میں شک پیدا ہو گیا کہ اگر اس نے یہ بتا دیا کہ وزیر اعظم اسے چنگیز خان کے پاس بھیجنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے تو عmad الملک کے شکوہ بڑھ جائیں گے۔ اس نے جواب دیا۔ میں وزیر اعظم سے یہ مطالبہ کروں گا۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں بغداد کی جامع مسجد میں یہ اعلان کروں گا کہ خلینہ اور وزیر اعظم عالم اسلام کو چنگیز خان کے پاس فروخت کر چکے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ میری یہ آواز بغداد کے ہر بچے اور بوڑھے کی آواز بن جائے گی۔ میں آپ سے خوارزم سے گزرنے کے اجازت نامے کا مطالبہ صرف اس وقت کروں گا جب آپ کو وزیر اعظم کی تحریر دکھالوں گا۔

عماد الملک نے جواب دیا۔ میں وزیر اعظم کی تحریر دیکھئے بغیر بھی آپ کو اجازت نامہ لکھ کر دینے کے لیے تیار ہوں۔

طاہر نے اٹھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ نہیں ابھی نہیں۔ میں وزیر اعظم سے ملاقات کے بعد آپ کے پاس پھراؤں گا!

طاہر، عmad الملک کے مکان سے باہر نکلا تو سڑک پر زید آتا دکھائی دیا۔ زید نے گذا کر کہا۔ میں آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں۔ وزیر اعظم کا ایسی آپ کو بلانے

آیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں آپ کو تلاش کر کے فوراً روانہ کر دوں۔ عجیب احمد آدمی تھا۔  
وہ مجھے کہتا تھا کہ تم تو بالکل بدو معلوم ہوتے ہو اور میں نے جب اسے کشتی لڑنے کی  
دعوت دی تو قہقہہ لگاتا ہوا چل دیا۔

طاہر نے کہا۔ ہر ایک کو کشتی لڑنے کی دعوت نہیں دیا کرتے!

(۳)

پانچ دن کے بعد ایک شام نماز مغرب کے بعد عبدالعزیز اور عبدالمالک طاہر  
کے مکان پر پہنچے۔ طاہر ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ عبدالعزیز نے  
کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔ میرا خیال تھا کہ آپ سفر کا سامان درست کر رہے  
ہوں گے؟

طاہر نے اٹھ کر ان کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد کہا۔ سفر کی تیاری تو میں کل  
سے کر رہا ہوں لیکن آج وزیر اعظم نے خلینہ کا یہ حکم سنادیا کہ پرسوں ماہ رمضان  
شروع ہونے والا ہے۔ مجھے روزوں کے ساتھ سفر میں تکلیف ہو گی۔ اس لیے عبد  
سے اگلے دن مجھے یہاں سے رواز نہ ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ تعجب ہے کہ خلینہ آپ کی تکلیف کا اس قدر احساس رکھتے  
ہیں۔ کیا آپ چنگیز خان کے نام ان کا مکتوب حاصل کر لیا ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ وہ خط وزیر اعظم کے پاس ہے۔ میں اس کا مضمون پڑھ  
چکا ہوں اور اس پر خلینہ کہ مہر دیکھ چکا ہوں۔ وزیر نے عمار الملک کو بھی وہ خط دکھا دیا  
ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ رخصت کے دن مجھے وہ ختم مل جائے گا۔

عبدالمالک نے کہا۔ لیکن آپ کے سفر کے التوا کے لیے ماہ رمضان کا بہانہ  
مجھے تسلی بخش نظر نہیں آتا۔ کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ آپ روزہ رکھ کر بھی سفر کر سکتے

ہیں؟

طاہر نے کہا۔ میں نے تو بہت زور دیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ جو شخص عرب کی  
تپتی ہوئی ہوا اُس میں روزے رکھنے کا عادی ہوا، اسے شمال مشرق کے پیاروں کی  
سرد ہوا میں سفر کرتے ہوئے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اس سفر کی اہمیت  
ایسی ہے کہ مجھے معمولی تکالیف کو نظر انداز کرنا چاہتے۔ لیکن وزیر اعظم نے کہا۔ عید  
کے دن خلیفہ چوگان اور نیزہ بازی کا مقابلہ دیکھیں گے اور ان کی خواہش ہے کہ میں  
بھی اس میں ضرور حصہ لوں!

عبدالمالک نے کہا۔ یہ بہانہ اس سے بھی زیادہ نامعقول ہے۔ عزیز! تم بتاؤ  
جب چنگیز خان کی افواج خوارزم کی شمال مشرقی سرحد پر نقل و حرکت کر رہی ہیں اور  
خلیفہ اسے متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو طاہر کو ایک ماہ اور یہاں روکنے کی وجہ کیا  
ہو سکتی ہے۔

عبدالعزیز نے اپنی کشادہ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ خلیفہ اور وزیر  
اعظم کی مصالحتیں سمجھنا آسان نہیں۔ ہو سنتا ہے کہ رمضان کے آخر تک وہ اپنا ارادہ  
بدل دیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے خلیفہ کی قوت فیصلہ جواب دے چکی ہے اور اتنی بڑی  
چھلانگ لگانے سے پہلے ان کے لیے ایک ماہ یا ایک برس سوچنا کوئی بڑی بات نہیں  
ہاں مجھے ایک بات کا خدشہ ہے۔ طاہر! تمہارے ساتھ اور کون جا رہا ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ میں نے تم دونوں کے متعلق کہا تھا۔ لیکن وزیر اعظم نے  
میرے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ انہوں نے یہ کہا کہ میں اپنے ساتھ تین چار نوکر لے  
جا سکتا ہوں۔

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ ان نوکروں کا انتخاب آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا

جائے گا یا وزیر اعظم اپنی پسند کے آدمی بھیجیں گے؟

طاہر نے جواب دیا۔ یہ خدشہ خوارزم کے سنیر نے بھی طاہر کیا تھا کہ میرا کوئی ساتھی وہاں جا کر خلینہ کی طرف سے کوئی اور پیغام نہ سنا دے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ خلینہ کا خط دیکھنے کے بعد چنگیز خان کسی معمولی آدمی کی بات پر اعتبار کر لے گا۔ اس کے علاوہ احتیاط کے طور پر عماود الملک راستے کی چوکیوں کو مطلع کر دے گا کہ اگر میرے سوا کسی اور کوتلائشی لیے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ میں خود بھی ان کی دیکھ بھال کرتا جاؤں گا۔

عبدالملک نے کہا۔ اگر ان میں سے کسی نے تاتاری سنیر کی کوئی نشانی وہاں جا کر پیش کر دی تو؟

طاہر نے کہا۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں نے یہاں تک انتظام کر لیا ہے کہ مملکت تاتار میں داخل ہونے سے پہلے ان کالباس اور جوتے تک تبدیل کر دیے جائیں۔

عبدالعزیز نے کہا۔ لیکن پھر بھی آپ ہوشیار رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خوارزم کی حدود عبور کرنے کے بعد آپ کسی سرائے میں رات کے وقت سور ہے ہوں اور جب صحیح کے وقت بیدار ہوں تو آپ کے ساتھی خلینہ کے خط سمیت غائب ہو چکے ہوں۔ آپ انھیں تلاش کرتے رہیں اور وہ قراقرم پہنچ چکے ہوں۔

طاہر چھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ بالآخر اس نے کہا۔ آپ فکر نہ کریں۔ انھیں کم از کم یہ احساس ضرور ہو گا کہ وہ میرے بغیر واپس نہیں آ سکیں گے۔

لیکن یہ بھی ہو ستا ہے کہ انھیں قراقرم کی آب وہا بگداد سے زیادہ پسند آجائے۔ اس لیے کم از کم زید کو ضرور ساتھی لیتے جائیں۔

ظاہر نے جواب دیا۔ زید کو میں گھر کی حفاظت کے لیے یہاں تھہرا نا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیے۔ یہاں سے خواہ میرے ساتھ کیسے ہی آدمی کیوں نہ جائیں۔ وہ ایک منزل طے کرنے کے بعد خلیفہ یا وزیر اعظم کی بجائے میرے زیر اثر ہوں گے۔ اگر انعام کی ہوں کسی آدمی کو غدار بناسکتی ہے تو زیادہ انعام کی ہوں اسے راہ راست پر بھی لا سکتی ہے۔

عبدالمالک نے کہا۔ میں موجودہ وزیر خارجہ مہلب بن داؤد کو ایک خطرناک آدمی سمجھتا ہوں۔ دو سال وہ بغداد میں بالکل اجنبی تھا لیکن چند ماہ پہلے یہ حالت ہے کہ دن میں ایک بار خلیفہ سے اس کی ملاقات ضرور ہوتی ہے۔ وحید الدین کے روپوش ہونے سے پہلے وہ اس کا نائب تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وحید الدین سے زیادہ خلیفہ کے ساتھ اس کی ملاقات اتمیں ہوتی تھیں اور بعض ملاقاتوں میں وہ چنگیز خان کے سنیر کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ اس کا کوئی آدمی آپ کے ساتھ نہ جائے۔

ظاہر نے کہا۔ میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مہلب بن داؤد کہاں سے آیا ہے؟

عبدالمالک نے جواب دیا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس بے پناہ دولت ہے اور خلیفہ اور شہزادہ مستنصر کو بیش قیمت تھا اُن پیش کر چکا ہے۔

(۳)

صفیہ علی الصباح گھری نیند سے بیدار ہوئی۔ کمرے کی دھنڈلی روشنی میں ادھر ادھر دیکھ کر اس نے مغموم سی صورت بنا کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آج پھر وہ

ایک سہانا سپنا دیکھ چکی تھی۔ آج پھر اُس نے دلش فضاؤں میں پرواز کی تھی جہاں  
آزاد پرندے محبت کے گیت گاتے تھے۔ اس نے خاموش نگاہوں سے کسی کے  
سامنے التجاویں کی تھیں اور کسی نے ان التجاویں کے جواب میں یہ کہا تھا۔ صفیہ!  
نادان نہ بنو۔ ہماری زندگی کے راستے مختلف ہیں!

صفیہ نے اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ میرے بدوا!  
تم بہت ضدی ہو!

وہ دوبارہ آنکھیں کھول کر اٹھی اور دوسرے کمرے میں جا کر خسوکرنے کے  
بعد نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز کے بعد اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حسب  
معمول آج بھی اس کی دُعا کا آخری فقرہ یہ تھا۔ میرے اللہ! اسے ہر آفت سے  
بچانا!!۔

دُعا ختم کرنے کے بعد صفیہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دریچہ کھول کر  
باہمیں باغ کی طرف جھانکنے لگی۔ پھر میٹھے اور ہلکے سروں میں ایک گیت گاتی ہوئی  
دوسری دیوار کے ساتھ قد آدم آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس کی آواز جو موسم  
بہار کے پرندوں سے کہیں زیادہ شیریں تھی، آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی۔ لیکن تھوڑی  
دری کے بعد آئینے میں ایک اور صورت دیکھ کر وہ اچانک خاموش ہو گئی۔

اس نے جلدی سے پیچھے مرہ کر قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قاسم تم؟  
قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ صفیہ! تم خاموش ہو گئیں؟  
تمہاری آواز---!!

صفیہ نے تلخ لجھ میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میری آواز بہت اچھی  
ہے لیکن تمہیں چوروں کی طرح میرے کمرے میں آنے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔

تشریف لے جاؤ ورنہ سکینہ کو آواز دیتی ہوں!

قاسم نے کہا۔ صفیہ! میں نے کیا خطا کی ہے۔ تمھیں مجھ سے اس قدر نفرت کیوں ہے اور تمہارے یہ غمے اگر میرے لیے نہ تھے کس کے لی تھے؟ صفیہ! مجھے اس قدر نہ ستا۔ تم جانتی ہو میں تمھیں کس قدر چاہتا ہوں۔ میں۔

!

صفیہ نے غصے سے لال پیلی ہوتے ہوئے کہا۔ قاسم جاؤ! ابھی تک تمہارے دماغ پر رات کی شراب کا اثر باقی ہے۔

قاسم نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ صفیہ! تمھیں معلوم ہے کہ میں شراب ترک کر چکا ہوں لیکن اگر میری کوئی عادت بُری بھی ہو تو زندگی کے طویل سفر میں، ہم دونوں ایک کشتی پر سوار ہوں گے۔ اس لیے مجھے اس قدر ناقدانہ نظر وہ سے دیکھنے عادت ترک کر دو۔ ہم دونوں کے لیے بہتر ہوگا۔

صفیہ نے تنک کر جواب دیا۔ قاسم جاؤ! میں تمہاری کشتی میں سوار ہونے کی بجائے دریا کے ہضور میں ڈوب مر نے کو ترجیح دوں گی۔

قاسم نے خفیف سا ہو کر کہا۔ اس قدر سردمہری ٹھیک نہیں۔ مجھ میں ہزار خامیاں ہوں لیکن میں تمہارا ہوں۔ میں تمہاری ایک مسکراہٹ کے لیے موت سے کھیل سَتا ہوں۔ آگ میں کو دسَتا ہوں۔ پیاروں سے نکڑا سَتا ہوں۔ میں تمہارے لیے۔۔۔۔۔!

صفیہ نے کہا۔ ہاں ہاں رُک کیوں گئے؟ کہو میں تمہارے لیے آسمان کے تارے نوج سَتا ہوں۔ سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر موتی نکال سَتا ہوں۔ بڑے بڑے جابر شہنشاہوں کے تاج اُتار سَتا ہوں۔ آندھیوں سے لڑ سَتا ہوں۔

ٹوفانوں سے کھیل ستا ہوں لیکن ایک انسان نہیں بن ستا۔ قاسم تھیں یہ غلط فہمی  
کب سے ہوتی کہ تم ایک شاعر بھی ہو؟

قاسم نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ صفیہ! میرے جذبات کی  
تو ہیں نہ کرو۔ میں شاعر نہیں۔

تمہارے جذبات! وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان کی تو ہیں کی رائے تم اگر یہاں  
ٹھہر نے پر مصروف تو میں جاتی ہوں۔ لیکن میرا پیچھا کیا تو میں سیدھی پیچھا کے پاس  
جاوں گی!

صفیہ یہ کہہ کر قاسم کی طرف غصے اور نفرت سے دیکھتی ہوتی کمرے سے باہر  
نکل گئی۔

محل کے باغ سے چند پھول توڑنے کے بعد صفیہ درختوں کے ایک جھنڈ میں  
پہنچی، شاخوں سے شبنم کے قطرے گر رہے تھے۔ لیکن صفیہ کو ان کا احساس تک نہ تھا  
۔ یہ وہ مقام تھا جہاں طاہر کے ساتھ تھا۔ میں اس کی پہلی ملاقات ہوتی تھی اور جب  
سے طاہر خلینہ کا پیغام لے کر قراقرم کی طرف روانہ ہوا تھا۔ باغ کا یہ گوشہ اس کی توجہ  
کا مرکز بن چکا تھا۔ ان درختوں کے پتے، پھل اور پھول اُسے دوسرے درختوں  
سے مختلف نظر آتے تھے۔

آج قاسم کی ملاقات کے بعد وہ اپنے دل پر ایک بھاری بوجھ لے کر یہاں  
آتی تھی۔ سورج کی ابتدائی کرنیں درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر آرہی تھیں۔  
 صفیہ نے آسمان کی طرف دیکھا اور ابتدائی مغموم آواز میں کہا:-

طاہر! تھیں شاید معلوم بھی نہ ہو کہ میں کون ہوں اور تم میرے لیے کیا بن چکے  
 ۔ ہو۔

## حصہ دوم۔۔۔ خلائقیہ کا اپنی

خوارزم کی حدود عبور کرنے کے بعد طاہر اور اس کے ساتھیوں کو مملکتِ تاتار کی سرحدی چوکی پر کچھ مدت رکنا پڑا۔ چوکی کے افسر نے انھیں ہر ممکن سہولت پہنچانے کی کوشش کی۔ تاہم طاہر یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی ایک خیمے میں نظر بند کر دیے گئے ہیں۔ انھیں آس پاس کی پیاڑیوں پر گھونٹنے کی اجازت نہ تھی۔ طاہر ٹوٹی پھوٹی تاتاری زبان میں کسی پاہی سے کوئی سوال پوچھتا تو اسے کوئی جواب نہ ملتا۔ چونکہ کے افسر کے سوا کسی کوان کے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تاتاری جاسوس ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے تھے۔ طاہر نے چوکی کے افسر کو بارہا یہ سمجھانا کی کوشش کی کہ وہ چنگیز خان کے نام خلینہ بغداد کی طرف سے ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہے لیکن اسے ہر بار بھی جواب ملتا۔ خانِ اعظم کے پاس پیغام بھیج دیا گیا ہے۔ ان کی ہدایات ملتے ہی آپ کو روانہ کر دیا جائے گا۔

قریباً تین ہفتوں کے بعد ایک تاتاری افسر چند سپاہیوں کے ہمراہ اس چوکی پر پہنچا اور اس نے طاہر کی گزشتہ تکالیف پر اظہارِ معدربت کے بعد بتایا کہ۔ خانِ اعظم نے آپ کو شرف باریابی بخشنا ہے۔

چند ہفتے اس افسر کی رہنمائی میں دشوار گزار پیاڑی راستے طے کرنے کے بعد طاہر اور اس کے ساتھی ایک دن کوہ قراقرم کی اس وادی میں داخل ہوئے جس میں حد زگاہ تک چنگیز خان کی افواج کے خیمے دکھائی دیتے تھے اور اس وادی کے چاروں اطراف بلند پیاڑ تھے۔

بغداد سے وزیرِ اعظم نے طاہر کے ساتھ تین آدمی روانہ کیے تھے۔ دو ایرانی تھے جن میں سے ایک کا نام ممال اور دوسرے کا نام ابو الحسن تھا۔ تیسرا کا نام جمیل

تھا اور یہ عراتی تھا۔ یہ تینیوں سفر کے دوران وزیر اعظم کی ہدایات کے مطابق نہایت مستعدی سے طاہر کے احکام کی تعییل کرتے رہے۔ راستے میں کئی بار ان کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ اس لیے طاہر کو یہ اطمینان تھا اگر ان میں سے کوئی خلینہ یا وزیر اعظم کی طرف سے کوئی خفیہ پیغام بھی لے کر آیا ہو تو بھی چنگیز خان کو اپنی صداقت کا یقین دلانے کے لیے وہ کوئی انشائی پیش نہیں کر سکے گا۔

لیکن مملکتِ تاتار میں داخل ہوتے ہی طاہر کو اس بات کی پریشانی ہوتی کہ اس کے ساتھیوں میں سے ابوالحق تاتاری زبان میں کافی دسترس رکھتا تھا اور وہ چنگیز خان کی جائے قیام تک پہنچتے پہنچتے تاتاری افسر سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔ سفر کے دوران اس نے کئی مرتبہ تاتاری افسر اور ابوالحق کو باقی قافلے سے آگے نکل کر یا پہچھے رہ کر نہایت رازدارانہ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ با تینیں کرتے دیکھا تھا۔

خیموں کے اس شہر میں داخل ہونے کے بعد یہاں چنگیز خان اور اس کی افواج تسبیحِ عالم کی تیاریوں میں مصروف تھیں، تاتاری افسر ایک کشادہ خیمے کے سامنے رُکا اور گھوڑے سے اتر کر طاہر سے مخاطب ہوا۔ آپ اس خیمے میں آرام کریں۔ میں خان اعظم کو اطاعت دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے چند پاہیوں کو جو خیمے سے باہر کھڑے ان کی راہ دیکھ رہے تھے، اشارہ کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر طاہر اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کی بارگیں پکڑ لیں اور وہ گھوڑے سے اتر کر ایک اور افسر کی رہنمائی میں خیمے کے اندر داخل ہوئے۔ یہ خیمہ محمل کے پردوں اور ایرانی قالینوں سے سجا ہوا تھا۔

طاہر اور اس کے ساتھیوں نے عصر کی نماز ادا کی۔ دُعا کے بعد طاہر نے ابوالحق

سے سوال کیا۔ تم راستے میں اس تاتاری افسر کے ساتھ کیا باتیں کر رہے تھے؟

ابوالحق نے ایک معنی خیز تبہم کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور جواب دیا، کچھ نہیں، وہ مجھے چنگیز خان اور میں اسے اپنے خلینہ کے متعلق بتا رہا تھا۔

تم تمام راستے مجھ سے یہ بات کیوں چھپاتے رہے کہ تم تاتاری زبان جانتے

ہو؟

اگر آپ مجھ سے پوچھتے تو میں آپ کو بتا دیتا۔

وزیر اعظم کو معلوم تھا کہ تم تاتاری زبان جانتے ہو؟

الحق نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا۔ وزیر اعظم مجھ جیسے معمولی آدمی کے متعلق اس قدر واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت کب محسوس کرتے ہیں؟ آپ کو یہاں کسی کے ساتھ ہم کلام ہونے پر اعتراض ہوتا میں آئینہ نہیں بولوں گا۔

مجھے تمہارے ہم کلام ہونے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر تم سے کوئی بغداد کے متعلق سوال کرے تو سوچ سمجھ کر جواب دینا!

ابوالحق نے جواب دیا مجھے اپنے فرض کا احساس ہے۔

تحوڑی دیر بعد تاتاری افسران کے خیمے میں داخل ہوا اور اس نے طاہر سے کہا

خان اعظم صبح آپ سے ملاقات کریں گے۔ میں نے آپ کے خوردونوش کا انتظام ایک ایرانی ملازم کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ آپ کا مسلمان بھائی ہے۔ اور آپ کو کسی قسم کی تبلیغ نہ ہوگی۔

جس وقت طاہر تاتاری افسر کے ساتھ با تیں کر رہا تھا۔ ابوالحق خیمے سے اٹھ کر باہر نکل گیا اور جب یہ افسر رخصت ہوتا طاہر اٹھا اور خیمے کے دروازے میں کھڑا

ہو کر باہر جھانکنے لگا۔ ابوالحق چند قدم کے فاصلے پر تاتاری افسر سے بتیں کر رہا تھا۔  
شام کے وقت طاہر کے تینوں ساتھی وادی میں چکر لگانے کے بہانے باہر نکل  
گئے اور اس وقت واپس آئے جب وہ عشاہ کی نماز پڑھ کر سونے کا ارادہ کر رہا تھا۔  
طاہر نے انھیں سخت سست کہا تو ابوالحق بولا۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔  
آنندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ یہ تاتاری لوگ بڑے ڈشٹی ہیں۔ ہم سیر کے لیے نکلے  
تھے ایک خیمے کے پاس ہمیں چند پاہیوں نے گھیر لیا اور زبردستی ہم تینوں کے سر موٹڈ  
کر ہماری کھوپڑیوں پر سیاہی مل دی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں تھے۔  
یہ کہتے ہوئے ابوالحق نے اپنا عمامہ اتار دیا اور کہا۔ دیکھیے۔ انہوں نے ہماری کیا  
گلت بنائی ہے۔

ابوالحق اور اس کے ساتھیوں کے سرواقعی منڈے ہوئے تھے اور بالوں کی جگہ  
ان پر سیاہ روغن چمک رہا تھا۔  
طاہر نے کہا۔ عجب حق ہیں یہ لوگ۔ میں چنگیز خان کے سامنے اس بدسلوکی  
پر احتجاج کروں گا!

ابوالحق نے کہا یہاں سرموٹڈ نائنی بات نہیں۔ ایک افسر کہہ رہا تھا کہ مہمان کا  
سرموٹڈ نا بھی یہاں مہمان نوازی میں داخل ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنے  
خنجروں کی تیزی کی آزمائش کے لیے ہمارے سروں کے بال ہی منتخب کیے ہوئے ایک  
تاتاری کے ہاتھ کو اپنی شاہرگ سے اس قدر قریب دیکھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

(۲)

اگلی صبح چنگیز خان کے ایلچی کے ساتھ شاہی ایوان کی طرف چل دیا۔۔۔ شاہی  
ایوان اس وادی کے ایک سرے پر چند خوبصورت خیموں پر مشتمل تھا۔ پیاڑی کے

اوپر جانے والی سڑک کے نچلے سرے پر دائیں اور بائیں انسانی کھوپڑیوں سے دو بلند مینار تعمیر کیے گئے تھے اور سڑک کے دونوں کناروں پر نیچے سے اوپر تک کھوپڑیوں کی قطاریں بنائی گئی تھیں۔ طاہر کے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے تاتاری افسر نے کہا۔ یہ صرف بڑے بڑے سرداروں کی کھوپڑیاں ہیں۔ انھیں ان کی حشیثت کے مطابق جگہ دی گئی ہے۔ نچلے طبقے کے لوگوں کی کھوپڑیاں یہاں نہیں لائی گئیں۔ اوپر خان عظیم کے خیمے کے سامنے آپ ان حکمرانوں اور فوجی رہنماؤں کی کھوپڑیوں کا انبار دیکھیں گے جنہوں نے ہماری عظمت کے سامنے سر بخود ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اونچے گھر انوں کی حسین بیگمات جنہوں نے خان عظیم اور شہزادوں کی خدمت سے انکار کر دیا تھا ان کی کھوپڑیوں سے ایک چھوٹا سا مینار ملکہ تاتار کے خیمے کے سامنے تعمیر کیا گیا ہے۔

پیاری پر چڑھتے ہوئے کہا۔ وہ دیکھیے اس پیاری پر خان عظیم کا عالیشان محل تعمیر ہو رہا ہے۔ ان پیاروں میں اعلیٰ قسم کے پتھر نایاب ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بغداد، بخارا اور سمرقند کی عمارتوں میں بہترین قسم کے سرخ اور سفید پتھر لگائے گئے ہیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ لیکن وہ پتھر خوب صورت ہونے علاوہ سخت بھی ہیں۔ آپ کے خان عظیم انسانی کھوپڑیوں کا محل تعمیر کیوں نہیں کرتے؟ اگر انسانی کھوپڑیاں انیوں کا کام دے سکتیں تو ہمارے لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔ شمال مغرب اور شمال مشرق کے شہروں میں کھوپڑیوں کے کئی انبار بے کار پڑے ہوئے ہیں۔

پیاری کی چوٹی پر ایک کشادہ اور ہموار میدان میں بیش قیمت قالین بچھے

ہوئے تھے اور اس میدان کے تین اطراف خیموں کی قطاریں تھیں۔ جا بجا پہرے دارِ نگاہ تواریں لیے کھڑے تھے۔ اپنی درمیان کے ایک خیمے کے سامنے رُکا اور طاہر کو باہر ٹھہرا کر اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس طاہر کو اندر لے گیا۔

دو کشادہ کمروں میں گزرنے کے بعد طاہر تیسرے اور نسبتاً چھوٹے کرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے ایک طرف کوئی چار بالشت اونچا چبوترہ تھا جس پر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا۔ چبوترے کے نیچے ایک قطار میں چند تاج رکھتے تھے۔

کمرے میں ایک عمر سیدہ شخص جو اپنے جبہ دوستار سے ایک مسلمان عالم معلوم ہوتا تھا۔ کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر طاہر کی طرف مصیاف کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا۔ میں خاقان تاتار کی مملکت میں اپنے ایک مسلمان بھائی کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

طاہر نے اس کے ساتھ مصحافہ کرتے ہوئے اپنے جسم میں ایک کپکی سی محسوس کی اور قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟

میں خاقان تاتار جو ہر شناس بھی ہیں اور فیاض بھی۔ میں یہاں تاجر ووں کے ایک قافلے کے ساتھ آیا تھا۔ خاقان اعظم کو ایک مترجم کی ضرورت تھی۔ انہوں نے مجھے چند ماہ کے لیے اپنے ٹھہرالیا لیکن اس کے بعد ان کی اقدار افزائی نے مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ خاقان اعظم تشریف لانے والے ہیں، میں آپ کو چند باتیں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ زیادہ خوشامد پسند نہیں کرتے لیکن بے تکلفی اور گستاخی کو قطعاً قابل معافی نہیں سمجھتے۔ اگر آپ تاتاری زبان میں بات کریں گے تو وہ آپ سے بہت خوش ہوں گے، اگر آپ تاتاری زبان میں بات کرنا نہ جانتے ہوں تو انہیں چینی زبان بھی پسند ہے۔ ان دونوں زبانوں کے بعد خاقان اعظم

فارسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اس زبان کے چند الفاظ سیکھ چکے ہیں لیکن عربی زبان سے انھیں وحشت ہوتی ہے۔

طاہر نے جواب دیا مشورے کا شکر یہ۔ لیکن میں تاتاری اور چینی زبان سے ناواقف ہوں۔ فارسی جانتا ہوں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آپ کی ترجمانی کے باوجود اپنی فرات سے کام لے کر میرا مطلب سمجھنے میں غلطی نہ کریں۔ اگر آپ کو عربی زبان کا ترجمہ کرنے میں وقت محسوس ہوتی ہو تو اور بات ہے ورنہ میں اظہار مدد عما کے لیے عربی زبان کو زیادہ موزوں سمجھتا ہوں اور اگر وہ ترکی اچھی طرح سمجھتے ہیں تو میں وہ بھی جانتا ہوں۔

کہیں یہ غصب نہ کر بیٹھنا۔ جب سے خوارزم شاہ نے خان موصوف کے ایلچی کو قتل کیا ہے۔ انھیں ترکی سے سخت انفرت ہو گئی ہے اور دوران گفتگو میں یہ خیال رکھیے کہ آپ کی آواز خاقان اعظم کی آواز سے زیادہ باند نہ ہو۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ خاقان اعظم نے آپ کو تخلنے میں مشرف ملاقات بخشنا ہے۔ تخلیے میں ان کا دست مبارک دربار کی نسبت زیادہ فیاض ہوتا ہے۔

طاہر نے کہا میں آپ کے نیک مشوروں کا پھر ایک بار شکر یہ ادا کرتا ہوں لیکن آپ میرے متعلق غلط فہمی میں بتانا نہ ہوں۔ میں بیہاں پیٹ کی خاطر نہیں آیا۔

(۳)

مترجم اپنی خفت مثانے کے لیے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن چبورترے کے عقب سے دروازے کا پردہ اٹھا اور اس نے طاہر کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا خان اعظم تشریف لارہے ہیں۔

ایک لمحے بعد طاہر چبورترے پر اس جابر و قاہر انسان کو دیکھ رہا تھا جس کی

وہشت اور بربرت کے افسانے مشرق و مغرب میں مشہور ہو چکے تھے۔ مترجم دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر رکوع کی حالت میں کھڑا تھا۔ چنگیز خان نے ایک نگاہ غلط انداز سے طاہر کی طرف دیکھا اور چبوترے پر بیٹھ گیا۔ مترجم بھی سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں اس بات پر اظہار ملال کر رہی تھیں کہ طاہر نے اس کی تقلید نہیں کی۔ طاہر بدستور چنگیز خان کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ ایک ایسی گستاخی تھی جسے بھرے دربار میں شاید تاتاری سردار برداشت نہ کرتے اور تنگیے میں مترجم برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ آخر کار اس نے آہستی سے کہہ ہی دیا نگاہیں پیچی رکھو! لیکن طاہر پر اس تنیبہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد خلینہ بغداد کے ایچی اور تاتاریوں کے شہنشاہ کی گنگلوکی ابتداء یوں ہوئی۔

مترجم: چنگیز خان سے مخاطب ہو کر۔ خلینہ بغداد کا ایچی خاقان اعظم شہنشاہ تاتار کو جن کی شفقت کا ہاتھ دوستوں کے لیے باعث رحمت ہے اور جنکی تواریخ من کے سر پر صاعقه بن کر کوندتی ہے نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلام عرض کرتا ہے۔

چنگیز خان: ہم بغداد کے ایچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اسے اطمینان دلایا جائے کہ یہاں اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔

مترجم: طاہر سے مخاطب ہو کر عربی زبانی میں شہنشاہ والا تبار آپ کی آمد پر اظہار مسرت فرماتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں آپ کی گھبراہٹ بلاجہے ہے۔ آپ کو الاف خسروانہ سے مالا مال کر کے واپس بھیجا جائیگا۔

طاہر: میں انعامات کی تمنا لے کر یہاں نہیں آیا۔ اگر شاہ تاتار اس قدر میربان ہیں تو مجھے خلینہ کا خط پیش کرنے کے بعد سلام کی تبلیغ کا موقع دیں۔ یہ میرے لیے

سب سے بڑا انعام ہوگا۔

مترجم: خلینہ کا قاصد خاقان تاتار کی نظر عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہے اور خلینہ بگدا دکا خط پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

چنگیز خان: اجازت ہے۔

مترجم: خاقان عظیم کا حکم دیتے ہیں کہ خلینہ کا مکتوب پیش کیا جائے۔ طاہر نے آگے بڑھ کر حریر میں لپٹا ہوا مکتوب پیش کیا۔ چنگیز خان نے اسے کھو�ا اور مترجم کو دیتے ہوئے پڑھ کر سنانے کا حکم دیا۔ عربی زبان میں خط کا مختصر منہجوم یہ تھا۔

”تاتاریوں کے باڈشاہ چنگیز خان کو واضح ہو کہ ہم پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کی عزت و آبرو اور آزادی کا فرض عائد ہوتا ہے۔ شاہ خوارزم کے ساتھ ہمارے چند اختلافات ہیں لیکن عالم اسلام پر کسی بیرونی خطرے کی مدافعت کے لیے ہم نہ صرف خوارزم شاہ کی حمایت کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے بلکہ اس کے جھنڈے تلمیزوں سپاہیوں کی حیثیت سے اڑنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھیں گے۔ اگر یہ درست ہے کہ شاہ تاتار خوارزم کی سرحد پر افواج جمع کر رہا ہے تو ہم اسے متنبہ کرتے ہیں کہ خوارزم کے خلاف اس اعلان جنگ عالم اسلام کے خلاف اعلان جنگ سمجھا جائے گا۔ اس خط کے جواب میں ہم شاہ تاتار کا یہ اعلان سندا چاہتے ہیں کہ ان کی افواج خوارزم پر حملہ نہیں کرے گی۔“

منجانب:

خليفة المسلمين ابوالعباس احمد الناصر الدین اللہ

مترجم نے کسی خاص روبدل کے بغیر اس خط کا تاتاری زبان میں ترجمہ کر دیا

طاہر حیران تھا کہ چنگیز خان کی پیشانی پر ایم معمولی شکن تک نمودار نہیں ہوئی۔  
وہ نہایت اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھا ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ طاہر کی طرف  
دیکھ رہا تھا۔

اس کی نگاہیں بتاری تھیں کہ اس نے اس خط کو ایک دل چسپ مذاق سے  
زیادہ حیثیت نہیں دی۔

چنگیز خان اپنے خلیفہ کو ہماری طرف سے پیغام دو کہ تمیں عالم اسلام سے کوئی  
دوشمنی نہیں۔ خوارزم شاہ نے ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے، اس کے باوجود ہم  
اس پر چڑھائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔

مترجم: آپ خلیفہ کے پاس خاقان تاتار کا یہ پیغام لے جائیں کہ آپ کی  
سفارش پر خاقان اعظم خوارزم شاہ کی خطائیں معاف کرتے ہیں اور عالم اسلام پر  
چڑھائی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

طاہر: میں یہ پیغام خلیفہ کے پاس لے جاؤں گا۔ اس کے علاوہ میں یہ بتانا  
ضروری سمجھتا ہوں کہ خلیفہ کا مکتوب بعداد کے عوام کے جذبات کی ترجمانی ہے۔  
آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کے دل میں اپنی فوجی قوت کا مظاہرہ کرنے کا ارادہ  
تام طور پر ہر وعدے اور ہر معاہدے پر غالب آ جاتا ہے لیکن اگر آپ نے اس  
 وعدے کی خلاف ورزی کی اور خوارزم پر حملہ کر دیا تو سارا بعداد اور اس کے ساتھ

مشرق و مغرب کی دوسری اسلامی سلطنتیں آپ کے خلاف حمرا کی آندھیوں کی طرح  
انٹھ کھڑی ہوں گی۔

مترجم: خلینہ کا ایچی نہایت ادب و احترام کے ساتھ خان اعظم کی خدمت  
میں یہ عرض کرتا ہے کہ حضور کا پیغام خلینہ کے گوش گز ارکر دیا جائے گا۔ آپ کا یہ وعدہ  
اسلامی دنیا کو مضمون کرنے کے لیے کافی ہے لیکن اگر آپ نے خوارزم پر حملہ کر دیا تو  
بغداد اور دوسری اسلامی سلطنتوں کے عوام اپنی حکومتوں کو خوارزم کا ساتھ دینے پر مجبور  
کریں گے اور ان سب کوتا تاری افواج کے بیل روائی کے سامنے المناک تباہی کا  
سامنا کرنا پڑے گا۔

چنگیز خان: ہم کسی کو دوست کہنے کے بعد اس کی طرف سے بد اعتمادی پسند  
نہیں کرتے۔

مترجم: (ظاہر کی طرف گھورتے ہوئے) خان اعظم اس اظہار بد اعتمادی پر  
بہت خفا ہوئے ہیں۔ اس لیے براہ کرم خاموش رہو!

ظاہر: بہت اچھا۔ اب میں خان اعظم کے سامنے تبلیغ کی اجازت چاہتا ہوں!

مترجم (بذذب ساہو کر) خلینہ کا ایچی اہل تاتار کے مذہبی عقائد سے بہت  
متاثر ہوا ہے اور اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ اسے اسلام کے متعلق کچھ کہنے کی  
اجازت دی جائے۔

چنگیز خان: اسے ہماری طرف سے یقین دلایا جائے کہ ہم وفادار مسلمانوں  
سے نفرت نہیں کرتے۔

مترجم: (ظاہر سے مخاطب ہو کر) خان اعظم بہت مصروف ہیں اور آپ کو  
رخصت کی اجازت دیتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ وفادار مسلمانوں سے انھیں

کوئی پرخاش نہیں۔

طاہر نے پریشان ہو کر مترجم کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر وہ اس وقت مصروف ہیں تو مجھے کسی اور وقت تبلیغ کا موقع دیا جائے۔

چنگیز خان نے پوچھا۔ خلینہ کا اپنی کیا کہتا ہے۔

مترجم نے کہا۔ یہ حضور کا شکریہ ادا کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ اگر حضور کسی بات پر خفا ہو گئے ہوں تو اسے معاف کیا جائے۔

چنگیز خان نے کہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری مصروفیات ہمیں زیادہ دیر بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتی ورنہ خلینہ کا اپنی کافی دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ پوچھا جائے کہ وہ کب رو انہ ہونا چاہتا ہے؟

مترجم نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ خان موصوف فرماتے ہیں کہ ہم بہت مصروف ہیں اس لیے دوبارہ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ سر دیاں شروع ہونے والی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ تم فوراً بغداد روانہ ہو جاؤ۔ یہاں بہت سے مسلمان علماء ایسے ہیں جو ہمیں اسلام کے متعلق بتاتے رہتے ہیں۔

چنگیز خان عقب کے کمرے میں چلا گیا۔

(۳)

خیسے سے باہر چنگیز خان کے لڑکے اور چند تاتاری سردار ایک قالین پر دھوپ میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نوجوان کے استفسار پر مترجم نے طاہر کو ان کے ساتھ متعارف کرایا۔ انہوں نے طاہر کو اپنے پاس بٹھایا اور بغداد کے متعلق سوالات شروع کر دیے۔ طاہر نے بعض سوالات کا جواب لیکن جب اس سے بغداد کی فوج کی تعداد اور قاعوں کی مضبوطی کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا

میں ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔

چنگیز خان کے ایک بیٹے نے کہا۔ آپ کو شاید غلط نہیں ہوتی ہے۔ ہم نے یہ سوالات کسی بُرے ارادے سے نہیں پوچھے۔ بغداد کے ساتھ ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں اور ہم اپنے دوستوں کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ میں آپ کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ باہر کی دنیا کے متعلق ہماری معلومات اس قدر ناقص نہیں یہ دیکھیں!

چنگیز خان کے بیٹے نے اپنی جیب سے رومال نکال کر طاہر کے سامنے رکھ دیا اور کہا۔ شاید آپ نے بغداد کا اس سے زیادہ مکمل نقشہ پہاڑی کبھی نہ دیکھا ہو۔ رومال پر بنا ہوا نقشہ اس قدر مکمل تھا کہ طاہر کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک تاتاری سردار نے طاہر کی طرف معنی خیز تسمیم کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا: اب آپ ہمارے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کر سکتے ہیں۔

طاہر ابھی تک نقشہ دیکھ رہا تھا کہ ایک خادم نے آکر تاتاری زبان میں کچھ کہا اور یہ لوگ اٹھ کر خیمے کی طرف چل دیے۔ طاہر جب یہ رومال واپس دینے لگا تو چنگیز خان کے بیٹے نے کہا۔ اگر آپ کو یہ نقشہ پسند ہو تو آپ اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں میرے پاس اور نقشے موجود ہیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ نہیں۔ بغداد کا نقشہ میرے دل پر لکھا ہوا ہے۔ جب یہ لوگ ایک خیمے کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ مترجم نے طاہر سے کہا: آپ بھی غصب کرتے ہیں۔ بھلا اس شخص کے دل میں انسانی کھوپڑیوں کے محل تعمیر کرتا ہے، اسلام کے لیے کیا جگہ ہو سکتی ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ مجھے اس کی اعتنائی کا افسوس نہیں لیکن اس بات افسوس

ضرور ہے کہ مجھے اپنا فرض پورا کرنے کا موقع نہیں ملا۔

مترجم نے کہا۔ آپ کو میرا شکرگزار ہونا چاہیے کہ میں نے خان اعظم پر آپ کے بہت سے الفاظ کی تلخی ظاہر نہیں ہونے دی۔

ظاہر نے چونک کر کہا آپ کا مطلب ہے کہ آپ میری باتوں کا مفہوم بدلنے کی کوشش کرتے رہے ہیں؟

مترجم نے ایک منافقانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ نہیں میں نے آپ کے بعض خیالات کی ترجمانی ذرا مہذب طریقے سے کر دی تھی۔

ظاہر نے پوچھا مہذب طریقے سے آپ کی مراد فدویانہ طریقہ ہے؟

مترجم نے جواب دیا۔ مہذب طریقے سے میری مراد وہ طریقہ ہے جس کی بدولت آج ہمیں دھنکے دے کر دربار سے نہیں نکالا گیا۔ آپ کے ساتھ تو شاید رعایت بر تی جاتی، مجھ پر غصہ ضرور نکالا جاتا۔

ظاہر نے کہا۔ جب میں یہ کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کی ایک سلطنت پر حملہ کی صورت میں تاتاریوں کے خلاف ساری دنیا کے مسلمان متعدد ہو جائیں گے تو چینگیز خان کی مسکراہٹ یہ ثابت کرتی تھی کہ اسے یا تو اپنی فوجی قوت پر بہت ناز ہے اور یا وہ میرے الفاظ کو ایک کھوکھلی دھمکی سمجھتا ہے؟

مترجم نے کہا۔ خان اعظم موت کے دروازے پر کھڑا ہو کر بھی مسکرانے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جانتا ہے کہ اقوام کی قسمت کا فیصلہ الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ہوتا ہے۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو بغداد واپس پہنچ کرتا تاریوں کی فوجی قیادت کے متعلق خلینہ کی غلط نہیں دور کرنا اپنا فرض سمجھتا۔ آپ نے ابھی تک کچھ دیکھا نہیں میرے ساتھ آئئے!

ظاہر مترجم کے ساتھ پیاری کے گرد چکر لگاتا ہوا دوسری طرف پہنچا۔ اس طرف بھی پیاری کے نیچے ایک وسیع وادی میں چھوٹے چھوٹے بے شمار خیمے نصب تھے۔ مترجم نے ایک جگہ رُک کر ان خیموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ نہیں جانتے کہ پیاری کا یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوتا ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس قسم کی کتنی اور وادیوں میں تا تاریوں کی مذہبی دل بکھری ہوتی ہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ افواج خوارزم پر حملہ کریں گی یا نہیں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر خان عظیم نے خوارزم شاہ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا ارادہ نہیں بدل سکے گی۔ اور خوارزم شاہ کی حمایت کے لیے اگر تمام اسلامی سلطنتوں کی افواج بھی میدان میں آگئیں تو بھی تا تاریوں کا سیاہ انھیں خس و خاشاک کی طرح بیالے جائے گا۔ وہ پیاری مذہبی کے سیاہ کے سامنے ریب کا ایک ڈھیر ثابت ہوں گے۔ اس لیے آپ کو بغداد کے ساتھ ہمدردی ہے تو خلینہ کو ایسے شخص کے ساتھ بگاڑنے کا مشورہ نہ دیں جو اپنے دشمنوں پر خدا کا قبر بن کر نازل ہو تو ہے۔

ظاہر نے برہم ہو کر جواب دیا۔ آپ ضرورت سے زیادہ چنگیز خان کا حق نمک ادار کر رہے ہیں۔ مجھے ان سب طریقوں کا علم ہے جو چنگیز خان اپنے حریفوں کو مرعوب کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ امتحار کی وجہ سے عالم اسلام بہت کمزور ہو چکا ہے۔ لیکن اس کمزوری کے باوجود ہم برسوں مغرب کے نصرانیوں کی مذہبی دل افواج کو پے دے پے شکستیں دے چکے ہیں۔ اور چنگیز خان کی افواج ان سے زیادہ نہیں اور نہ خوارزم اور بغداد کی فوجیں مصر اور شام کی افواج سے کم ہوں گی۔ مغرب کی مذہبی دل افواج کے مقابلے کے لیے ہم شام، فلسطین اور مصر کے کسی میدان میں پچاس ہزار سے زیادہ افواج لا سکے لیکن تا تاریوں کے

مقابلے کے لیے بغداد سے تین لاکھ اور خوارزم سے چار لاکھ انواع میدان میں لاسکتے ہیں۔ اگر آپ نے مجھے خلیفہ کا خیرخواہ سمجھ کر اسے تاتاریوں کی طاقت سے مرعوب ہونے کا مشورہ دیا ہے تو میں آپ کو چنگیز خان کاوفادر سمجھ کر مشورہ دیتا ہوں کہ عالم اسلام کی قوتِ مدافعت کے متعلق اس کی غلطی نہیں دور کریں!

مترجم نے جواب دیا۔ چنگیز خان احساسِ کمتری میں بتا ہو جانے والے انسانوں میں سے نہیں لیکن خلیفہ بغداد اپنے احساسِ کمتری کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ خلیفہ کو نہ صرف احساس ہے کہ خوارزم شاہ خان اعظم کے حملہ کی تاب نہ لاسکے گا بلکہ اسے یہ بھی یقین ہے کہ خلیفہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔۔۔ اگر خوارزم اور بغداد کی فوجی قوت پر اعتماد ہوتا تو وہ چنگیز خان کو آپ کی وساطت سے یہ درخواست نہ بھیجتا کہ خوارزم پر حملہ نہ کرو۔ ایک طاقت و رسان اپنے حریف سے کبھی یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر حملہ نہ کرو ورنہ اس کے نتائج برے ہوں گے۔ اسے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ وقت آنے پر ایسٹ کا جواب پھر سے دے سکے گا۔

طاہر نے کہا۔ اس پیغام سے خلیفہ کا یہ مقصد تھا کہ خوارزم شاہ اور بغداد کے عوام کی یہ غلطی نہیں دور کی جائے کہ دولت عرب ایسیدہ در پرده خوارزم شاہ کے خلاف تاتاریوں سے سازباڑ کر رہی ہے۔

مترجم نے پھر ایک بار منافقاتہ مسکراہٹ سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خوارزم شاہ کے متعلق تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی غلطی نہیں دور ہو گی یا نہیں لیکن آپ نے خان اعظم کی ایک غلطی نہیں دور کر دی ہے۔ چیزیں میں آپ کو آپ کے خیے میں چھوڑ آؤں۔

طاہر نے جلدی سے سوال کیا۔ پہلے یہ بتائیئے کہ وہ غلطی نہیں کیا تھی جسے میں نے

مترجم نے کہا۔ آپ کو آنے والے حالات اس سوال کا جواب دیں گے۔  
نہیں نہیں۔ آپ کو بتانا پڑے گا۔

نہیں آپ کہہ چکے ہیں کہ میں چنگیز خان کا وفادار ہوں اور میری وفاداری کا  
تفاضل ہے کہ میں ایسی باتیں ظاہرنہ کروں۔ اپنی نے یہاں تک کہہ کر ادھر ادھر دیکھا  
اور آہستہ سے کہا۔ آپ کی بعض باتیں میرے لیے ناقابل برداشت تھیں لیکن نہ  
معلوم میں اپنے دل میں آپ کے لیے ہمدردی کیوں محسوس کرتا ہوں۔ آپ کو  
میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ آپ یہاں کسی اور کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ  
کریں اور جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اب مجھ سے کوئی سوال  
نہ پوچھیے!

## ایک انکشاف

واپسی پر مملکت تاتار کی حدود عبور کرنے کے بعد طاہر اور اس کے ساتھی خوارزم کی سرحد پر ایک چھوٹے سے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر فو قند کے جنوب مشرق میں کوئی سویل کے ناحلے پر خوش حال کاشت کاروں اور تاجروں سے آباد تھا۔ آس پاس کی سرحدی چوکیوں کی حفاظت کے لیے اس شہر میں قریباً پانچ ہزار پاہی رہتے تھے۔

بغداد سے قراقرم جاتے ہوئے بھی طاہر اس شہر سے گزر اتھا اور شہر کے عامل کے علاوہ شہر کے چند معززین کو اس کے ساتھ گھری عقیدت ہو چکی تھی۔ شہر کے عامل نے پہلے کی طرح اب کی بار بھی اسے اپنے گھر پر ٹھہرایا۔ شہر کے باشندے تاتاریوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ طاہر کی آمد کی خبر سننے ہی شہر کے چند سرکردہ فوجی افسروں اور تاجروں کے مکان پر آموجود ہوئے۔

طاہر نے ان کے سامنے مختصر حالات بیان کیے اور انھیں تسلی دی کہ خلینہ کے پیغام کے باوجود اگر تاتاریوں نے سلطنت خوارزم پر حملہ کیا تو بغداد ادا پنے تمام ذرائع سے خوارزم کی مدد کرے گا۔

ایک تاجر نے سوال کیا۔ کیا آپ کو چنگیز خان کے وعدے پر یقین ہے؟ طاہر نے جواب دیا نہیں اور یہی وجہ ہے کہ میں اہل بغداد کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے بہت جلد وہاں پہنچا چاہتا ہوں۔

گورنر نے سوال کیا۔ اگر آپ بُرانہ مانیں تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

کہیے!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت خلینہ ہمارے لیے نیک دناؤں

سے زیادہ کچھ نہ کریں گے۔ ہمارے لیے ان کی طرف سے یہ بھی ایک بہت بڑی مدد ہو گی لیکن چند لوگ ایسے بھی ہیں جو شک کرتے ہیں کہ خلینہ نے چنگیز خان کے نام تازہ پیغام اس لیے بھیجا ہے کہ ان کا ایک خط جس میں انہوں نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی، پکڑا جا چکا ہے۔ خلینہ کو یہ ڈر پیدا ہوا ہے کہ اس خط کی خبر مشہور ہوتے ہی نہ صرف عالم اسلام میں ان کی رہی سہی عزت ختم ہو جائے گی بلکہ بغداد کے عوام میں بھی بے چینی پھیل جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف بغداد میں خوارزم کے سنیر اور دوسری طرف آپ جیسے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے آپ کو دوسری پیغام دے کر روانہ کر دیا اور اب شاید وہ موقع پا کر چنگیز خان کو یہ پیغام بھیجنے کی کوشش کریں گے کہ میں نے حالات سے مجبور ہو کر دھمکی دی تھی۔ تم میری طرف سے مطمئن رہو۔

ظاہر نے جواب دیا۔ خلینہ کے خلاف ایسے شہادات کا اظہار آپ کو زیب نہیں دیتا۔ تا ہم اگر خدا نخواستہ آپ کے خدشات صحیح بھی ہوں تو بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حالات خلینہ کو اپنی بات پر قائم رہنے پر مجبور کر دیں گے۔ میں قراقرم میں انسانی کھوپڑیوں کے انبار دیکھ چکا ہوں۔ اب بغداد کی مساجد میں کھڑے ہو کر میرے لیے لوگوں کو یہ بتانا مشکل نہیں ہو گا کہ تاری انسانیت کے کس قدر دشمن ہیں اور اگر خوارزم پر کوئی سیااب آیا تو اس کی لمبیں لمبیں دور نہیں ہوں گی اور اگر مجھے خلینہ یا وزیر اعظم میں سے کسی کی نیت پر شبہ ہوا تو بغداد کی جامع مسجد میں لوگ میری زبان سے یہ اعلان سنیں گے کہ تمہارے محافظ چنگیز خان کے ساتھ تمہاری عزت و ناموس کا سودا کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہاں تک نوبت نہیں آئے گی۔ خلینہ کو اگر خوارزم کے ساتھ ہمدردی نہ بھی ہو تو بھی بغداد کو بچانے کے

لیے وہ یقیناً خوارزم شاہ کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہو گا۔

اگلے دن طاہر روانہ ہونا چاہتا تھا لیکن عامل شہر نے کہا۔ آج جمعہ ہے۔ شہر کے لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھائیں۔ اس لیے آج ضرور شہر جائیں۔ اتنی دیر میں راستے کی چوکیوں کو آپ کے سفر کے لیے گھوڑے تیار رکھنے کی اطاعت عمل جائے گی۔

گورنر کے اصرار پر طاہر نے ایک دن شہر پر منظور کر لیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد گورنر نے طاہر کے ساتھ نہایت گرجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ کی زبان میں جادو ہے۔ کاش بخارا اور سمر قند کی مساجد کے خطیب آج یہاں موجود ہوتے؟ عوام اپنی عقیدت کا ثبوت دینے کے لیے طاہر کو گورنر کے محل تک چھوڑنے کے لیے جلوس کی شکل میں اس کے ساتھ ہو لیے۔

(۲)

اسی روز طاہر عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے گورنر کے مکان کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اسے شہر کا کوتوال ملا اور اس نے کہا۔ میں گورنر کے مکان سے آپ کو تلاش کر کے آرہا ہوں۔

طاہر نے کہا خیر تو ہے؟

کوتوال نے کہا۔ کوئی خاص بات نہیں۔ اگر تکلیف نہ تو آپ میرے ساتھ چلیں۔ مصافحہ کیا اور کوتوال کے ساتھ ہو لیا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس نے سوال کیا۔ کیا کوئی بات ایسی ہے جو آپ مجھے یہاں نہیں بتاسکتے؟

میں نے لوگوں کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ کہتے ہوئے کوتوال نے اپنی جیب سے ریشمی کپڑے کی چھوٹی سی تھیلی نکالی اور طاہر کے ہاتھ پر رکھتے

ہوئے کہا۔ آپ اسے پہچانتے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ میں کیا ہے؟

کوتال نے جواب دیا۔ اسے کھول کر دیکھیے شاید کوئی ایسی شمل جائے جسے آپ پہچانتے ہوں۔

طاہر نے تھیلی کھول کر دیکھا۔ اس میں تین ہیرے چمک رہے تھے۔ طاہر نے وضاحت طلب نگاہوں سے کوتال کی طرف دیکھا اور اس نے طاہر کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ یہ ہیرے آپ کے ایک نوکر سے ملے ہیں۔

طاہر نے پریشان ہو کر پوچھا۔ آپ نے اس کی تلاشی لی تھی؟

کوتال نے جواب دیا۔ آپ بُرانہ مانیں، یہ میرا فرض تھا۔ آپ کا نوکر ابھی ابھی ایک تاجر کی دکان پر کھڑا اسے ایک ہیرا دکھا کر قیمت دریافت کر رہا تھا اور وہ تاجر کل آپ کے ساتھ ملاقات سے اور آج آپ سے تقریسن کر آپ کا گرویدہ ہو چکا ہے۔ اسے شنک گزرا کہ معمولی حیثیت کے آدمی کے پاس ایسے قیمتی ہیرے نہیں ہوتے۔ اس نے مجھے آکر بتایا کہ شاید آپ کے نوکرنے آپ کی چوری کی ہے۔ چنانچہ میں نے تلاش کے لیے نکا تو وہ ایک اور تاجر کی دکان پر ہیرے کی قیمت دریافت کر رہا تھا۔ ہیرے کی قیمت جاننے کے متعلق اس کی بے قراری یہ طاہر کرتی تھی کہ یہ اس نے حال ہی میں کہیں سے حاصل کیا ہے چنانچہ میں اسے پکڑ کر کوتالی لے گیا وہاں اس کی تلاشی ای تو اس تھیں سے دو اور ہیرے بھی نکل آئے۔

طاہر نے کہا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اس نے یہ ہیرے کہاں سے لیے ہیں؟

کوتال نے جواب دیا۔ وہ ابھی تک کوئی جواب نہیں دیتا اور آپ کو اس

واقعے سے آگاہ کرنے سے پہلے میں نے اس پر ختنی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

طاہر ایک گہری سوچ میں پڑ گیا۔

کوتوالی کے قریب پہنچ کر طاہر نے کہا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا؟

کوتوال نے جواب دیا۔ وہ اپنا نام مال بتاتا ہے۔

طاہر نے کہا بہتر ہے کہ میں تہائی میں اس کے ساتھ بات کروں

کوتوال نے کہا۔ چیزیں آپ میرے کمرے میں بیٹھ جائیں، میں اسے وہاں

لے آؤں گا۔

طاہر کو ایک کمرے میں بٹھا کر کوتوال تمہوڑی دیر میں مال کو لے آیا اور اسے  
طاہر کے پاس چھوڑ کر نکل گیا۔

طاہر نے مال کی طرف دیکھا، اس کی حالت ایک لئے ہوئے تاجر سے مختلف  
نہ تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طاہر کی طرف دیکھا اور کانپتی  
ہوئی آواز میں کہا۔ وہ ہمیرے میرے ہیں۔

طاہر نے اٹھ کر تھیا اس کے ہاتھ میں دے دی اور کہا۔ گھبراو نہیں۔ میں  
صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تم نے کہاں سے لیے ہیں۔

میں۔۔۔ میں نے۔۔۔ مجھے یہ تھی۔۔۔ تاتاریوں کے خیمے میں ماتھی۔

تو پھر یہ مجھے دے دو۔ تاتاریوں کی چیزان کے پاس پہنچا دی جائے گی۔

نہیں نہیں یہ میرے ہیں یہ میرے ہیں!

تو پھر تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ تمہیں یہ کس نے دیے۔

کسی نہیں مجھے تو یہ راستے میں ملتے تھے۔

طاہر نے ایک ہاتھ سے اس کا گلا دباتے ہوئے اور دوسرا ہاتھ سے اس

کے منہ پر زور سے چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ کچ بنا دو رونہ تمہاری جان کی خیر نہیں!  
مال نے اپنی گردان چھپڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں بے قصور ہوں  
مجھے کچھ معلوم نہیں۔

طاہر نے اس کے منہ پر ایک اور چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ یہ کیوں نہیں  
کہتے کہ یہ ہیرے تمہیں چنگیز خان نے دیے ہیں۔

مال نے چلا کر کہا۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ ابوالحق مجھے مارڈا لے گا۔

طاہر نے کہا۔ اس وقت میرے ہاتھ ابوالحق کے ہاتھوں کی نسبت تمہاری شہ  
رگ کے زیادہ قریب ہیں۔ تمہیں بتانا پڑے گا!  
مجھے یہ چنگیز خان کے ایک نوکرنے دیے تھے۔

طاہر نے اس کی گردان چھوڑ دی اور پوچھا۔ کیا یہ درست نہیں کہ تم نے اس  
رات جب تم سرمنڈوا کر آئے تھے چنگیز خان سے ملاقات کی تھی؟  
مال نے اپنی ٹوپی درست کرتے ہوئے کہا۔ نہیں، ہم اس سے نہیں ملے  
طاہر نے کہا۔ اپنی ٹوپی اٹا ردو۔

مال اس کے حکم کی تعییل کرنے کی بجائے دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔  
طاہر نے آگے بڑھ کر اس کی ٹوپی اٹا رنے کی کوشش کی لیکن اس نے ٹوپی کو اپنے  
دونوں ہاتھوں سے سر پر دباتے ہوئے کہا۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ ابوالحق مجھے  
مارڈا لے گا۔

طاہر نے اس کے منہ پر ایک اور چپت لگاتے ہوئے کہا۔ شور نہ کرو اور اس کی  
ٹوپی اٹا رکر پھینک دی۔ مال کی کھوپڑی سے سیاہ روغن کسی حد تک اتر چکا تھا اور  
چھوٹے چھوٹے بالوں میں طاہر کو سرخ رنگ کے چند عجیب و غریب نشانات

دکھائے دینے۔ غور سے دیکھنے پر اسے یہ نشانات عربی دہندے لے حروف نظر آنے لگے۔ چند لمحات کے لیے طاہر کا خونِ محمد سا ہو کر رہ گیا۔ سرخ رنگ کی تمام تحریر پڑھے بغیر وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ بغداد سے عالمِ اسلام کو خون کے سمندر میں غسل دینے کی سازش مکمل ہو چکی ہے۔ اور اسے اپنی تمام احتیاط کے باوجود اس ناپاک مقصد کے لیے آلہ کا رہنا یا گیا ہے۔ اس نے اپنے ہونٹ کا ٹتھے ہوئے کہاً مال کی ٹوپی اس کے سر پر کھو دی اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکل آیا۔ کوتوال باہر کھڑا تھا۔ طاہر نے اس سے کہا۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ اب اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔

کوتوال نے کہا۔ آپ اپنے مجرم کو سزا دینے یا معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں لیکن میں آپ کو ایسے ساتھیوں سے ممتاز رہنے کا مشورہ دوں گا۔

طاہر نے جواب دیا۔ آپ یقین کیجیے کہ میں ایسے مجرموں کو معاف کرنے کا تادی نہیں۔

باہر نکل کر طاہر نے گورنر کے محل کے قریب ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور مال سے کہا۔ اپنا سر دھو کر صاف کرو! مالِ تذبذب کی حالت میں تھوڑی دری کھڑا رہا لیکن طاہر نے اپنا خنجر نکالتے ہوئے کہاً گر جتی ہوئی آواز میں کہا۔ جلدی کرو ورنہ میں یہ قسمی تحریر پڑھنے کے لیے تمہارا سر اٹا رہے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

مال نے سہی ہوئی آواز میں کہا۔ یہ روغن پانی سے نہیں اُترے گا۔

تو اپنا سر ریت مل کر صاف کرو۔

تحوڑی دری بعد طاہر مال کے سر پر دہندی تحریر کا یہ مغایوم سمجھنے میں کامیاب ہوا

”دنیا نے اسلام میں بے چینی پہلی ہوئی ہے۔ خوارزم  
شاہ کو تیاری کا موقع نہ دیں۔ خلیفۃ المسُلِمین اور اہل بغداد کی  
ذُعایم آپ کے ساتھ ہوں گی۔ اپنی اس پیغام میں تاخیر کی وجہ  
بیان کر دے گا۔ خلیفہ کی طرف سے طاہر جو کچھ کہے اس سے غلط  
نہیں نہ ہو۔ اسے صرف راستے کی مشکلات پیش نظر بھیجا جا رہا  
ہے۔

دولت عباسیہ کا نمک خوار اور آپ کا خادم خاص

وہید الدین وزیر خارجہ

(۳)

جب طاہر نے مال کو دوبارہ سر پر ٹوپی رکھ کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا تو اس  
نے انتہائی عجز کے ساتھ کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے سر پر کیا لکھا گیا تھا وہ صحیح سے  
شام تک میرے سر پر تیز سوتی چھبوتے رہے۔ میں تکلیف کے باعث تین راتیں سو  
نہ سکا۔ میرے ساتھ واپسی پر انہوں نے انعام کا وعدہ کیا تھا۔ میں بے قصور ہوں مجھے  
پر حرم کیجیے۔

طاہر نے کہا۔ تم صرف بچ بول کر اپنے آپ کو حرم کا حق دار ثابت کر سکتے ہو۔

آپ جان بخشی کا وعدہ کریں، میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔

میں تمہاری جان بچانے کی کوشش کروں گا۔ بتاؤ اس سازش میں کون کون  
شریک ہے؟

میں نہیں جانتا۔ ابو الحسن ماه رمضان سے چند دن قبل میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک مکان میں لے گیا تھا۔ وہاں مجھے ایک تھانے میں رکھا گیا۔ جمیل سے

میری ملاقات اسی تھے خانے میں ہوئی۔ ہم دونوں کے سر موڑ کر کھو پڑیوں پر کچھ لکھا گیا اور جب دوبارہ چھوٹے چھوٹے بال آئے تو ابوال收拾 نے کہا۔ جب تمہاری ضرورت ہوگی میں تھیں اپنے ساتھ اہم مہم پر لے جاؤں گا۔ سر دست تھیں وزیرِ عظم کے پاس ملازم رکھوادیتا ہوں۔

چنانچہ ہم وزیرِ عظم کے اصطبل میں ملازم ہو گئے۔ یہاں آ کر ہمیں معلوم ہوا کہ ابوال收拾 اصطبل میں داروغہ ہے۔ ابوال收拾 نے ہمیں پانچ پانچ سو دینار دیے تھے اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر یہ راز کسی پر ظاہر ہو گیا تو ہم دونوں کے سر کاٹ لیے جائیں گے۔

ظاہر نے سوال کیا۔ اس دوران میں تم نے کبھی وزیرِ عظم سے ملاقات کی؟ اسے دیکھنے کا اتفاق ضرور ہو لیکن کبھی بات چیت نہیں ہوئی۔ صرف آخری دن جب آپ وزیرِ عظم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابوال收拾 ہمیں ان کے پاس لے گیا اور جو با تین انھوں نے ہمارے ساتھ کیں، آپ سن چکے ہیں۔

اصطبل میں ملازم ہونے سے پہلے جس تھے خانے میں رکھے گئے تھے وہ وزیرِ عظم کے محل سے کتنی دور تھا؟

ہمیں وہاں سے رات کے وقت آنکھوں پر پیاس باندھ کر زکالا گیا تھا لیکن میں اتنا ضرور کہہ سَتتا ہوں کہ وہ مکان دریا کے دہرے کنارے پر تھا۔

تم وحید الدین سابق وزیر خارجہ کو پہچانتے ہو؟

میں نہیں پہچانتا لیکن تھے خانے میں ہمارے سروں پر جس شخص نے تحریر لکھوائی تھی اس کے متعلق جمیل کا خیال تھا وہ وزیر خارجہ کے دفتر کا کوئی بڑا عہدے دار ہے۔

اصطبل میں ملازم ہونے کے بعد تم نے کبھی اس کو دوبارہ دیکھا؟

نہیں!

ابوالحق نے کبھی تمہیں وزیر اعظم کے سامنے پیش کر کے تمہارے سروں پر کاہی ہوئی تحریر دکھائی؟

نہیں۔ ہمیں سوائے اس دن کے جب کہ آپ وہاں موجود تھے، کبھی ان کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔

ظاہر کے دل کا بوجھہ ہلکا ہو رہا تھا۔ کم از کم اسے یہ اطمینان تھا کہ وزیر اعظم اس سازش میں شریک نہیں اور یہ سازش وزیر اعظم کی لालی میں وزیر خارجہ کی طرف سے ہو رہی تھی اور وزیر اعظم کے اصطبیل کا داروغہ اس کا آہلہ کا رہا۔ رخصت کے وقت اُسے وزیر اعظم نے کہا تھا کہ میں باہر سے کوئی آدمی سمجھنے کی بجائے اپنے نوکروں میں سے دو تین آدمی آپ کو دے رہا ہوں۔ وحید الدین کی پہلی سازش پکڑی جا چکی تھی لیکن رنو چکر ہونے سے پہلے دوسری سازش کا مسودہ تیار کر چکا تھا۔ ظاہر خلیفہ کے متعلق بھی اپنے دل کو یہ تسلی دے رہا تھا کہ اسے بھی وزیر اعظم کی طرح اس سازش کا کوئی علم نہیں۔ لیکن اس کے ذہن میں تصویر کا دوسرا رخ بھی تھا اور وہ جس قدر سوچتا تھا، اسی قدر پریشان ہوتا تھا۔ جب خوش نہیں بدگمانی میں تبدیل ہونے لگتی تو وہ یہ سوچتا۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ وزیر اعظم کے ایما پر ہوا ہو اور اس نے احتیاط ان لوگوں کو اپنوں سے دور رکھا ہوتا کہ اگر یہ پہلے ایچی کی طرح پکڑے جائیں تو کوئی ایسا ثبوت نہ دے سکیں جس سے وزیر اعظم کی اس سازش میں شرکت ثابت کی جاسکے لیکن اس کے دل کی فیاضی وزیر اعظم کے خلاف ایسے شبہات کی تردید کر دیتی اس نے پھر مال سے پوچھا، کیا اس دوران میں تم نے کبھی خلیفہ سے ملاقات کی!

نہیں

اس شام تھیں چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تھا؟

ہاں۔ ابوالحق ہمیں چنگیز خان کے مسلمان ملازم کے پاس لے گیا اور اس نے سرمنڈوانے کے بعد ہمیں چنگیز خان کے سامنے پیش کر دیا۔

تم نے جمیل اور ابوالحق کے سر پر کاھی ہوتی تحریر پڑھی ہو گی؟

جمیل کے سر پر اس تحریر کا فارسی ترجمہ ہے اور ابوالحق کے سر پر چینی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے وہ بھی شاید اسی کا ترجمہ ہے۔

طاہر نے کہا۔ تم چلو، میں تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں لیکن اگر ابوالحق پر کوئی بات ظاہر کرنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو تمہارے لیے بہت بُرا ہو گا!  
مال کوئی بات کہے بغیر ظاہر کے آگے چل دیا۔

طاہر ایک گہری سوچ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا حاکم شہر کے محل میں داخل ہوا۔ اپنے کمرے کی بجائے وہ دوسرے کمرے کے دروازے پر جہاں اس کے ساتھی ٹھبرائے گئے تھے، رک گیا۔ دروازے کا ایک کواڑ بند اور ایک کھلا تھا۔ مال طاہر کا اشارہ پا کر اندر داخل ہوا تو ابوالحق نے چلا کر کہا۔ تم بہت بے دوقوف ہو۔ ہم نے سارا شہر چھان مارا۔ آخر کہاں تھے تم؟

مال نے سہی ہوتی آواز میں جواب دیا۔ میں یہیں تھا۔

تم نے ظاہر کو دیکھا؟

طاہر کو۔۔۔ کیا وہ یہاں نہیں ہے؟

تم جدھر جی چاہتا ہے منہ اٹھا کر چل دیتے ہو۔ اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمہاری وجہ سے ہو گی!

طاہر پکے سے کمرے میں داخل ہوا۔ ابوالحق نے جلدی سے کہا، ہم آپ کے

متعلق با تیس کر رہے تھے۔ آپ کہاں تھے؟ میں بہت پریشان تھا۔

طاہر نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔ تمھیں اور تمہارے ساتھیوں کو صفائی سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ میرے خیال میں ابھی تک تم میں سے کسی نے سرد ہو کر وہ سیاہ روغن اُتارنے کی کوشش نہیں کی؟

ابوالحق نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہم تاتاریوں کا یہ تحفہ بغداد لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی تاتاری ملے گا تو بغداد کے باشندوں سے مطالبہ کریں گے کہ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔

طاہر نے کہا۔ ذرا اپنی ٹوپی اُتارو۔

ابوالحق نے قدرے مذبذب طاہر کرنے کے بعد اپنی ٹوپی اُتاری اور پھر جلدی سے اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ میری احتیاط کے باوجود یہ روغن اُتر چکا ہے۔ بغداد میں سیاہ روغن کی کمی نہیں۔ تم یہاں اپنا سرد ہو کر صاف کرو اور بغداد پہنچ کر سر پر تازہ سیاہی مل لیں۔ اور جمیل! ذرا تمہارا سر بھی دیکھوں!

جمیل نے ابوالحق کی طرف دیکھا اور اس کا اشارہ پا کر ٹوپی اُتار کر پھر جلدی سے سر پر رکھ لی۔

طاہر نے کہا۔ مال! تم بھی شاید اپنا سر نہیں دھویا۔

مال نے یکے بعد دیگرے ابوالحق، جمیل اور طاہر کی طرف دیکھا اور طاہر کا اشارہ پا کر جھجھکتے ہوئے اپنی ٹوپی اُتار دی۔

ابوالحق اور جمیل ایک لمحے کے لیے مبہوت سے ہو کر رہے گئے۔ طاہر نے کہا۔ ابوالحق! مال کے سر پر شاید کچھ لکھا ہوا ہے۔ ذرا پڑھ کر تو سناؤ!

ابوالحق نے کہا تو آپ سب کچھ جان گئے ہیں؟

طاہر نے کہا۔ نہیں ابھی تک تم دونوں کی کھوپڑیاں میری نگاہوں سے پوچھیں۔

ابوالحق اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ایک ہاتھ خبر کے دستے پر تھا۔ طاہر نے جلدی سے اپنا خبر نکالنے ہوئے گرجتی ہوتی آواز میں کہا۔ بیٹھ جاؤ! تمہاری طرف سے کسی جوش و خروش کا مظاہرہ میری یہ رائے نہیں بدل سکے گا کہ بغداد بُر دل ہوتے ہیں۔

ابوالحق اب طاہر کی بجائے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مال کی بے حصی اس کے لیے حوصلہ شکن تھی۔ جمیل نے چند بار اٹھنے کی کوشش کی لیکن طاہر کی نگاہوں نے اسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

طاہر نے کہا۔ سلطنت خوارزم کے لیے تمہارے سر بہت اہم ہیں۔ اگر یہ ضبط کر لیے گئے تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے باقی دھڑ بغداد پہنچا دیے جائیں گے۔

مال نے کہا۔ لیکن میرے ساتھ آپ کا وعدہ-----

طاہر نے اس کی بات کاٹے ہوئے کہا۔ تم خاموش رہو۔

ابوالحق نے سہی ہوتی آواز میں کہا۔ آپ اور ہم سب خلینہ کے خدمت گزار ہیں۔ جس نیک نیت کے ساتھ آپ نے اپنا پورا فرض کیا ہے۔ اسی نیک نیت کے ساتھ ہم نے وہ بغداد پہنچ کر اس جھگڑے کا فیصلہ خلینہ کو سونپ دیں؟

طاہر نے کہا۔ تم جھوٹ کہتے۔ خلینہ تمہاری اور وزیر خارجہ کی سازش میں شریک نہیں۔

کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ کی کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے بغداد پہنچ کر خلینہ سے پوچھ لیں؟ اگر ان کی گواہی-----

ابوالحق طاہر کے عقب میں نیم وادروازے سے باہر کسی کو گھڑا دیکھ کر رک گیا اور پھر اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ آپ خوارزم سے انعام کے لائق میں ہمیں پھنسا کر خود میں بچ سکتے۔ آپ نے خلینہ سے انعام حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کا آلہ کار بنایا۔ اب آپ خوارزم کی خاطر ہمیں فروخت کر رہے ہیں۔

کاش ہمیں پہلے یہ علم ہوتا کہ آپ ہماری کھوپڑیوں پر کیا لکھوار ہے ہیں۔ ہمیں آپ نے صرف یہ بتایا کہ ہم بغداد کی بہت بڑی خدمت سرانجام دینے والے ہیں اور ہم اس کے عملے میں مالا مال کر دیے جائیں گے۔

طاہر نے آگے بڑھ کر ابوالحق کے منہ پر ایک گھونسار سید کرتے ہوئے کہا۔ خاموش! ذلیل انسان تم یہ کس پر ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمہاری ناپاک سازش میں بھی شریک تھا؟

ابوالحق نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔ تم پر ۔۔۔۔۔ تم پر جس نے ہمیں پیسوں کا لائق دے کر ذلت کی انتہا تک پہنچا دیا۔ میں اس شہر کے گورز کے سامنے جا کر چلاوں گا کہ یہ مساجد میں تقریریں کرنے والا انسان اپنے وقت کا سب سے بڑا دشمنِ اسلام ہے۔

طاہر نے کہا۔ تم اس یادہ گوئی سے مجھے مرعوب نہیں کر سکتے۔ تمہارے جیسے غدار کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے میں اگر خود بھی سولی پر جڑھ جاؤں تو مجھے پروا نہ ہوگی۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور شہر کا گورز چند نوکروں کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ ان سب کو حرast میں لے لو۔ گورز یہ کہتے ہوئے طاہر سے مخاطب ہوا۔

میں آپ کی گفتگوں چکا ہوں۔ یقین تجھے ان سب باتوں کے باوجود مجھے آپ کے متعلق اپنی رائے بدلتے ہوئے دکھتا ہے۔ تاہم آپ کچھ عرصہ نظر بند رکھنے پر مجبور ہوں۔

طاہر نے کہا۔ تو الحق نے اپنا لہجہ آپ کو دروازے کے پیچھے کھڑے دیکھ کر تبدیل کیا تھا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں لے جاسکتے ہیں۔ لیکن میرے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے آپ مجھے کچھ کہنے کا موقع دیں۔

”اگر آپ اپنے ساتھیوں کے الزامات کی تردید کر سکیں تو مجھے یقیناً ایک روحانی مسرت ہو گی۔ لیکن ایسے سنگین مقدمے کا فیصلہ فو قند کے حاکم اعلیٰ صادر فرمائیں گے۔“

(۳)

عامل شہر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ طاہر کے ساتھیوں کو بیڑیاں پہنا دیں اور طاہر کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

طاہر کا طویل بیان سننے کے بعد اس نے مال کو پیش کرنے کا حکم دیا اور اس سے چند سوال پوچھنے کے بعد طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ آپ کے بارے میں شبہات بہت حد تک دور ہو چکے ہیں لیکن میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حاکم اعلیٰ کے احکامات حاصل کیے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سنبتا۔ میں آج ہی ان کے پاس اپنا ایلچی رو انہ کر رہا ہوں۔ آپ کے ساتھ اتنی رعایت کر سنبتا ہوں کہ آپ کو بیڑیاں نہ پہنانی جائیں لیکن آپ کو قلعے میں نظر بند رکھنے پر مجبور ہوں۔ آپ کے ساتھیوں کو ان کے سروں کا معاشرہ کرنے کے بعد قید خانے میں بھیجا جائے گا۔

شام کے وقت گورنر کا ایلچی فو قند کے حاکم اعلیٰ کے پاس اس شہر کے عامل کا

پیغام لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ حاکم شہر نے اپنے مکتوب میں ملزم کی وکالت کے الزام سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی معصومیت کا اعتراف کیا تھا۔

قریباً ڈبڑھ ہفتہ کی نظر بندی کے بعد طاہر کو چند ساہی تواروں کے پیرے میں عامل شہر کے پاس لے آئے اور اس نے طاہر کو بتایا کہ فوجنڈ کے حاکم اعلیٰ تیمور ملک کا جواب آگیا ہے۔ آپ کو وہاں جانا پڑے گا۔

اور میرے ساتھی؟

حاکم شہر نے جواب دیا۔ وہ بہت دور جا چکے ہیں۔

آپ کا مطلب؟

میرا مطلب یہ ہے کہ تیمور ملک نے ان کی بجائے ان کے سروں کا مطالبہ کیا تھا اور میں اس کے حکم کی تعییں پر مجبور تھا۔

نہیں۔ آپ جلد بازی سے کام نہ لیں۔ بغداد میں اس سازش کے تمام بانیوں کو پکڑنے کے لیے ان کا زندہ رہنا ضروری ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس حکم کی تعییں کر چکا ہوں لیکن مال اور شاید جمیل بھی اس سزا کا مستحق نہ تھا۔

میں ان کے بد لے اپنا سر کٹوانے کو تیار نہ تھا اور اس کے علاوہ آپ کی بھلانی بھی اسی میں تھی۔ آپ خواخواہ اپنے ساتھیوں کو صفائی پیش کرنے اور تیمور ملک آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کانوں کی اصدقیت کی ضرورت محسوس کرنے کا عادی نہیں اور اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ مال آپ کی صفائی پیش کر ستما تھا تو اس کی کمی میں نے پوری کر دی ہے۔ میں نے تیمور ملک کو درخواست کر دیا ہے۔

## تیمور ملک

علاوہ الدین محمد خوارزم شاہ پر لے درجہ کا ضدی اور خود سرحدراں تھا۔ خوارزم شاہی اور مشرقی سرحدوں پر تاتاریوں کے اکاڈمیا جملوں اور لوٹ مار کی خبر سننے ہی اس نے دولا کھساپا ہیوں کے ساتھ پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔ جلال الدین اس کا ہونہا، ذہین، بہادر اور دوراندیش بیٹا اس تجویز کے خلاف تھا۔ اس نے امراء سلطنت کے اجلاس میں کھڑے ہو کر اپنے باپ سے کہا۔ اگر آپ مجھے اپنی فوج کے سپاہی کی حیثیت میں بو لئے کا حق دیں تو میں یہ کہوں گا کہ ہمیں افواج سرحد پر جمع کر کے تاتاریوں کی پیش قدمی کا انتظار کرنا چاہیے۔ سرحد کے بعض مقامات پر ان کے دستے اگر کبھی کبھی لوٹ مار کر کے بھاگ جاتے ہیں تو اس سے ہمیں اس غلط ہمیں میں بتانا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کمزور ہیں۔ ان کا منقصہ صرف یہ ہے کہ ہم اشتغال میں آ کر ان دُشوار گزار برفارمی پیاروں کی طرف پیش قدمی کر دیں جن کی تنگ گھاٹیاں ان کے لیے ناقابل تغیر تائعوں کا کام دے سکتی ہیں۔ میدان میں ہم انھیں خس و خاشاک کی طرح بہالے جائیں گے لیکن پیاری علاقے کی طرف پیش قدمی کرنا ہمارے لیے خطرناک ہے۔ وہ پیچھے ہٹتے جائیں گے۔ اور کسی ایسے مقام پر اچانک ہمارے گرد گھیرا ڈال لیں گے جہاں ہمارے آگے پیچھے تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

تجربہ کا رفوجی افسروں نے جلال الدین کی تائید کی لیکن خوارزم شاہ نے بعض خوشامدی سرداروں کے زیر اثر اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ اس کی پہلی اور آخری دلیل یہی تھی کہ تاتاری ڈاؤں کو سزا دینے میں ہماری طرف سے کسی قسم کا تذبذب دنیا پر ظاہر کر دے گا کہ ہم کمزور ہو چکے ہیں اور آج تک ہم نے اپنے ہر دشمن پر ثابت کیا ہے کہ ہم کمزور نہیں۔ ہمیں اطمینان ہے کہ تاتاری اگر پر لگا کر ہوا میں اڑ نہ لگیں

تو بھی ہم ان پر غالب آئیں گے۔

جب جلال الدین کو اپنے باپ کا ارادہ بد لئے میں کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو اس نے کہا۔ اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو میں درخواست کرتا ہوں کہ اس مہم پر مجھے روانہ کیا جائے اور آپ باقی فوج کے ساتھ ملک کے اندر رہیں۔

خوارزم شاہ نے اپنے دوراندیش بیٹے کی یہ تجویز بھی رد کر دی اور اسے ملک کی حفاظت کا کام سونپ کر شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کر دی۔

جلال الدین کے خدشات صحیح ثابت ہوئے ۔۔۔ دولاکہ مسلمانوں کے سیاہ کے سامنے تاتاریوں کے منتشر دستے چاروں اطراف سے سمٹ کر پیچھے ہٹنے لگے اور خوارزم شاہ اپنی طاقت کے نشے میں سرشار چند تجربہ کا سرداروں کے مشورے کے خلاف آگے بڑھتا گیا۔ اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بعض مقامات پر تاتاریوں کی افواج معمولی مزاحمت کے بعد بھاگ نکلیں۔ تاتاریوں کی اس چال نے شاہ خوارزم کو خطرات سے اور زیادہ بے پروا کر دیا۔ ایک صحیح ایک وادی میں جس کے تین اطراف اونچے پیماڑ اور ایک طرف گھنا جنگل تھا۔ خوارزم کی افواج کا تاتاریوں کے چند دستوں سے تصادم ہوا۔ تاتاری مدان عانہ جنگ لڑتے ہوئے جنگل کی طرف ہٹتے گئے۔ اور باقی تین طرف کے کے پیماڑوں پر تاتاریوں کا مژدی دل لشکر نمودار ہونے لگا۔ خوارزم شاہ نے اپنی غلطی کا احساس اس وقت کیا جب چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس تنگ میدان میں ترک نیزہ بازوں کو اپنے جو ہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔ گھنے جنگل کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ تیروں کی بارش کے علاوہ تاتاریوں کے بے شمار دستے پیماڑوں سے نیچے اُتر کر خوارزم شاہ کی افواج میں تباہی مچا رہے تھے۔ اس تباہی سے بچنے کے لیے

ترک افواج نے جنگل میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی ہر درخت کے نیچے ایک تاتاری تیر انداز موجود تھا۔ تیسرا پہر تک خوارزم کی افواج نے تاتاریوں سے تمام جنگل کو صاف کر دیا اور تاتاری پیاراؤں پر سے آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے لیکن ترکوں کے نقصانات اس قدر زیادہ تھے کہ شام کے وقت خوارزم شاہ کی فوج کے افسر میدان میں لاشیں گئنے کی بجائے زندہ آدمیوں کی گنتی کر رہے تھے۔

اس تباہی کے بعد خوارزم شاہ کو اپنی رہی سبھی افواج کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوتی اور جب وہ واپس آرہا تھا تو اسے راستے میں خبر ملی کہ شمال کی طرف سے تاتاریوں کا شکر فوقند کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ فوقند کے حاکم اعلیٰ تیمور ملک نے یہ کہا بھیجا کہ اس وقت میرے پاس پانچ ہزار سپاہی ہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ میں ایک مدت تک تاتاریوں کا طوفان روک سکوں گا لیکن اگر سلطان مجھے میں ہزار سپاہیوں کی کمک بھیج دے تو ممکن ہے کہ عالم اسلام کے متعلق تاتاریوں کے ارادے ہمیشہ کے لیے بدلوں۔

خوارزم شاہ گزشتہ جنگ میں غیر متوقع تباہی کے باعث اس قدر بد حواس ہو چکا تھا کہ اس نے غصے سے کانپتے ہوئے تیمور ملک کا خط پھاڑ دالا اور اپنی سے کہا۔ اگر تیمور ملک یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہماری نسب زیادہ تحریر کا رہے تو وہ بیوقوف ہے۔

لیکن بعض افسروں کے سمجھانے پر خوارزم شاہ نے تیمور ملک کو یہ پیغام بھیجا کہ میں ہزار سپاہی سمجھنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے پانچ ہزار سپاہیوں سے تاتاریوں کو کب تک روک سکتے ہو۔

قوقد کے قید خانے میں ظاہر کو دو مہینے گزر گئے۔ قید خانے کے داروغہ سے اس نے بارہا یہ درخواست کی کہ اسے شہر کے حاکم اعلیٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن

اسے ہر بار یہ جواب ملتا کہ جب انھیں فرصت ہوگی وہ خود بلا لیں گے۔ طاہر نے داروغہ سے خط لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے جواب دیا کہ جاسوسی کے جرم میں گرفتار ہونے والوں کے لیے یہ سہولت مہیا نہیں کی جاسکتی۔ طاہر کو کسی دوسرے قیدی سے ملنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ وہ قید خانے سے باہر دنیا کے تمام حالات سے بے خبر تھا۔ وہ بقرار ہو کر دن میں کئی مرتبہ یہ سوچتا تھا۔ آخر مجھے اب تک کیوں نہیں بلا�ا گیا؟ قید خانے سے باہر کیا ہو رہا ہے۔ کیا تاتا تاریوں نے حملہ کر دیا ہے۔۔۔

حاکم اعلیٰ کو میرے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملتی؟ کیا وہ میرا بیان لیے بغیر مجھے عمر قید کی سزا دے چکے ہیں۔

ایک دن چند پاہی اسے نگل تواروں کے پہرے میں قید خانے سے نکال کر فوتند کے گورنر تیمور ملک کے محل میں لے گئے۔ تیمور ملک ایک خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ اس کی شجاعت اور شرافت کی داستانیں دور دور تک مشہور تھیں۔ اس نے نہایت اطمینان سے طاہر کی سرگزشت سنی۔ طاہر نے اپنا بیان ختم کرنے کے بعد خوارزم کے سفیر کو وہ خط پیش کیا جس میں اس نے طاہر کی نیک نیت پر اعتماد طاہر کیا تھا۔ اس خط میں صاحب الدین ایوبی کی توارکا بھی ذکر تھا۔

تیمور ملک نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد اپنی عقابی نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ جہاں تک میرے رائے کا تعلق ہے، میری رائے تمہارے خلاف نہیں۔ لیکن سلطان معظم کا حکم ہے کہ اس قسم کے سارے مقدمات ان کے پاس بھیج جائیں۔ تمہاری گرفتاری کی اطاعت ان تک پہنچ چکی ہے اور امیں ان کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ مجھے قید میں دو مہینے گزر چکے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا

میں کیا ہو رہا ہے۔ میں بہت جلد بغداد پہنچنا چاہتا ہوں، وہاں کے لوگوں کو صحیح حالات سے باخبر کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تاتاری آپ کی سلطنت پر کسی دن اچانک حملہ کر دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ بغداد کی مداخلت یہ حملہ روک سکے گی۔ اگر یہ نہ ہو۔ کاتو کم از کم خوارزم کی مدد کے لیے بغداد کے لوگوں کو منظم کر سکوں گا۔ مجھے صرف چند دن کی رخصت دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں بغداد کے لوگوں تک پیغام پہنچا کر آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ ایک قیدی کی زبان سے ایسی درخواست آپ شاید مضنكہ خیز سمجھیں لیکن میں آپ کو کس طرح یقین داؤں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ خدا کے لیے میرے وعدے پر یقین سمجھیے۔ ورنہ کم از کم مجھے فوراً خوارزم شاہ کے پاس ہی بھیج دیجیے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ نوجوان! تاتاریوں کے ساتھ ہماری جنگ شروع ہو چکی ہے اور اب تک تو ہماری بدترین شکست کی خبر شاید بغداد بھی پہنچ چکی ہو۔ ممکن ہے کہ اسلام پر کفر کی پہلی فتح کی خبر سن کر خلیفۃ المسلمين کے محل میں چراغاں بھی کیا جا چکا ہو۔ ان حالات میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تم نیک نیت ہو تو بغداد میں خلیفہ کا محل تمہارے لیے قوند کے قید خانے سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ انہوں نے تم سے جو کام لیا تھا، وہ لے چکے ہیں۔ اب شاید وہ تمہارے زندہ رہنے کی ضرورت محسوس نہ کریں، اور سلطان معظم کے دل و دماغ پر تازہ شکست نے جواہر کیا ہے، اس کے پیش نظر میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید وہ جاسوس کا لفظ سننے کے بعد تفصیلات میں جانا پسند نہ کریں۔

شکست کی خبر سن کر طاہر ایک لمبے کے لیے ششد رہ گیا۔ اس کی حالت اس

شخص کی سی تھی جسے نیند کی حالت میں سمندر میں پھینک دیا گیا ہو۔ اُس نے تھوڑی دری کے بعد اس نے اپنے حواس پر قابو پا کر کہا۔ مجھے اپنی موت کی پرواہ نہیں لیکن خدا شاہد ہے کہ میں معصوم ہوں۔ مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موت سے پہلے اس غلطی کا نارہ ادا کر سکوں اور بغداد پہنچے بغیر میں یہ نارہ ادا نہیں کر سکتا۔ آپ کا اصلی مجرم وحید الدین سابق وزیر خارجہ ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں چند دنوں تک اس کا سر آپ کے پاس پہنچاؤں گا، ورنہ میر اسر حاضر ہو گا۔

تیمور ملک نے کہا۔ ہمارے اصلی مجرم خلینہ اور وزیر اعظم ہیں، وزیر خارجہ صرف ان کا آلہ کار ہو سکتا ہے۔ اگر تم ان کا سرانے کا وعدہ کرو تو میں شاید تمہاری آزادی کی کوئی تدبیر سوچ سکوں۔

نہیں نہیں۔ طاہر نے چلا کر کہا۔ وہ ایسے نہیں ہو سکتے میں ان کے خلاف اسی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ جس دن عالم اسلام کے یہ ستوں اس قدر کھو کھلے ہو جائیں گے اُس دن دنیا کا کوئی خطہ ہمارے لیے محفوظ نہ ہو گا۔ کیا آپ کے خیال میں وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ خوارزم تاتاریوں کے سیاہ کے سامنے آخری چٹان ہے اگر یہ چٹان اگر گئی تو بغداد بھی بتاہی سے نہیں بچ سکے گا؟

تیمور ملک نے کہا۔ یا تم خود بے قوف ہو یا تم مجھے بے قوف سمجھتے ہو۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ اب تک خلینہ کے کئی جاسوس پکڑے جا چکے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ ان تمام سازشوں میں وزیر خارجہ کا ہاتھ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خلینہ اور وزیر اعظم کو کسی بات کا علم نہ تھا۔

تیمور ملک نے کہا۔ اگر تم نے ایسی ہی مستعدی سے سلطان المظہم کے سامنے

خلینہ اور وزیر اعظم کی صفائی پیش کی تو مجھے یقین ہے کہ تم فوراً اپنے تین ساتھیوں سے جا ملوگے۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں اپنی جان کے خوف سے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں۔

تیمور ملک اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ایک فوجی افسر نے اندر آکر اطلاع کی کہ سلطان معظم کا ایک ملاقات کی اجازت چاہتا ہے۔

تحوڑی دیر میں ایک ترک افسر اندر داخل ہوا اور اس نے تیمور ملک کو ایک خط پیش کیا۔ تیمور ملک نے خط پڑھنے کے بعد پہلے ایک اور پھر طاہر کی طرف دیکھا اور انتہائی مغموم آواز میں کہا۔ تمہارے متعلق سلطان مظہم کا حکم آگیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہاب میرے بس میں کچھ نہیں۔ تم یہ پڑھ سکتے ہو۔

تیمور ملک نے خط طاہر کی طرف بڑھا دیا لیکن اس نے آگے بڑھ کر خط لینے کی بجائے کہا۔ اس خط کی تحریر میں آپ کے چہرے سے پڑھ سکتا ہوں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں کب تک زندہ ہوں؟  
کل تک! تیمور ملک نے یہ کہہ کر سر جھکایا۔

طاہر کے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ نمودار ہوتی۔ تیمور ملک نے تھوڑی دیر بعد گردن اوپر اٹھائی۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہہ سکا۔ لیکن اس کی نگاہیں یہ کہہ رہی تھیں۔

نو جوان! مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے لیکن میں بے بس ہوں۔

طاہر نے کہا۔ اگر یہ فیصلہ آخری ہے تو کیا میں ایک باعزت موت کی توقع رکھ سکتا ہوں؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ سلطان معظم کا حکم ہے کہ تمھیں لوگوں کے سامنے پھانسی پر لٹکایا جائے!

تیمور ملک کوئی اور بات کیے بغیر اٹھ کر محل کے درمرے کمرے میں چلا گیا۔

(۳)

طاہر کو نگلی تلواروں کے پہرے میں محل سے باہر نکالا گیا۔ دروازے کی سیڑھیوں کے نیچے لوگوں کا ایک ہجوم کھڑا تھا۔ لوگ طاہر کو دیکھتے ہی انقاومی جذبے کے تحت اندرے لگانے لگے۔ قوم کانھدار، خلیفہ کا جاسوس، دشمن اسلام، پکڑ لو، مار ڈالو۔ سپاہی ہجوم کا اشتغال دیکھ کر دروازے میں رُک گئے۔ ہجوم میں سے چند نوجوان نکل کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے لیکن سپاہیوں نے انھیں تلواروں اور نیزوں سے ڈرا دھرم کا کروک دیا۔ تاہم ہجوم کا اشتغال ہر لمحہ بڑھ رہا تھا۔ کسی نے پتھر پھینکا لیکن یہ پتھر سپاہی کو لگانے کی بجائے ایک سپاہی کے ماتھے پر لگا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر دبا کر بیٹھ گیا۔ چند اور پتھر اور تین چار سپاہی زخمی ہو گئے۔ ایک فوجی افسر نے آگے بڑھ کر یہ کہنے کی کوشش کی اس کی موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی آواز لوگوں کے نعروں میں دب گئی اور ایک پتھر کھانے کے بعد اس نے چلا کر قیدی کو محل میں واپس لے جاؤ اور دروازہ بند کر دو!

لیکن طاہر نے پہرے دار کی نگلی تلواروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے بند آواز میں کہا۔ مسلمانو! ایک غدار اور جاسوس کے خلاف نفرت کا یہ جذبہ تم میں زندگی کا ثبوت ہے لیکن تمھیں تمھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ میری موت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ مجھے کافی تمہارے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور اس کے بعد میرا مقدمہ اس بڑی عدالت میں پیش ہوگا جہاں ہر مظلوم

دادرسی کی توقع رکھتا ہے۔ لوگوں کا شور کم ہو رہا تھا اور وہ انفرت اور حنارت کے جذبات سے مغلوب ہونے کے باوجود طاہر کی زبان سے کچھ سننا چاہتے تھے لیکن ایک سپاہی نے طاہر کی گردن پر تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا۔ تمھیں لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی نے پچھے سے آ کر سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سپاہی نے مرد کر دیکھا تو اس کے سامنے تیمور ملک تیمور کھڑا تھا۔ تمام سپاہی ادب و احترام کے ساتھ گورنر کی طرف دیکھنے لگے۔

ایک لمحے کے بعد لوگوں کی آوازیں پھر آہستہ آہستہ باندھ ہوئے لگیں۔ تیمور ملک نے آگے بڑھ کر ہاتھ باندھ کیا اور کہا۔ سلطان معظم کے حکم سے اس شخص کو کل تمہارے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ کیا ایک شخص جو صرف ایک دن کا مہمان ہے تمہاری طرف سے بہتر سلوک کا حق دار نہیں؟

تیمور ملک پھرے داروں کو اپنے پچھے آنے کا اشارہ کر کے سیڑھیوں سے نیچے اُٹا۔ لوگوں نے فوراً ادھر ادھر سمٹ کر راستہ چھوڑ دیا۔ سپاہی طاہر کے گرد حلقہ باندھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد تیمور ملک ڈکھ کر ہجوم سے مخاطب ہوا۔ میں بہت مصروف ہوں۔ سرحد کے پار تاتاریوں کے دستے دیکھے گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جنوب کے اور شہروں کی طرح وہ قو قند پر بھی اچانک حملہ نہ کر دیں۔ اس لیے یہ نعرے لگانے کا وقت نہیں۔ تلواریں تیز کرنے کا وقت ہے۔ تم نے میرے دو سپاہیوں کو زخمی کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرے پاس زیادہ سپاہی نہیں۔ اب اگر تم یہ وعدہ کرو کہ تم راستے میں سپاہیوں کو تنگ نہیں کرو گے تو میں واپس جا کر زیادہ اہم امور پر توجہ دے سکوں گا، ورنہ مجھے قید خانے تک ان کے ساتھ جانا پڑے۔

ایک نوجوان نے بلند آواز میں کہا۔ بھائیو! یہ کیا حماقت ہے ہم ایسے نازک موقع پر اپنے محبوب حاکم کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اب تمہاری تسلی ہو چکی ہے کہ مجرم کو عبرت ناک سزا ملے گی۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔ چلو یہاں سے!

لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منتشر ہونے لگے۔ تیمور ملک نے محل کی طرف لوٹتے ہوئے سپاہیوں سے کہا۔ قیدی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

آسمان پر بادل چھار ہے تھے۔ شمال کی سرد ہوا سے ظاہر کا جسم ٹھہر رہا تھا۔

ایک سپاہی نے اپنی پوتین اتار کر ظاہر کے کندھوں پر ڈال دی۔ ظاہر نے اس کی طرف احسان مند زگا ہوں سے دیکھا اور پوتین اتار کرو اپس کرتے ہوئے کہا۔

شکریہ! ایک دن کے مہمان کو اس کی ضرورت نہیں۔

(۳)

اگلے دن برف باری سے قو قند کے بازاروں میں روانے تیمیں بچھی ہوئی تھیں۔ ظاہر قید خانے سے باہر ایک چبوترے کے اوپر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوط رہی سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس سے دو قدم آگے پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔ ارڈر گرد کھلے میدان میں برف باری کے باوجود سینکڑوں آدمی جمع تھے۔

موت کو اس قدر قریب دیکھنے کے باوجود ظاہر کے چہرے پر ایک غیر معمولی سکون تھا۔ قید خانے کے داروغہ کا اشارہ پا کر جلا د چبوترے کے اوپر چڑھا اور اس نے پھانسی کا پھندا ہاتھ میں لیتے ہوئے آگے بڑھ کر ظاہر کو لکڑی کے تختے پر کھڑا ہونے کے لیے اشارہ کیا۔ ظاہر نے تختے پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ تمباشتیوں میں اب وہ پہا اساجوش و خروش نام کونہ تھا۔ جلا د نے پھانسی کا پھندا ظاہر کے گلے میں ڈال دیا۔ قید خانے کے داروغہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ تمہارے لیے یہ آخری موقع

ہے اگر کوئی ایسی خواہش ہو جسے ہم پورا کر سکتے ہوں تو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں آپ کو اس سوال کا جواب پہلے دے چکا ہوں۔  
ایسے موقعوں پر خدا پرست، انسانوں سے توقعات وابستہ نہیں کیا کرتے۔ میں نے جو کچھ مانگنا تھا، خدا سے مانگ چکا ہوں۔ اگر میری دعائیں مستجاب نہیں ہوتی تو تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

داروغہ نے لا جواب سا ہو کر کہا۔ پھر بھی اگر تم بغداد میں کسی عزیز کو کوئی پیغام دینا چاہو تو شاید ہم کوئی بندوبست کر سکیں۔

طاہر نے جواب دیا۔ خدا اور رسول ﷺ کا نام لینے والا میرا عزیز ہے۔ اور میں ہر ایک کو ایک ضروری پیغام دینا چاہتا تھا۔ خدا کو اگر مجھ سے کام لینا منظور ہے تو مجھے یقیناً موقع دے گا ورنہ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہ کسی بہتر انسان کو اس مقصد کے لیے منتخب کرے گا۔

میں پوچھ سئتا ہوں کہ وہ پیغام کیا ہے؟

وہ پیغام یہ ہے کہ اس وقت کفر اسلام کے خلاف اپنی ساری طاقتیں منظم کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کے لیے منظم اور متعدد ہو جائیں!  
داروغہ نے کہا۔ اب صرف چند لمحات باقی ہیں۔ تم کوئی دعا مانگنا چاہتے ہو تو مانگ لو۔

طاہر نے سفیدی مائل بالوں میں چھپے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا وروہ دعا جسے وہ رات کے وقت کئی بار دھرا چکا تھا۔ ایک بار پھر دھرانے لگا۔ میرے اللہ! کیا میں تیرے دین کے کسی کام نہیں آ ستا؟ میں نے تیری راہ میں جہاد کی نیت سے

نیزوں اور تلواروں سے کھیننا سیکھا تھا۔ کیا میرے مقدار میں ایک کریہہ موت کے سوا کچھ نہیں؟ میں نے صالح الدین ایوبؑ کی تلوار کا حق ابھی ادا نہیں کیا!

میرے مولا! انسانوں کے غلط فیصلے منسوخ کرنا تیری قدرت سے بعید نہیں!

جلادِ نجف سے تختہ کھینچنے کے لیے داروغہ کے اشارہ کا منتظر تھا۔

تماشائیوں میں سے اب بعض ایسے بھی تھے جو طاہر کی طرف غصے یا باغتنامی کی بجائے ہمدردی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

اچانک شہر کی طرف سے لوگوں کی چیخ پکارنائی دی۔ چند سوار گھوڑے بھگاتے ہوئے آئے اور ان میں ایک نے بلند آواز میں کہا۔ تاتاری آرہے ہیں۔ شہر کی حفاظت کے لیے تیار ہو جاؤ! اس اعلان نے ایک لمحے کے لیے لوگوں کو مبہوت کر دیا اور دوسرے لمحے وہ تاتاری آرہے ہیں! تاتاری آگئے! کہتے ہوئے اپنے گھروں کا رُخ کر رہے تھے۔

تحمودی دیر بعد جب داروغہ کے حواس درست ہوئے اور اسے اپنے فرض کا دوبارہ خیال آیا تو میدان خالی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے تذبذب کے بعد جلا دکو تختہ کھینچ کا اشارہ کیا تو ایک طرف سے کسی نے بار عرب آواز میں کہا۔ ٹھہروا!

تیمور ملک کی آواز پہچان کر داروغہ نے پیچھے مرڑ کر دیکھا۔ تیمور ملک گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ساتھ چند اور سپاہی بھی تھی۔ وہ چبوترے کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُترا اور چبوترے پر چڑھ کر طاہر کی گردان سے پھندا اُتا رہے کے بعد اپنے خنجر سے طاہر کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ طاہر نے جلدی سے سوال کیا تاتاری کتنی دور ہیں؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ کوئی دس کوں کے فاسلے پر تھمارے پاس شہر سے

نکل جانے کے لیے کافی وقت ہے۔

کہاں جانے کے لیے؟ طاہر نے اطمینان سے سوال  
بغداد کی طرف، تم بغداد ہی جانا چاہتے تھے نا؟

خوبیں اب بغداد کی نسبت یہاں زیادہ کام ہے۔

بہت اچھا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تیمور ملک نے یہ کہہ کر ایک سپاہی کو اپنا گھوڑا  
اور تلوار طاہر کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔

(۵)

خوارزم شاہ کی پہلی شکست کے بعد سرحد کے اور بہت سے شہروں کی طرح  
وقند کی آبادی کا بہت ساحصہ مغرب کے شہروں کی طرف ہجرت کر چکا تھا۔ اس کے  
بعد جب تیمور ملک کو سلطان نے مزید سپاہی بھیجنے سے انکار کر دیا تو اس نے رہے  
سے بے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو شہر سے نکال کر محفوظ  
مقامات پر پہنچا دیں۔ لیکن اس کے باوجود وقند کی آبادی کا قریباً تیسرا حصہ ابھی تک  
شہر میں موجود تھا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ خوارزم شاہ کی شکست کا باعث اس کی  
فوج کی کمزوری کی بجائے پیماڑی علاقے کے نشیب و فراز سے ناواقفیت تھی اور  
تاتاری اپنی فتح کے باوجود وقند کی طرف بڑھنا پسند نہیں کریں گے۔ لیکن تاتاریوں  
کے سرحد عبور کرنے کی خبر سے شہر کے لوگوں میں افراتفری پھیل گئی اور وہ اپنی عورتوں  
اور بچوں کو ساتھ لے کر برف باری کے طوفان کے باوجود ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

تیمور ملک کی فوج نے اس پاس کی پیماڑیوں میں سورجے بنایا کرتا تاری فوج کے  
ہر اول دستے کو تین دن تک وقند سے دور رکھا۔ حملہ آور تاتاریوں کی تعداد میں آئے  
دن اضافہ ہوا تھا۔ ان تین دن کے معرکوں میں تیمور ملک کے جانبازوں نے جان

تو ہملوں سے کئی دفعہ تاتاریوں کو پچھے دھکیا ایکن ان کی کثرت کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ چوتھے روز جب تیمور ملک کے ساتھ صرف ایک ہزار جاں شارہ گئے، اسے جاسوسوں نے خبر دی کہ چنگیز خان کا بیٹا روچی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔

اب ملک کی آخری جائے پناہ دریا کے درمیان ایک ٹاپو تھا جس کی حفاظت کے انتظامات وہ کئی ماہ پیشتر کر چکا تھا۔ کسی زمانے میں قومند کے حکمران اور اونچے طبقے کے لوگ اسی ٹاپو میں رہتے تھے۔ قدیم قلعہ اور چند اجزی ہوئی عمارتیں اب تک موجود تھیں۔ تیمور ملک نے رات کے وقت اپنی فوج اور شہر کے رہے سبے باشندوں کو جو اس کے ساتھ جینا اور مرننا قبول کر چکے تھے کشتیوں کے ذریعے اس ٹاپو پر اتار دیا اور چند سواروں کو خوارزم کے پاس گم کیجئے کی آخری درخواست کے ساتھ روانہ کر دیا۔

ٹاپو کے قریب دریا کا پاث اس قدر چوڑا تھا کہ دونوں کناروں سے حملہ آوروں کی مان سے نکلے ہوئے تیر مشکل سے یہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ تیمور ملک نے چند ماہ کے لیے سامانِ رسید بھی اس ٹاپو پر جمع کر رکھا تھا۔ زوچی نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہ ٹاپو جلد فتح نہیں ہو سکے گا۔ یہاںم اپنے ایک نائب کے سپرد کر دی اور آدھی فوج اس کی قیادت میں دے کر خود باقی فوج کے ساتھ جنوب مغرب کا رُخ کیا۔

تاتاری قرب و جوار کی تمام آبادیوں کے باشندوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہاٹک کر لے آئے اور انھیں دریا کے کنارے سے ٹاپو کے سرے تک پھروں سے راستہ بنانے کے کام پر لگا دیا۔ ہزاروں بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد تاتاریوں کی

نگی تلواروں کے پہرے میں پھر اٹھا کر لاتے اور دریا میں پھینک دیتے۔ دریا کے کنارے سے پھروں کا یہ راستہ آہستہ ناپوکی طرف بڑھنے لگا۔ تیمور ملک نے اس خطرے کو فرا محسوس کیا۔ اس نے چند بڑی بڑی کشتیوں کے گرد لکڑی کے تختوں کے سورچے بنوائے اور ان کے اندر اپنے بہترین تیر انداز بٹھا کر کنارے پر جمع ہونے والے تاتاریوں پر حملہ شروع کر دیے۔ ان حملوں سے شروع شروع میں تاتاریوں کا بہت نقصان ہوا۔ بعض اوقات جان کے خوف سے راستے کی تعمیر کے لیے پھر اٹھانے والے لوگ تاتاریوں کو کشتیوں پر حملے کرنے والوں کی طرف متوجہ پا کر اچانک ان پر پھروں کی بارش شروع کر دیتے۔ اور اس کے بعد زندگی اور موت کی سے بے پرواہ کر دریا میں چھلانگیں لگادیتے۔ کسی کی جان حملہ آوروں کی کشتیوں کے باعث بچ جاتی اور کوئی تیر کر جزیزے تک جا پہنچتا لیکن اکثر دریا کی موجودی یا تاتاریوں کے تیروں کا شکار ہو جاتے۔

ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے تاتاری کشتیوں کے خلاف مخفیقیں استعمال کرنے لگے۔ مخفیت سے پھروں کی بجائے وہ کھولتے ہوئے تیل یا جلتی ہوئی گندھک کی ہانڈیاں پھینکتے اور کشتیوں کو آگ لگادیتے۔ تیمور ملک نے اس نے حرربے کا مقابلہ کرنے کے لیے کشتیوں پر چھتیں ڈلوادیں اور ان کے اوپر مٹی کا پلستر کرایا اور اندر بیٹھنے والے تیر اندازوں کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ چھوڑ دیے لیکن مدافعت کی ان تمام کوششوں کے باوجود تاتاریوں کی بے شمار فوج کے سامنے تیمور ملک کی کوئی پیش نہ گئی اور دریا کے کنارے سے ناپوکی طرف راستہ بڑھتا گیا۔

علاء الدین محمد خوارزم شاہ تاتاریوں سے پہلی شکست کے بعد اس قدر بد دل

ہو چکا تھا کہ اس نے تیمور ملک کے متعدد پیغامات کے باوجود کوئی کمک نہ بھیجی بلکہ اسے یہ حکم دیا کہ وہ ٹاپو کی مدافعت کا خیال چھوڑ کر اس سے آملے۔ لیکن تیمور کی غیرت نے اپنے ساتھیوں کو مصیبت میں چھوڑنا گوارانہ کیا۔ جب راستہ ٹاپو کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ تاتاری ٹاپو کے سورچوں پر مجھیت سے پتھرا اور آتش گیر مادہ پھینک سکتے تھے تو تیمور ملک کے لیے ٹاپو خالی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

(۶)

ایک شام تیمور ملک نے اپنے ساتھیوں کو جزیزہ خالی کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ رات کے وقت آسمان پر بادل چھمار ہے تھے۔ تیمور ملک کے تمام ساتھی اشتبیوں کے بیڑے پر سوار ہو کر زیادہ دُور نہیں گئے تھے۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ تیمور ملک نے بادلوں کے باعث رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو اپنے لیے تائید غلبی سمجھا تھا لیکن بارش ہونے کے بعد جب بجلی بھی چمکنے لگی تو اُسے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ اگر کنارے کی چوکیوں کے تاتاری باخبر ہو گئے تو اسے بہت بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آدمی رات کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کا خدشہ غلط نہ تھا۔ بجلی کی چمک میں اسے دونوں کناروں پر تاتاری سواروں کے دستے دکھائی دیے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ان کے ہمراہ پیادہ سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد دکھائی دی۔ تیمور ملک کی کشتی پر اس کی فوج کے چیدہ چیدہ افسر سوار تھے۔ اس نے ان کا مشورہ طلب کیا اس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ گھنے جنگل میں پہنچ کر کشتیاں کنارے لگادی جائیں۔ تاریکی میں اگر تاتاریوں سے مقابلہ ہوا بھی تو بعض آدمیوں کو چھپ چھپا کر ادھر ادھر بھاگ جانے کا موقع مل جائے گا۔ تیمور ملک نے سب کی رائے سننے کے بعد کہا۔ طاہر اب تک خاموش ہے میں اس کی رائے بھی سنتا چاہتا ہوں۔

کشتنی کے کونے سے جواب ملا۔ میرے خیال میں ہمارے لیے دو ہی راستے ہیں۔ پہاڑا یہ کہ ہم کنارے پر کسی جگہ پاؤں جما کر آخری دم تک لڑیں۔ جنگل ہو یا میدان یہ تمام علاقہ تاتاریوں سے پٹا پڑا ہے اور ہمارے لیے بھاگنے کے راستے بہت کم ہوں گے۔ ایسی صورت میں میں اگر ایک جان کے بد لے دونہیں تو ایک جان لینے کا قائل ہوں۔ اگر کسی ایک جگہ دریا کے کنارے اُترے کے بعد ادھر ادھر بھاگتے ہوئے دشمن کے تیروں کا شکار ہونا ہے تو بہتر یہی ہے کہ ہم ان کے تیر پیچھے پر کھانے کی بجائے سینے پر کھائیں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہر ایک یا آدھ کوں پر ایک کشتنی پیچھے چھوڑ دی جائیں۔ اور جب دوسری کشتنیاں آگے جائیں تو اس کے سوار اُترتے جائیں اور خالی کشتنی کو پانی میں دھکلتے جائیں۔ تاتاری یقیناً باقی بیڑے کے ساتھ چلتے رہیں گے اور پیچھے رہنے والی کشتنیوں کے سواروں کو جان بچانے کا موقع مل جائے گا۔ تعاقب کرنے والوں کو غلط فہمی میں بتا رکھنے کے لیے ہم بیڑے پر سے بھلی کی روشنی میں تیر چلاتے رہیں گے۔ اس صورت میں طوع سحر تک ہمیں ادھر اُدھر بھاگنے کا وقت مل جائے گا۔ آخری چند آدمیوں کو شاید اپنی کشتنیاں کنارے تک لا گئے کا وقت نہ ملے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ بہترین تیراک ہوں۔

ظاہر کی دوسری تجویز کے ساتھ سب نےاتفاق کیا لیکن تیمور ملک نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ خالی کشتنی جب دریا میں دھکیلی جائے گی تو یہ ممکن نہیں وہ باقی بیڑے کی طرح منجد حار میں چلتی رہے۔ بیڑے کی تعداد برقرار رکھنے کے لیے اسے بیڑے کے ساتھ شامل کرنا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے باقی بیڑے کی رفتار کم کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کنارے سے دور رہے اور کشتنی خالی ہونے کی صورت میں یہ دونوں باتیں مشکل ہیں۔

تحوڑی دیر کی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ ہر کشتی پر ایک رضا کار ایسا ہو جسے تیرنا آتا ہوا اور جو سواریوں کو کنارے پر اٹا رکھنی کشتی لے آئے۔

بارش کھم چکی تھی۔ بادلوں کی کھٹی ہوتی سیاہ چادر میں سے کہیں کہیں ستارے جھانک رہے تھے۔ ایک گھنے جنگل میں پہنچ کر پہلی کشتی کو پیچھے چھوڑ دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب یہ کشتی اپنی سواریوں کو کنارے پر چھوڑ کر بیڑے سے آمدی اور اس میں سوار ہونے والے رضا کار نے اپنے ساتھیوں کے نج نکلنے کا یقین دلا یا تو دوسری کشتی پیچھے چھوڑ دی گئی۔

رات کے آخری پہر بیڑے کی کشتیوں پر صرف تیس رضا کار سوار تھے اور باتی کناروں پر اُتر پھکتے تھے۔ کناروں پر تعاقب کرنے والے تاتاری سواروں کے گھوڑوں کی ناپوں کی آواز بدستور آرہی تھی۔ تیمور ملک نے رضا کاروں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یکے بعد دیگرے دریا میں کوڈ کر کنارے پر پہنچنے کا حکم دیا اور جب تمام کشتیاں خالی ہو گئیں تو اس نے اپنے آخری ساتھ سے جو اس کشتی میں سوار تھا کہا۔ طاہر! اب وقت ضائع نہ کرو۔ کشتیاں منتشر ہو رہی ہیں، ان میں سے کوئی کنارے جا لگی تو تاتاری باخبر ہو جائیں گے۔ اب جلدی کرو۔ اگر تم تیرنا نہیں جانتے تو ایک کشتی کنارے پر لگالو!

طاہر نے جواب دیا۔ میں تیرنا جانتا ہوں لیکن آپ؟

تیمور ملک نے مغموم آواز میں کہا۔ مجھے ڈوبتے ہوئے چہاز کے ملاح کا فرض ادا کرنے دو۔ جب تم کنارے پر پہنچ جاؤ گے تو میں بھی اپنی جان بچانے کی کوشش کروں گا۔

طاہر کو تذبذب کی حالت میں دیکھ کر تیمور ملک نے کہا۔ میں حکم عدوں کی کو اچھا

نہیں سمجھتا۔ جلدی کرو۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں آپ کے حکم کی تعییل سے انکار نہیں کرتا لیکن میری ایک خواہش ہے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ میں اب کسی خواہش کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ کہو کیا کہتے ہو لیکن وقت ضائع نہ کرو۔ اب پوچھنے والی ہے۔

طاہر نے کہا آپ وعدہ کریں کہ اس کے بعد اگر زندگی میں کبھی مجھے آپ سے کوئی درخواست کرنے کا موقع ملتے تو آپ اسے رد نہیں کریں گے۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ تم اپنے آپ کو ایسے وعدے کا حق دار ثابت کر چکے ہو۔ جاؤ میں ایک کی بجائے تمہاری دو درخواستیں قبول کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔

طاہر خدا حافظ کہہ کر آہستہ سے پانی میں اُتر اور کنارے کی طرف تیرے نے لگا۔ رات بھر کی سردی اور بے آرامی سے اس کا جسم شل ہو رہا تھا۔ دریا کا پانی ناقابل برداشت حد تک خھنڈا ہتا۔ وہ جوں توں کر کے کنارے پر پہنچا تو اسے ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ چند سوار کنارے پر سے گزر رہے تھے۔ طاہر کنارے پر گرے ہوئے ایک درخت کی جڑ پکڑ کر کچھ دیر پانی میں چھپا رہا اور جب یہ سوار گزر گئے تو اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن اب اسے پیداہ سپاہیوں کے چند دستے دکھائی دیے۔ طاہر کا جسم بالکل سن ہو چکا تھا۔ جب وہ بھی گزر گئے تو ان کے پیچھے کچھ فاصلے پر اسے پھر گھوڑوں کی ناپ سنائی دی۔ طاہر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ وہ جلدی سے باہر نکلا،

ایک درخت کے تنے کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ کنارے پر گھنے درختوں اور تاریکی کی وجہ سے تاتاری یکے بعد دیگرے منتشر اور غیر منظم صورت میں آگے بڑھ

رہے تھے۔

طاہر نے کچھ سوچ کر نیام سے تلوار نکال لی۔ جب پندرہ میں سوار گزر گئے تو اسے کنارے سے ایک طرف زیادہ گھنے درختوں کے درمیان ایک گھوڑے کی آہٹ سُنائی دی۔ وہ درختوں کی شاخوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا دبے پاؤں آگے بڑھا۔

سوار اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا اور اس کے جواب میں وہ اسے اپنے پاس بلا رہے تھے۔ طاہر نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور جس طرف سوار کے گھوڑے کا رخ تھا۔ اس طرف بڑھ کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد طاہر کا ایک ہاتھ گھوڑے کی باغ پر تھا اور دوسرے ہاتھ اس کی تلوار سوار کی موت کے گھاث اُتار چکی تھی۔ طاہر نے جلدی سے نیچے گر کر تڑپتے ہوئے تاری کی ٹوپی اور پوستین اُتار کر پہن لی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

(۷)

صحح کے آثار نمودار ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ تیمور ملک اپنی کشتی چھوڑ کر پانی میں تیرتا ہوا دریا کے کنارے پہنچا تو اسے درخت کی آڑ سے آواز سُنائی دی۔  
— تیمور!

اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور فوراً تلوار نیام سے نکال کر خطرے کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔

درخت کی آڑ سے پھر کسی نے کہا۔ گھبراؤں میں میں ہوں طاہر!  
تیمور ملک جلدی سے درخت کے قریب پہنچا۔ طاہر گھوڑے کی باغ تھامے کھڑا تھا۔ تیمور ملک نے جلدی سے کہا۔ گھوڑا حاصل کر لینے کے بعد بھی تم یہاں

کھڑے ہو؟

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ گھوڑا آپ کے لیے ہے۔ اب جلدی کریں۔

تیمور نے جواب دیا۔ میں اپنے مقدر کی دلدل سے نکلنے کے لیے کسی کی لاٹھی چھیننا نہیں چاہتا۔

طاہر نے جواب دیا آپ نے میری دو درخواستیں قبول کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور یہ پہلی درخواست ہے۔

تیمور ملک نے لا جواب سا ہو کر کہا۔ یہاں بحث کرنا ٹھیک نہیں آؤ۔ میرے ساتھ۔

طاہر اپنے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ تھامے تیمور کے ساتھ چل دیا۔ کنارے سے کوئی تین سو گز دور پہنچ کر تیمور کا اور کہنے لگا۔ کیا مجھ سے وعدہ لیتے وقت تمہاری نیت یہی تھی؟

ہاں!

تمھیں یقین تھا کہ تمھیں گھوڑا مل جائے گا اور تم مجھے پیش کرو گے؟

یہ میرا ارادہ تھا، خدا کا شکر ہے کہ پورا ہوا۔

تیمور ملک نے طاہر کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر سور ہو کر کہا تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔

طاہر نے جواب دیا اس طرح ہم دونوں رہ جائیں گے۔

تیمور ملک نے کہا۔ خدا پر اس قدر بھروسہ رکھنے والے انسان کو ما یوس نہیں ہونا چاہتے۔ شاید تمہاری وجہ سے میں بھی نیچ جاؤں۔ جلدی کرو۔ تاتاریوں کی آوازیں

آرہی ہیں۔ شاید انہوں نے خانی کشتیاں دیکھ لی ہیں۔

طاہر فوراً تیمور ملک کے پیچھے بیٹھ گیا۔ کوئی دو کوس جنگل عبور کرنے کے بعد پیاریوں کا سلسہ شروع ہوا۔ طاہر نے گھوڑے کی تھکاوٹ محسوس کر کے چند بار اُترے کی خواہش طاہر کی لیکن تیمور ملک نے ایک نہ سُنی۔

سُورج کی پہلی شعاع کے ساتھ ایک تنگ گھائی سے گزرتے ہوئے طاہر نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو تاتاری سواروں کا ایک گروہ سر پٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔

طاہر نے کہا وہ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ خدا کے لیے مجھے اُتار دیجیے۔ میں اس گھائی پر انہیں روک سَتا ہوں۔ آپ کوچ نکلنے کا موقع مل جائے گا۔  
تیمور ملک نے گھوڑا روک کے بغیر پوچھا وہ کتنے ہیں؟

”سات“

تو میں بھی تمہارے ساتھ اُترتا ہوں۔

لیکن کون کہہ سَتا ہے کہ ان کے پیچھے لشکر نہیں ہو گا؟  
یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں اکیلانہیں چھوڑ سَتا۔

طاہر نے کہا آپ میری دو درخواستیں پورا کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور میری دوسری درخواست ہے کہ آپ مجھے اُتار دیں۔

لیکن میں اپنے لیے تمہارے اس ایشار کی وجہ پوچھ سَتا ہوں؟

طاہر نے جواب دیا۔ خوارزم تاتاریوں کے سیااب کے سامنے آخری چٹان ہے اور اس چٹان کو آپ جیسے محافظت کی ضرورت ہے۔ میں آپ پر احسان نہیں کرتا عالم اسلام کی ایک خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ خوارزم شاہ کو چند بزدل مشیروں نے ناکارہ بنادیا ہے۔ آپ اس میں زندگی کی روح پھونک سکتے ہیں۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ میں صرف سپاہی ہوں۔ تلوار سے کاشنا جانتا ہوں۔

قوم میں زندگی کی روح پھونکنا تم جیسے لوگوں کا کام ہے۔ تم جاؤ۔ میں گھوڑے سے اُتر کر ان کا راستہ روکتا ہوں۔

طاہر نے کہا! اپنا وعدہ نہ بھولیے۔ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ ہم ایک بار پھر ملیں گے۔ طاہر یہ کہہ کر بھاگتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اُتر گیا۔ تیمور ملک نے گھوڑا روک لیا اور کہا۔ تمہارے سرکش میں کتنے تیر ہیں؟

طاہر نے جواب دیا پان۔

تیمور ملک نے اپنا ترکش اٹا رکراں کی طرف پھینک دیا اور کہا۔ چھ سات اس میں بھی ہوں گے۔ کاش خوارزم کی فوج میں تمہارے جیسے پانچ سو سپاہی اور ہوتے؟ تیمور ملک نے گھوڑے کو سر پٹ چھوڑ دیا اور طاہر تنگ گھائی کے موڑ کے قریب چند گز پہاڑی کے اوپر چڑھ کر ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔

(۸)

جب پہا اسوار گھائی کے موڑ پر گزر کر چند گز آگے نکل گیا تو طاہر نے تیر چلا دیا اور وہ گھوڑی دور آگے جا کر گھوڑے کی ننگی پیٹھ سے گر پڑا۔ اتنی دیر میں دوسرا اسوار موڑ نکل کر طاہر کے تیر کی زد میں آچکا تھا۔ طاہر کا دوسرا تیر بھی انشتا نے پر لگا لیکن تین اور سوار ایک ساتھ نہ مودار ہوئے۔ طاہر نے ان میں سے ایک کو گرا لیا تو باقی دو گھوڑے روک کر مر نے کی کوشش کی لیکن اوپر سے یکے بعد دیگرے دو تیر آئے اور ایک تاتاری زخمی ہو کر گر پڑا۔ دوسرے نے اپنے گھوڑے کی پناہ لے کر جان بچائی۔ اور بلند آواز سے پچھے آنے والے ساتھیوں کو باخبر کر دیا۔ جب تک طاہر نے دوسرا تیر چڑھایا، تاتاری گھوڑے سے گود کر ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ چکا تھا اور بدستور بلند

آواز سے پچھے آنے والے ساتھیوں کو پکار رہا تھا۔

طاہر اپنا مورچہ چھوڑ کر پتھروں کی آڑ لیتا ہو پیاڑی کے اوپر سے گھائی کے موڑ کی دوسری طرف جا پہنچا۔ نیچے کوئی تمیں چالیس گز کے فاصلے پر دوسار گھوڑے روک کر موڑ کے دوسرے سرے سے پکارنے والے ساتھی کی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔ طاہر پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔

یہ دونوں سوار ایک دوسرے سے تاتاری زبان میں کچھ کہنے کے بعد گھوڑوں سے اتر پڑے اور انھیں ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد دونوں پیاڑی کی ایسی ڈھلوان پر پہنچ چکے تھے جس پر چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اچانک طاہر کی مان سے یکے بعد دو تیر نکلے وہ دونوں لڑھکتے ہوئے کئی گز نیچے چلے گئے۔ طاہر پتھر کی آڑ سے سر زد کر نیچے دیکھ رہا تھا اُسے اپنے سامنے ایک متھر ک سایہ دکھانی دیا۔ اس نے جلدی سے مُرد کر دیکھا اور اپنے جسم میں ایک کیپاہٹ محسوس کی۔ دائیں ہاتھ چار پانچ قدم کے فاصلے پر ایک تاتاری ہاتھ میں تلوار لیے اس پر کو دنے والا تھا۔

طاہر جلدی سے مان پھینک کر اٹھا۔ اس کا ہاتھا بھی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچا تھا کہ تاتاری نے جست لگا کر اس پر وار کر دیا۔ طاہر اچانک ایک طرف جھکا اور تاتاری کی تلوار اس کے جسم کے ساتھ مس کرتی ہوئی پتھر سے جاٹکرائی۔ تاتاری کے دوسرے وار سے پہلے طاہر ایک طرف کو دکراپنی تلوار نیام سے زد کا تھا۔

چند بار دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں اور تاتاری اپنے حریف کو خطرناک سمجھتے ہوئے پچھے ہٹنے لگا۔ اس نے چند بار پاؤں جما کر اڑنے کی کوشش کی لیکن اس کی پیش نہ گئی۔ چٹان کے آخری سرے پر پہنچ کر طاہر کی تلوار اس کے سر پر گلی اور وہ اڑ کھڑا تا ہوا نیچے ایک کھڈ میں جا گرا۔

طاہر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر پیاروں سے نیچے اُتر اور جھاڑی کے ساتھ بندھے ہوئے دو گھوڑوں میں سے ایک پر سوار ہو گیا۔ جب وہ موڑ پر سے گزر رہا تھا تو اس کے تیروں سے زخمی ہونے والے تاتاریوں میں سے ایک نیم نگل اپنا سر پتھر کے ساتھ بخ رہا تھا۔ طاہر نے گھوڑے سے اُتر کر اس کے ترکش سے تیر نکال کر اپنے ترکش میں ڈال لیے اور پھر سوار ہو گیا۔

طاہر گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا ہوا وادیوں اور پیاروں سے گزر رہا تھا۔ بعض دشوار گزار پیاروں میں اسے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کرنا پڑی۔ راستے کے متعلق اسے کوئی علم نہ تھا۔ پیاری ندیوں میں پانی کی کمی نہ تھی۔ لیکن وہ بھوک سے ٹھڈھال ہو رہا تھا۔ رات بھر کی سردی نے اس کے اعضا شل کر دیے تھے اور اب صبح کی ڈھوپ کے باوجود سرد ہوا کے جھونکے ناقابل برداشت تھے۔ راستے میں چند ایسی بستیاں آئیں جہاں جلتے ہوئے مکانات اور عورتوں، مردوں اور بچوں کی بے گور و کفن لا شیں تاتاریوں کی بربریت کی شہادت دے رہی تھیں

دوپہر کے وقت طاہر ایک وسیع میدان میں سے گزر رہا تھا۔ آسمان پر بادل چھار ہے تھے اور سردی ہر لمحہ زیادہ ہو رہی تھی۔ تیرے پہر برف گرنے لگی۔ طاہر کا گھوڑا قریبا جواب دے چکا تھا اور گردن ڈھیلی چھوڑ کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ برف کے طوفان میں طاہر کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کا رُخ کس طرف ہے لیکن اس نے رُکنے کی بجائے آگے بڑھنا مناسب سمجھا۔

عصر کے وقت گھوڑے نے برف پر گر کر دم توڑ دیا۔

طاہر نے بمشکل کوئی دو کوس راستہ پیدل طے کیا اور اس کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔ برف کا طوفان بڑھتا جا رہا تھا اور رات سر پر کھڑی تھی۔ طاہر کے

دماغ پر غنو دگی سی طاری ہو رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ برف پر لیٹ کر سو جائے۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ نیند اس کی آخری نیند ثابت ہو گی۔ وہ دل مضبوط کر کے تیزی کے ساتھ چلنے لگا لیکن چند قدم چلنے کے بعد اس کے اعضاء پھر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ مذہبی حال سا ہوا کہ برف پر بیٹھ گیا۔ لیکن انسان کی فطرت میں زندہ رہنے کی خواہش آخری وقت تک مایوسیوں سے جنگ کرتی ہے۔ طاہر ایک بار پھر اٹھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور انہائی عاجزی کے ساتھ دعا کی۔

”اے زمین و آسمان کے مالک! میری زندگی کا کوئی مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اب مجھ میں آگے بڑھنے کی بہت نہیں۔ میں تیری پناہ لینا چاہتا ہوں اور تجھی سے مدد مانگتا ہوں لیکن اگر میرے مقدر میں موت کے سوا کچھ نہیں تو مجھے ایک مومن کا حوصلہ عطا کر!“

اس دُعا کے بعد طاہر نے محسوس کیا کہ وہ زندگی کے بوجھ سے سبکدوش ہو چکا ہے۔ وہ بیٹھنے کو تھا کہ اچانک ایک آواز نے اس کی رگوں کے مخمد خون میں حرارت پیدا کر دی۔ یہ ایک گھوڑے کے ہنہنائے کی آواز تھی۔ طاہر نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی پیچا س قدم کے فاصلے پر ایک گھوڑا کاں کھڑے کر کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

طاہر بھاگتا ہوا گھوڑے کے قریب پہنچا۔ گھوڑا ایک دو قدم آگے بڑھ کر اس کے سینے سے اپنا منہ رگڑنے لگا۔ اس پر برف میں الٹی ہوئی زین دیکھ کر طاہر نے محسوس کیا کہ یہ کسی مسلمان مجاہد کا رفیق کا رزارہ رہ چکا ہے۔

طاہر نے زین سے برف جھاڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے اس کی مرضی پر

چھوڑ دیا۔ گھوڑا چند قدم آگے چل کر پھر اپنی جگہ آڑ کا اور ایک ابھری ہوئی جگہ پر سُم  
مارنے لگا۔ طاہر نے جلدی سے نیچے اُتر کر برف اوہراؤہرہ ہٹائی تو نیچے ایک انسان  
کی لاش تھی۔ اس کی پسلی اور پیٹھ میں دو تیر پیوس تھے۔ طاہر نے اذالہ و اذالیہ  
راجعون کہہ کر اس کا جسم پھر برف میں چھپا دیا اور گھوڑے کو تھکنی دے کر پھر اس  
پرسوار ہو گیا۔

زندگی کی نئی امید نے طاہر کے رُگ و ریشے میں ایک نئی حرارت پیدا کر دی تھی  
اس نے کچھ دور چل کر گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں ہاتھ ڈالا  
اس میں گوشت اور پنیر کے چند نکڑے تھے۔

پیٹ بھرنے کے بعد طاہر نے قدرے تقویت محسوس کی۔ گھوڑا آہستہ آہستہ  
اپنی مرضی سے جارہا تھا۔ طاہر نے اس کا رُخ بد لئے یا اسے روکنے کی ضرورت نہ کی

## تریا

شام کے ڈھنڈ لکے میں ظاہر ایک ویران بستی میں داخل ہوئے۔ ابڑے ہوئے مکان گواہی دے رہے تھے کہ تاتاریوں کے سیاہ کی کوئی اہر اس بستی سے گزر جگی ہے۔ گھوڑے کی رفتار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ آس پاس کا کوئی مکان اس کی منزل مقصود نہیں۔ ظاہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کسی مکان کے روزان سے روشنی کی جھلک تلاش کر رہا تھا۔ اکثر مکانوں کے دروازے گھلے تھے اور ان کے سامنے برف کے ڈھیر یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ان کے اندر کوئی نہیں۔

ایک مکان کے بند دروازے کے قریب پہنچ کر ظاہر نے تلوار کی نوک سے ایک کواڑ اندر کی طرف دھکیا، دروازہ گھل گیا لیکن اندر سے گلی سڑی لاشوں کی ناقابل برداشت بدبو نے ظاہر کا راستہ روک لیا۔

گھوڑے نے کان کھڑے کر کے گردن ہلانی اور آگے بڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ظاہر نے گھوڑے کو تھیکی دے کر اس کی باغ ڈھیلی چھوڑ دی اور کہا۔ میرے دوست! اب میری ہمت جواب دے رہی ہے اگر تمھیں کوئی گوشہ عافیت معلوم ہے تو جلدی پہنچو!

جب گھوڑا بستی سے باہر نکل رہا تھا، ظاہر کو آخری بار خیال آیا کہ شاید گھوڑے کی فراست پر اعتماد کرنا عقل مندی نہ ہو۔ رات کی تاریکی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی تھی۔ ظاہر نے ایک بار گھوڑے کو روکا اور بلند آواز سے پکارنے لگا۔ کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ اس کی آواز رات کے سناٹ میں فنا ہو گئی اور اس کے بعد ایک طرف سے بھیڑیوں کی چیخوں نے اس خیال کی تردید کر دی۔ اس کا گھوڑا پہلی بار ایک تحریر جھری لینے کے بعد ہنہنایا۔ اس کی ہنہنائیٹ اپنے سوار سے یہ کہہ رہی تھی۔ ما یوں

کیوں ہوتے ہو منزل آچکی ہے۔

طاہر نے پھر گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ بستی سے جھوڑی دور آگے جا کر گھوڑا گھنے درختوں میں گزرتا ہوا ایک ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ برف باری اور تاریکی میں طاہر کے لیے وو قدم آگے دیکھنا بھی مشکل تھا۔

ٹیلے کی چوٹی پر ایک دیوار کے قریب پہنچ کر گھوڑا امڑا اور دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف ہولیا اور چند قدم پروہ ایک کھلے دروازے سے گزر کر چھناتا ہوا اندر داخل ہوا۔

طاہر کے سامنے ایک بلند مکان تھا۔ وہ قوت ارادی جس کے باعث وہ یہاں پہنچا تھا۔ اب جواب دے چکی تھی۔ جلتی ہوئی انگیڈھی کے سامنے لیٹ کر سو جانا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

مکان کی ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا تھا لیکن اندر روشنی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ گھوڑا ڈیوڑھی میں داخل ہو کر رُک گیا۔ طاہر گھوڑے سے اُترًا۔ اس کے پاؤں سن ہو چکے تھے۔ ناگوں میں جسم کا بوجھاٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے سوچا شاید اس مکان میں بھی کوئی نہ ہو۔ شاید گھوڑے نے اس کی آخری منزل کے لیے اس بستی کے اجزے ہوئے مکانوں میں سے بہترین مکان منتخب کیا ہو۔ وہ اپنی ساری طاقت کے ساتھ چلانے لگا۔ کوئی؟ کوئی نہ ہے؟ اور اس کی آواز پھر کی دیواروں سے نکلا۔ نکلا کرو اپس آنے لگی۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر دیواروں کو ٹھولتا اور بدستور چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوا اور اس کمرے کی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے سرے تک جا پہنچا لیکن کہیں سے اسے اپنی آواز کا جواب نہ آیا۔ معاً سے خیال آیا کہ وہ ریت پر

امیدوں کا محل تعمیر کر رہا ہے۔ اگر یہاں کوئی انسان ہوتا تو مکان کے تمام دروازے کھلنے ہوتے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ اس وقت آگ کی ایک چنگاری میری جان بچا سکتی ہے۔ لیکن آگ جلانے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ اچانک اس نے اپنے پاؤں کے نیچے کوئی زمٹ محسوس کی۔ اس نے جھک کر ہاتھوں سے ٹوٹا تو یہ ایک پوتین تھی۔ اس نے فرش پر بیٹھ کر پوتین اپنے گرد پیٹ لی اور جلد ہی یہ محسوس کیا اس کی بدولت اس کی کھوئی ہوئی حرارت واپس نہیں آ سکتی لیکن چند گھنٹیاں پیش اس نے گھوڑے کو تائید غبی سمجھاتا۔ اب بھی اس کا ضمیر یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تہاچھوڑ دے گا۔ اسے یقین تھا کہ خدا نے اسے اپنی رحمت سے یہاں تک پہنچایا ہے۔ خدا سے اس نے ایک اعلیٰ مقصد کے لیے زندہ رہنے کی دعا کی تھی اور یہ مقصد یہاں پہنچ کر پورا نہیں ہوتا۔ یہ مکان اس کی آخری منزل نہیں۔ قدرت فقط اس کا امتحان لینا چاہتی ہے۔ ماہیوں ہونا مومن کی شان نہیں۔ یہ رات گزر جائے گی۔ صبح کو سورج کی حرارت اسے نئی زندگی کا پیغام دے گی اور یہ بھی ہو ستا ہے کہ اس مکان کے کسی گوشے میں کوئی اللہ کا بندہ آگ جلا کر اس کا انتظار کر رہا ہو۔ اس ذہنی کشمکش کے دوران اسے نماز کا خیال آیا۔ اس نے جلدی سے تنیم کیا اور اپنی رہی سہی طاقت کو بروے کار لاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

نماز کی نیت کا ارادہ کرے ہی اس کے دل میں خیال بیدا ہوا۔ ہو ستا ہے کوئی اس مکان کے کسی گوشے میں تاتاریوں کے خوف سے چھپ کر بیٹھا ہو! اس نے باند آواز میں اذان دی اور ایک لمحہ انتظار کرنے کے بعد کسی کی آمد سے ماہیوں ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز میں محو ہونے کے بعد جسمانی تکلیف کا احساس آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

نماز ختم کر کے دُعا کے وقت کمرے میں اچانک دُھندلی سی روشنی دیکھ کر اس کا دل  
دھڑ کنے لگا اس نے جلدی سے پچھے مڑ کر دیکھا۔

(۲)

ایک آٹھ سال کا بچہ ہاتھ میں مشعل لیے کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک  
نو جوان تھا جس کے ہاتھ میں نگانی تلوار تھی۔ نو جوان کے چہرے میں غایت درجہ کی  
جاڈ بیت تھی۔ لباس سے وہ ایک ترک سپاہی معلوم ہوتا تھا۔ طاہر نے اپنی زندگی میں  
کسی انسان کا اس سے زیادہ انفریب چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک لمبے کے لیے اس  
کی طرف بہوت سا ہو کر دیکھتا رہا۔ کمن اڑ کے اور اس نو جوان کی صورت میں کافی  
مشابہت تھی۔

طاہر نے یہ محسوس کہ خدا نے اس کی رہنمائی کے لیے آسمان سے دو فرشتے  
بھیجے ہیں۔ دونوں پریشانی کی حالت میں اس کی طرف گھور رہے تھے۔ طاہر نے  
السلام علیکم کہا۔ کمن اڑ کے اور نو جوان نے ایک ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا۔  
لیکن اڑ کے سے زیادہ نو جوان کی آواز کا ترجمہ تھوڑی دیر کے لیے اس کے کانوں میں  
گونجتا رہا۔

نو جوان نے عربی زبان میں کہا۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ عرب ہیں؟  
طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔ آپ نے کیسے پہچانا؟  
آپ کی اذان سن کر۔ آپ کا الجھ عربی تھا۔  
طاہر نے کہا۔ اور اگر میں بھی غلطی نہیں کرتا تو آپ کا الجھ بھی عربوں سے زیادہ  
مختلف نہیں۔

نو جوان کے چہرے پر ایک ہلکی سی اُداس مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے

کہا، میری ماں عرب تھی لیکن یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں۔ آپ برف کے طوفان سے  
گزر کر آئے ہیں۔ آئینے ہمارے ساتھ چلے!

نوجوان کی آواز میں ایک موسیقی تھی۔ وہ موسیقی جو کافیوں کے راستے دل کی  
گہرائیوں تک اُتر جاتی ہے۔

طاہر اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ نوجوان نے دو تین قدم  
اٹھانے کے بعد رُک کر پوچھا۔ لیکن رات کے وقت آپ یہاں کیسے پہنچے؟  
طاہر نے جواب دیا۔ مجھے یہاں سے چند کوں دور برف میں پڑے ہوئے  
ایک مسلمان سپاہی کا گھوڑا مل گیا اور اس گھوڑے نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔

نوجوان کے چہرے پر رنج و افسوس کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا۔ آپ  
نے اچھی طرح دیکھا ہے، وہ سپاہی زخمی تھا یا برف کے طوفان کے باعث ہلاک ہوا  
ہے؟

وہ زخمی تھا، اگر وہ آپ کا کوئی عذر یہ تھا تو مجھے افسوس ہے۔

نوجوان نے کہا۔ وہ ہمارا پرانا خادم تھا۔ میں نے آج اسے ایک ضروری پیغام  
دلے کر سمر قدر روانہ کیا تھا لیکن آپ کے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں۔ آئینے ہمارے  
ساتھ یہ جگہ محفوظ نہیں۔

کمن اڑ کاشم لیے ہوئے آگے چل دیا۔ دو کمروں میں سے گزر کر یہ لوگ ایک  
تگ کوٹھری میں داخل ہوئے۔ نوجوان نے اس کوٹھری کے ایک کونے سے پتھر کے  
فرش کی ایک سل اٹھاتی۔ سل کے نیچے ایک شگاف تھا جس میں سے ایک آدمی با  
آسانی نیچے اُتر سباتا تھا۔ اس شگاف سے لکڑی کی سیڑھی نیچے اُترتی تھی۔ پہاڑ کمن  
لڑکا اور اس کے بعد طاہر اس سیڑھی سے نیچے اُتر کر ایک تھا جانے میں داخل ہوئے۔

سب سے آخر میں نوجوان نے سٹرھی پر پاؤں رکھ کر اوپر کا شگاف اسی سل سے بند کر دیا۔

تہ خانے کے ایک کونے میں آگ جل رہی تھی۔ فرش پر ایک خوب صورت قالمین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف تین چار پوستیں پڑی ہوتی تھیں۔ نوجوان نے طاہر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپکو بھوک لگ رہی ہوگی۔ ہمارے پاس گوشت کے چند سو کھنکڑوں کے سوا کچھ نہیں۔

مجھے آپ کے ملازم کے تسلیے سے کہانے کو بہت کچھ مل گیا تھا۔ اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کمی شے کی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے طاہر نے اپنے موزے اٹا رکر آگے کے سامنے پاؤں پھیلا دیے۔ کمرہ کافی گرم تھا۔ طاہر بیٹھنے بیٹھنے لیٹ گیا۔ حموڑی دیر بعد وہ گھری نیند سور ہاتھا۔ نوجوان نے اٹھ کر اس پر پوستیں ڈال دی۔

(۳)

ایک میٹھی اور دل کش آوازن کر طاہر نے آنکھیں کھولیں اور پریشانی کی حالت میں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں کہاں ہوں؟ اور پھر شمع کی روشنی میں جگانے والے نوجوان کو پہچان کر اپنے سوال کا جواب انتظار کیے بغیر بولا۔ کیا صحیح ہو گئی؟ نوجوان نے جواب دیا۔ اب تو دوپہر ہونے والی ہے۔ آپ بہت دیر سوئے ہیں۔

لیکن ابھی تک کافی اندر ہیرا ہے۔

آپ اس مکان کے تہ خانے میں ہیں۔ دن کی روشنی یہاں تک نہیں پہنچتی۔ طاہر کی آنکھوں سے نیند کا خمار آہستہ آہستہ اتر رہا تھا۔ لیکن گز شستہ جسمانی کوفت کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ اس نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ رات کے وقت

آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اچانک نیند نے آدایا۔ اب آپ بتائیں، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ آپ کا نوکر آپ کو چھوڑ کر کہاں جا رہا تھا؟ میرے خیال میں یہاں ٹھہرنا بہت خطرناک ہے۔ ہمیں بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔

نو جوان نے جواب دیا۔ میں بھی آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن یہ اچھا ہوا کہ آپ کو فوراً نیند آگئی۔ میرے والد اس شہر کے حاکم تھے، سلطان کی شکست کے بعد اس پاس کی دوسری بستیوں کی طرح اس شہر میں بھی خوف و ہراس پھیل گیا اور لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ بلنخ، بخار اور سمر قند کی طرف ہجرت کر گئے۔ میں نے اپنے باپ کے ساتھ رہنے پر اصرار کیا لیکن انہوں نے میرے چھوٹے بھائی اسما عیل کی خاطر مجھے ایک قافلے کے ساتھ بلنخ جانے پر مجبور کیا۔ بلنخ میں میرا نانا ایک مشہور تاجر ہے۔ ہمارے قافلے کی تعداد دوسوکے لگ بھگ تھی جن میں زیادہ عورتیں اور بچے تھے۔ اس شہر سے کوئی بیس کوں کے فاصلے پر رات کے وقت ہمارے قافلے پر تاتاریوں کے ایک دستے نے حملہ کر دیا۔ مردوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ وہ سب ایک ایک کر کے کٹ گئے۔ بعض عورتوں نے بھی اڑ کر جان دی اور باتی زندہ پکڑ لی گئیں، میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اسما عیل کو بچانا تھا، دیشت کی حالت میں اس کی چیزیں میرے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ والد نے مجھے اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا دے رکھا تھا۔ میں نے اسما عیل کو خبر سے اُتار کر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور گھوڑے کو سر پٹ چھوڑ دیا۔ گھنے جنگل اور رات کی تاریکی کے باعث تاتاری میرا پیچھا نہ کر سکے لیکن مجھے اپنی بہنوں کی وہ جگر دوز چیزیں جو میں نے فرار ہوتے وقت سُنبھلیں تھیں، کبھی نہ بھولیں گی۔

نوجوان یہاں تک کہہ کر رُک گیا۔ اس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ طاہر اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ کمن اڑکا چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مغموم چہرے پر گزشتہ واقعات کی یاد کے تکلیف دہ آثار پیدا ہو رہے تھے۔ طاہر نے بیٹھے بیٹھے اس کی طرف ہاتھ پھیلا دیے۔ لڑکے نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ تذبذب کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا اور چند سکیاں لینے کے بعد بھاگ کر طاہر کے ساتھ لپٹ گیا۔ تھوڑی دریاں نے ہونٹ پھینچ پھینچ کر سکیاں ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن جب طاہر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

طاہر نے کہا۔ ڈرونیں، ہم بہت جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔ لڑکے نے کہا۔ لیکن راستے میں تاثاری ہوں گے۔ وہ بچوں کو کھا جاتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے۔

نوجوان نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ اسما عیل مجھے تسلیاں دیا کرتا تھا۔ آج خدا جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔

طاہر نے نوجوان کے کی طرف غور سے دیکھا اور کہا، اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ اسما عیل کی بہن ہیں، بھائی نہیں۔

نوجوان کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اس نے آنکھیں جھکایا۔ طاہر نے کہا، گھبرا یہ نہیں۔ آپ کی عزت اور حفاظت میرا فرض ہے۔ آپ نے اپنی سر گزشت ابھی ختم نہیں کی۔

جب لڑکی نے دوبارہ طاہر کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے آستین سے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔ کاش! اس بے کسی اور

مایوسی کے زمانے میں قدرت ہماری قوم کی بیٹیوں کو مرد بنا دیتی۔ تاتاریوں سے نج کر، ہم پھر گھروپس پہنچ گئے۔ تیرے دن ابا جان کو یہ اطلاع ملی کہ تاتاری سپاہیوں کے دستے شہر پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ابا جان کے پاس صرف چار سو سپاہی تھے، بعض افسروں نے انھیں مشورہ دیا کہ اس مختصر فوج کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنا خود کشی ہے۔ لیکن وہ بہت غیور تھے۔ انھوں نے شہر چھوڑنا گوارانہ کیا۔ ابا جان کو جاسوسوں کی بدولت یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس شہر کا رخ کرنے والے تاتاریوں کی تعداد زیادہ نہیں اور انھیں یقین تھا کہ وہ چند دن تک انھیں شہر سے دور رکھ سکیں گے۔ اتنی دیر میں لبخ یا سمر قند سے کمک ضرور پہنچ جائے گی۔ لیکن قو قند کے متعلق جوابوں میں مشہور ہو رہی تھیں۔ انھوں نے شہر کے لوگوں کو بہت بد دل کر دیا۔ بعض افسرا بے یہ کہتے تھے کہ سلطان نے تیمور ملک کوئی کمک نہیں بھیجی پھر آپ کیسے مدد کی تو قر رکھتے ہیں؟ ابا جان کا آخری جواب یہ تھا کہ میں اپنا فرض پورا کروں گا۔ شام کے وقت انھوں نے فوج کو حکم دیا کہ وہ علی الصبح شہر سے باہر نکل کر تاتاریوں کا مقابلہ کرے لیکن صبح تک قریبادوسو سپاہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ ہمارے محل کے ملازموں میں سے بھی اکثر نے بھاگنے والوں کا ساتھ دیا۔

صبح کے وقت رخصت ہونے سے پہلے ابا جان نے پہلی مرتبہ ہمیں اس تھے خانے کا خفیہ راستہ بتایا اور علی کو ہمارے ساتھ چھوڑ دیا۔ علی ہمارا پرانا ملازم تھا۔ ابا جان نے ہمارے لیے چند دن کی خوراک اس تھے خانے میں جمع کر دی اور ہمیں بتایا کہ اگر انھیں شکست بھی ہو تو ہم اس تھے خانے سے بھاگنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ تاتاری کسی کو بھاگنے کا موقع نہیں دیا کرتے۔ انھیں امید تھی کہ خوارزم کی افواج تیاری کے بعد اس طرف ضرور آئیں گی۔

علی کے سواباتی نوکروں میں سے کسی کو ہمارے اس تھانے میں روپوش ہونے کا علم نہ تھا۔ دو دن تک ہم اس تھانے میں چھپے رہے محل کے رہے بے خادم بھی بھاگے گئے۔ علی ہمیں باہر کے حالات سے باخبر بھاگ گئے۔ علی ہمیں باہر کے حالات سے باخبر رکھتا۔ تیسری شام ابا جان کا گھوڑا خالی واپس آیا اور اسی رات تا تاریوں نے شہر میں داخل ہو کر رہی کہی آبادی کو موت کے گھاث اٹا رہی۔

دو دن تا تاری اس محل کو اپنا مرکز بنایا کر آس پاس کی بستیوں میں اوث مار کرتے رہے اور ہم علی کے ساتھ اس جگہ چھپے رہے۔ یہ دو دن ہمارے لیے برسوں سے زیادہ طویل تھے۔ تیسرے دن انھوں نے یہ شہر خالی کر دیا۔ محل میں کمکل سکوت تھا لیکن ہم نے رات تک انتظار کیا۔ رات کے وقت علی سرگنگ کے راستے باہر نکلا اور اس نے واپس آ کر ہمیں تسلی دی۔ چنانچہ ہم نے ناقابل برداشت سردی میں پہلی بار یہاں آگ جلانی۔ سچ ہوتی تو علی سرگنگ کے راستے پھر باہر نکلا اور اس نے واپس آ کر اطلاع دی کہ ہمارے صطبل کا ایک گھوڑا باہر چڑھا رہا تھا اور وہ اسے پکڑ کر صطبل میں باندھ آیا ہے۔ اس کے بعد چار دن تک ہم یہ دعا میں کرتے رہے کہ مسلمانوں کی کوئی فوج اس طرف آ نکلے۔ پرسوں رات ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ علی الصبار اس مقام کو خیر باد کہہ کر بُخ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ راستے کی کسی فوجی چوکی سے مددل جائے لیکن پچھلے پھر برف باری کے آثار دیکھ کر میں نے سرقت د کے گورنر کے نام یہ درخواست لکھی کہ ہمیں یہاں سے نکال کر بُخ پہنچانے کے لیے فوج کا ایک دستہ بھیجا جائے۔ علی میری درخواست لے کر کل روانہ ہوا۔ اب وہ گھوڑا جس پر آپ ہوئے ہیں، میں دیکھ آئی ہوں، علی اسی پر سوار ہو کر گیا تھا۔ میرے خیال میں وہ کسی تا تاری سفا کی کاشکار ہوا ہے۔

اب شاید خدا نے آپ ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ طاہر نے مختصرًا اپنی سرگزشت سنائی اور اختتام پڑکی سے کہا، میں ذرا بابا ہرجا کر موسم کا حال دیکھنا چاہتا ہوں۔

محل میں تاریوں کی آمد کا ہر وقت خطرہ ہے۔ اس لیے باہر جانے کا محفوظ راستہ یہ سرگنگ ہے۔ یہ کہتے ہوئے اڑکی نے تہ خانے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لو ہے کی ایک چرخی کو گھما نا شروع کیا۔ معمولی کھڑکھڑا ہٹ کے ساتھ ایک سل آہستہ آہستہ ایک طرف کھسک گئی اور دیوار میں ایک قابل گزر شگاف پیدا ہو گیا۔

(۳)

تہ خانے کی دھندلی سی روشنی کے مقابلے میں سرگنگ بہت تاریک تھی۔ اڑکی اور اس کا بھائی کسی جھجک کے بغیر آگے جا رہے تھے لیکن طاہر جھجک جھجک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ کہیں کہیں سرگنگ کے دونوں جانب زمین کھود کر کشادہ کمرے بنائے گئے تھے۔ طاہر کوئی پچاس گز چلنے کے بعد اصل راستہ چھوڑ کر ایک کمرے میں گھس گیا۔ اتنی دیر میں اڑکی اور اس کا بھائی کچھ دُور نکل گئے۔ طاہر پریشانی کی حالت میں کمرے کی دیوار میں ٹول رہا تھا کہ اڑکی کی آواز آئی آپ کہاں ہیں؟

طاہر نے جواب دیا۔ مجھے راستہ نہیں ملتا۔

اڑکی نے پٹ کر اپنے بھائی سے کہا۔ اسماعیل! ان کا ہاتھ پکڑ لو۔ اسماعیل نے طاہر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے۔ میرے ساتھ آئیں میں تاریکی میں دیکھنے کا نادی ہو چکا ہوں۔

طاہر نے کہا۔ ان کمروں میں اچھی خاصی فوج رہ سکتی ہے۔

اڑکی نے جواب دیا۔ ہاں! لیکن کاش ہمارے پاس کافی فوج ہوتی!

ایک جگہ پہنچ کر اڑکی رُک گئی اور اس نے کہا بذرائیں بھل کر چلیں۔ آگے  
چشمہ ہے۔ اسماعیل تم میرا ہاتھ پکڑ لو۔

تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چند قدم آگے بڑھے تو تاریکی کم ہونے لگی۔  
دائیں ہاتھ مر نے کے بعد دو تین قدم چل کر اڑکی پھر رُک گئی۔ یہاں روشنی کافی تھی  
۔ ظاہر نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے تالاب کے کنارے کھڑا ہے۔ ایک چٹان  
سے پانی کی دھار بھوٹ کر اس تالاب میں گر رہی تھی اور تالاب کا فالتو پانی سرگ  
کے راستے نکل رہا تھا۔ پانچ چھوٹ قدم آگے یہ سرگ ختم ہو جاتی تھی اور یہ آخری حصہ  
بہت تنگ تھا۔

پانی کی گہرائی ایک بالشت سے بھی کم تھی۔ اڑکی کی تقاضید میں اسماعیل اور ظاہر  
اُبھرے ہوئے پھر وہ پر پاؤں رکھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سرگ سے باہر نکلے  
ان کے سامنے درختوں سے ڈھکی ہوتی گہری اور تنگ وادی تھی۔ برف باری ہتھم چکی  
تھی لیکن مطلع ابر آلو دھنا۔ درخت، پھر اور زمین کی ہرش برف سے ڈھکی ہوتی تھی۔  
سرگ سے نکلتا ہوا پانی ایک چھوٹی سی ندی بناتا اور سنگ ریزوں سے مکڑا کر  
ایک دل کش نغمہ پیدا کرتا ہوا اس تنگ وادی کے درمیان ایک بڑی ندی سے جا ملتا تھا  
۔ ظاہر تھوڑی دیر کے لیے ایک دلکش منظر میں کھو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی  
طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر کے لیے نادانستہ طور پر اس کی نگاہیں اڑکی کے چہرے پر  
مرکوز ہو گئیں۔ وہ حسین تھی، شب نم میں دھلے ہوئے پھول سے زیادہ حسین، مصور  
فاطر نے برف کا حسین مجسمہ بنایا کر اس میں گلابی رنگ بھر دیا تھا۔ حزن و ملال نے  
اس کا چہرہ بادل کے ہلکے سے نقاب میں چھپے ہوئے چاند سے زیادہ دلکش بنایا تھا۔  
اڑکی منہ پھیر کر بے تو جبی سے اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگی اور ظاہر کے منہ سے

بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے۔ تمہارا نام کیا ہے؟

ثریا۔ اس نے جواب دیا اور پریشان سی ہو کر طاہر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہیں یہ کہہ رہی تھیں۔ دیکھو! میں تمہاری پناہ میں ہوں لیکن ایک غیور باب کی بیٹی ہوں!

طاہر نے اپنے جسم میں ایک کمپی سی محسوس کی اور مُنه پھیر لیا۔ کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد وہ بولا۔ مجھے بہت جلد بغداد پہنچنا ہے لیکن اس سے پہلے میں آپ کو بلخ پہنچا دوں گا۔ ہم مطلع صاف ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس وادی سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟

لڑکی نے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس طرف سے سامنے کی پہاڑی عبور کرنے کے بعد!

طاہر نے کہا۔ اگر سورج نکل آیا تو ہم کل روانہ ہو جائیں گے۔

لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ابھی شاید اور برف پڑے۔

طاہر نے کہا۔ آپ تمہوڑی دیر یہاں تھہریں میں اوپر جا کر دیکھاؤں شاید؟

شاید کیا؟ لڑکی نے پوچھا

کچھ نہیں

آپ کا خیال ہو گا کہ شاید مسلمانوں کی فوج نظر آجائے۔ میں بھی صبح و شام یہی خواہش لے کر اس پہاڑی پر جایا کرتی تھی۔

طاہر نے کہ آپ کا نہ خانہ تو کافی محفوظ ہے لیکن کیا بستی کے لوگوں میں کسی کو بھی پتہ نہ تھا؟

ثریا نے جواب دیا۔ نہیں اس وادی کے گرد ہمیشہ پہرا رکھا جاتا تھا۔ ابا جان

نے جب یہ تھا خانہ اور سرگ کو مجھے احتیاط کی وجہ معلوم ہوئی۔

بہت اچھا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ طاہر یہ کہہ کر برف پر پاؤں رکھنے لگا تھا کہ اڑکی نے جلدی سے کہا۔ نہیں نہیں، ٹھہر یے، اس سرگ کے قریب برف پر پاؤں کے نشان نہ چھوڑیے، آپ ندی میں سے گزر کر جائیں۔

طاہر یا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پانی میں چلتا ہوا بڑی ندی تک پہنچا اور بڑے بڑے پتھروں پر پاؤں رکھ کر اسے عبور کرنے کے بعد پیاری پر چڑھنے لگا۔ پیاری کی چوٹی پر پہنچ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑاتی لیکن اسے برف کی سفید چادر پر کوئی متحرک نظر نہ آئی۔ جب وہ نیچے اتر کر اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچا تو برف باری پھر شروع ہو چکی تھی۔ طاہر بھوک کی شدت محسوس کر رہا تھا۔

دوبارہ تھا خانے میں پہنچنے کے بعد ٹھیری میں ڈال کر طاہر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو بھوک تو ضرور ہوگی۔ آپ نے رات کے وقت بھی کچھ نہ کھایا تھا۔

طاہر نے جواب دیا۔ شام کو مجھے آپ کے نوکر کے قیلے سے کافی کھانا مل گیا تھا۔ مجھے گھوڑے کی فکر ہے۔ میں اسے اسی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔

میں علی اصلاح اور جا کر اسے اصلبل میں چھوڑ آئی تھی۔ وہاں سوکھی گھاس کافی ہے۔ یہ کہہ کر ٹھیری اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسماعیل! تم ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔

اسماعیل طاہر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ طاہر نے گوشت کے نکڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کھینچ لیا اور ٹھیری کی طرف دیکھنے ہوئے کہا۔ لیکن آپ؟

ٹھیری نے کہا۔ آپ میری فکر نہ سمجھیے۔ میں بہت سویرے کھالیا کرتی ہوں۔

اسا عیل آج ذرا دیر سے اٹھا تھا اس لیے یا بھی تک بھوکا ہے۔

طاہر نے ایک نوالہ مئہ میں ڈالتے ہوئے لڑکے سے کہا۔ اسا عیل کھاؤ۔

لیکن اسا عیل مضطرب ہو کر اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

شریانے ذرا آگے بڑھ کر لڑکے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرے ہوئے کہا۔

اسا عیل! کھاتے کیوں نہیں؟

کسن بچے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ کپکپاتے ہوئے ہونتوں کو چھیننے کی کوشش کرتا ہوا دونوں ہاتھ پھیلا کر شریان سے لپٹ گیا۔ میں نہیں کھاؤں گا، میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے بچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

طاہر نے محسوس کیا کہ کوئی تلخ شے اس کے حلق سے اتر گئی ہے۔ اس نے طشتہری اٹھا کر شریان کے سامنے رکھ دی اور کہا۔ میں اپنا حصہ کھا چکا ہوں۔

شریانے کہا نہیں نہیں۔ آپ بھوکے ہیں۔

طاہر نے کہا۔ ایک عرب ماں کی بیٹی سے مجھے یہی موقع تھی لیکن میں اب آپ کا مہماں نہیں محافظ ہوں، مجھے شام کے وقت پیٹ بھر کر کھانے کے لیے مل گیا تھا لیکن آپ نے شاید شام کو بھی بہت تمہور اکھایا ہو۔

طاہر نے اٹھ کر مان سنبھال لی اور ترکش گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ آپ یہ کھائیں۔ میں انشاء اللہ جلد واپس آ جاؤں گا۔ اگر بستی میں کوئی شے نہ ملی تو شاید باہر سے کوئی شکار مل جائے۔

شریانے کہا۔ بستی میں انسانی لاشوں کے سواتا تاری سب کچھ چٹ کر گئے ہیں اور اس موسم میں شاید شکار بھی نہ ملتے۔

طاہر نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا نے ہمیں بھوکوں مرنے کے لیے یہاں

اکٹھا نہیں کیا۔ میں انشاء اللہ خالی نہیں آؤں گا۔ آپ شام کی فکر کیے بغیر یہ کھانا کھائیں۔

ثریا نے کہا۔ اگر آپ کو خدا کی رحمت پر اس قدر بھروسہ ہے تو کم از کم اپنا حصہ کھا کر جائیں۔

طاہر نے جھک کر گوشت کا ایک نکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ بس! میں نے اپنا حصہ لے لیا ہے۔

اڑکی نے کہا۔ میں آپ کو باہر پہنچا آتی ہوں۔

نہیں۔ میں نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ یہ کہہ کر طاہر سرگ کے راستے باہر نکل گیا

طاہر کے جانے کے بعد ثریا نے کہا۔ اسماعیل! اب کھالو۔

کمن اڑکے نے جواب دیا۔ تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔

ثریا نے طشتہری میں پڑی ہوئی اشیاء میں سے تیسرا حصہ نکال کر علیحدہ رکھ دیا اور کہا۔ یہ ان کا حصہ۔ جب وہ آئیں گے انھیں بہت بخوب ک ہو گی اور یہ میرا اور تمہارا حصہ ہے۔

(۵)

دوپہر کے وقت مطلع صاف ہو چکا تھا اور سورج کی روشنی میں برف کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ہوا ساکن ہونے کی وجہ سے موسم قدرے خوش گوار تبدیلی ہو رہی تھی۔ ثریا اور اسماعیل سرگ سے باہر چند درختوں کے درمیان ایک پتھر پر بیٹھے طاہر کا انتظار کر رہے تھے۔ برف پکھلنے سے درختوں کی ٹہنیاں آہستہ آہستہ نگلی ہو رہی تھیں۔ سامنے واڈی کے درمیان ندی کا پانی آہستہ آہستہ زیادہ ہو رہا تھا۔

اسا عیل نے کہا۔ آپا وہ ابھی تک نہیں آئے۔ ایسی دھوپ میں شکار ضرور مل جاتا ہے۔

ثریا نے جواب دیا۔ خدا سے دعا کرو۔

وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر ابا جان ہوتے تو انھیں اپنی فوج کا سالار بنایتے لیکن آپا اگر انھیں شکار کی بجائے تاتاری مل گئے تو؟ خدا ان کی مدد کرے گا۔

اگر ہمیں یہاں کسی تاتاری نے دیکھ لیا تو؟

یہاں ہمیں اوپر سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اگر انھیں تاتاریوں نے پکڑ لیا اور انہوں نے اپنی جان بچانے کے لیے تاتاریوں کو ہمارا پتہ دے دیا تو؟

چپ رہو۔ اپنے مہمانوں کے متعلق ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے۔

اگر پھر برف باری شروع نہ ہوئی تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

انشَا اللہ!

اسا عیل خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ چلانے لگا۔ وہ آگئے! وہ آگئے!! آپا! آپا!! ادھر دیکھو وہ پیاری دنبہ لارہے ہیں۔ دیکھو آپا۔ دیکھو وہ کتنا بڑا ہے۔ وہ اسے بڑی مشکل سے اٹھا کر چل رہے ہیں۔ آگ بجھ تو نہیں گئی ہوگی؟

ثریا نے درخت کی آڑ سے ایک طرف ہو کر دیکھا۔ طاہر کندھے پر ایک پیاری دنبہ اٹھائے ندی عبور کر رہا تھا۔

اسا عیل نے پھر کہا۔ آپا! آگ تو نہیں بجھ گئی ہوگی، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔

ٹریانے کہا۔ تم تو کہتے تھے کہ تم بالکل سیر ہو گئے ہو؟  
میں یہ نہ کہتا تو آپ اپنا حصہ بھی نہ کھاتیں۔ لیکن اب تو خدا نے دُنبہ بچھج دیا  
ہے۔ آپا یہ بہت اچھے آدمی ہیں۔

طاہر نے سرگ کے قریب پہنچ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ جلدی  
اندر چلیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آس پاس تاتاریوں کا کوئی گروہ نہ ہو۔ یہ دُنبہ میرے تیر کا  
نشانہ بننے سے پہلے زخمی تھا۔

تحوڑی دیر بعد جب تھے خانے میں ٹریاد بنے کا گوشت بھون رہی تھی، اسما عیل  
طاہر کے قریب آگ کے سامنے بیٹھ کر بار بار بے قراری کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا۔ آپا!  
اب پک گیا ہوگا۔

طاہر کی گز شستہ جسمانی تکالیف اور ذہنی پریشانیوں کے بعد اس تنگ و تاریک تھے  
خانے میں ایک طرح کی آسودگی محسوس کر رہا تھا تاہم مستقبل کے متعلق ایک چھبتا  
ہوا احساس اسے کبھی کبھی پریشان کر دیتا۔ کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ وہ اڑ کر بغداد پہنچ  
جائے اور وہاں اونچے لیکن خاموش ایوانوں میں ایک ہنگامہ محشر اور کھڑے پانی کی  
سی زندگی میں ایک ارتعاش پیدا کر دے۔ وہ تصور میں بغداد کی مساجد میں لاکھوں  
مسلمانوں کے سامنے پُر جوش تقریر میں کر رہا تھا۔ کبھی وہ بغداد کی ایک بے پناہ فوج  
کے ساتھ خوارزم شاہ کے جھنڈے تسلی تاتاریوں کا مقابلہ کر رہا تھا، کبھی وہ خلینہ اور  
وزیر اعظم کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد ان کی بے حسی سے مایوس  
ہو کر انھیں جلی کٹی سنارہا اور کبھی تصور میں وحید الدین کو خلینہ کے سامنے مجرموں  
کے کھڑے میں کھڑا کر کے نہایت زور دار الفاظ میں اس کا جرم ثابت کر رہا تھا۔  
طرح طرح کے خیالات کے ہجوم میں اسے کبھی کبھی اسما عیل کی کسی بات کے

جواب میں ثریا کی آواز سنائی دیتی۔ یہ آواز جو موسم بہار کا پیام لانے والے پرندوں کے ترانے سے کہیں زیادہ میٹھی، دل کش اور دل فریب تھی۔ وہ آگ کی دھیمی روشنی کے سامنے اس کا خوب صورت چہرہ دیکھتا اور ایک لمحے کے لیے اس کے دل کا اضطراب لطیف دھڑکنوں میں تبدیل ہو جاتا۔ اس کے سامنے ایک نئی دنیا آ جاتی، وہ دنیا جس میں آنکھیں کھولنے کے بعد ہر انسان گوشہ غافیت تلاش کرتا ہے۔ اپنے سے زیادہ کسی ایسے وجود کے لیے جس کی مسکراہٹ میں اسے زندگی کے طوفانوں سے پناہ ملتی ہے۔

صحح کی گمراہ میں لپٹنے ہوئے سورج کی دھنڈلی شعاعوں کی طرح غم کے بادلوں نے ثریا کے چہرے کو زیادہ دلفریب بنادیا تھا۔ حیا کے ہزاروں پردوں میں چپسی ہوتی ملول نگاہیں ظاہر کو جو پہاڑ اور آخری پیغام دے چکی تھیں، وہ یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے ظاہر محسوس کر رہا تھا کہ اس صورت سے ملتی جلتی ایک دھنڈلی سی تصویر اس کے دل میں پہنچی موجود تھی۔ ایسی آوازوہ پہنچی سن چکا تھا۔

ظاہر شاہراہ حیات کی اس منزل پر تھا جہاں پہنچ کر انسان کی کی رفاقت کی احتیاج محسوس کرتا ہے جہاں کسی دو شیزہ کی مسکراہٹ اسے واپس دلانا اس کے لیے کائنات کا سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو پھولوں سے کھیلنے کی بجائے کانٹوں کو ملنے میں زندگی کی صحیح لذت محسوس کرتے ہیں۔ جنہیں رباب کی تانوں سے زیادہ تلواروں کی جھنکار زیادہ دل کش محسوس ہوتی ہے، جو اپنے لیے جینے کی بجائے دوسروں کے لیے مرنا سعادت سمجھتے ہیں اور کسی ایک پھول کو اپنی آنکھوں کے لیے سامانِ تسلیم بنانے کی بجائے اپنے خون سے ہزاروں پردوں کو

سیراب کرتے ہیں، ہر یا کی طرح خوارزم کی اور ہزاروں لڑکیوں کی بے کسی کے تصور نے طاہر کے جسم میں ایک کپکپا ہٹ سی پیدا کر دی۔ اسے قوم کی ان ہزاروں بے کس بہنوں اور ماوں کی جگہ دوز چینیں سنائی دینے لگیں جن کے دامن عصمت کی طرف وحشی تاتاریوں کے ہاتھ بڑھ رہے تھے۔ جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔ ہماری عصمت کے رکھوا لے کہاں گئے؟ ہمارے غیور بیٹوں اور بہادر بھائیوں کو کیا ہو گیا؟

طاہر نے چونک کر کہا۔ ہم کل پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے! ہر یا تمہوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئی اور طاہر نے پھر کہا۔ ہمیں صرف دو تین منازل میں خطرہ ہے، اس کے شاید کسی چوکی سے مددل جائے۔ ہر یا نے کہا۔ مجھے صرف اسماعیل کا خیال ہے۔ ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ بھی مر چکا ہے۔

مر چکا ہے؟ آپ نے کب دیکھا؟ جب آپ شکار کے لیے گئے تھے، میں وہاں دوبارہ گئی تھے۔ مجھے وہ صحیح کے وقت بھی بیمار معلوم ہوتا تھا۔

طاہر گھری سوچ میں پڑ گیا۔ تمہوڑی دیر بعد اسماعیل نے کہا۔ آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں میں پیدل چل سنا تھوں۔

ہر یا نے کہا۔ آپ کو یہ امید نہیں کہ خوارزم کی افواج دوبارہ اس طرف آئیں گی؟

طاہر نے جواب دیا، جو افواج تیمور ملک کی امداد کے لیے نہ پہنچ سکیں مجھے ان سے کوئی توقع نہیں لیکن مصیبت انسان کو قدرت کے معجزات کا طلب گار بنا دیتی ہے

- میں خوارزم شاہ کی مدد سے مایوس ہوں لیکن قدرت کی مدد سے مایوس نہیں۔ اگر ہم پیدل پیاری راستہ اختیار کریں تو کھلے کی نسبت زیادہ محفوظ ہوں گے۔ راستے میں کسی زخمی سپاہی کا گھوڑا مل جانا بعید از قیاس نہیں۔ اس کے علاوہ میرا اندازہ ہے کہ تاتاریوں کا رُخ شمال مغرب کی طرف ہے، جنوب میں بلخ کا راستہ محفوظ ہوگا۔ ہم انشاء اللہ کل پچھلے پیر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

(۶)

شام کے وقت طاہر نے جب نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اسے اوپر محل میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ٹریا نے فوراً اٹھ کر سلگتی ہوئی آگ کو پتھر کی سلوں سے ڈھانپ دیا۔ طاہر دعا ختم کر کے ٹریا کی طرف متوجہ ہوا اور وہ خوف زدہ صورت بنائے دبی زبان میں لوی۔ یہ شاید تاتاری ہیں لیکن گھوڑے پانچ چھ سے زیادہ نہیں۔

طاہر نے آہستہ سے کہا۔ ہو ستا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی فوج آرہی ہو۔

اس اعلیٰ نے مغموم لہجے میں کہا۔ اب ہم شاید بلخ نہ جاسکیں۔

طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ نہیں انشاء اللہ ہم ضرور جائیں گے۔

کب؟

شاید آج ہی روانہ ہو جائیں

ٹریا نے چونک کر پوچھا۔ آج؟

ہاں۔ آپ اس گوشت میں سے دو تین دن کی خوراک تھیں میں ڈال لیں۔

”لیکن برفانی راستے میں رات کے وقت پیدل؟“

آپ پیدل چلنے کے متعلق کیوں سوچتی ہیں؟ کیا قدرت نے ہمارے لیے

گھوڑے نہیں تھیجے؟

ثریا نے کہا۔ ان کے گھوڑے چھیننا ذرا مشکل ہے!

طاہر نے جواب دیا۔ جو کام ضروری ہواں کے متعلق یہ نہیں سوچا جاتا کہ یہ مشکل ہے یا آسان۔

تحوڑی دیر بعد اپر سے ٹھٹھاٹھک کی آوازیں آنے لگی۔ اور ثریا بولی۔ وہ درمیان کے بڑے کمرے میں شاید آگ جلانے کے لیے دروازے توڑ رہے ہیں اور گھوڑوں کو صطبل میں باندھ آئے ہیں۔ میں سیرھی پر چڑھتی ہوں۔ ان کی آوازیں سن کر میں ان کی تعداد کے متعلق صحیح اندازہ لگاسکوں گی۔

لیکن اپر پتھر کو ابھی نہ ہلانا۔ شاید کوئی اپروا لے کمرے میں موجود ہو۔

نہیں آپ بے رفتار ہیں۔ ثریا یہ کہہ کر سیرھی پر چڑھتی اور سل کے قریب کان لگا کر اپر سے آنے والی آوازیں سننے لگی۔

تحوڑی دیر بعد وہ نیچے اتری اور طاہر کے سوال کا انتظار کیے بغیر بولی۔ وہ چھیا سات سے زیادہ نہیں۔ وہ تیمور ملک کی تلاش میں ہیں۔ ممکن ہے کہ صحیح تک ان کے اور ساتھی بھی آ جائیں۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھ سکی لیکن تیمور ملک کا نام بار بار سن کر میرا یہی اندازہ ہے۔ وہ اس وقت اپروا لے کمرے سے دائیں طرف تیرے کمرے میں ہیں۔

## سپاہی کی بیٹی

تھے خانے کی تاریکی میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ تاتاری اپنی زبان میں کوئی راگ گارہے تھے۔ ظاہر عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد دیر تک بیٹھا رہا۔ جب تاتاریوں کا راگ ختم ہوا تو وہ ثریا اور اسے عیل کوتیار رہنے کا مشورہ دے کر سیرھی پر چڑھا اور چھٹت کے قریب کان لگا کر سنتے لگا۔ ایک تاتاری باتیں کر رہا تھا اور باقی خاموش تھے۔ تاتاری زبان کے چند الفاظ ظاہر بھی سیکھے چکا تھا۔ اور وہ صرف یہ اندازہ لگا سکا کہ بولنے والا اپنے ساتھیوں کو کوئی کہانی سنارہا ہے۔ ظاہر نے آہستہ سے سلکھ کر ایک طرف کر دی اور سوراخ میں سے سرا اوپر نکال کر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کمرے میں کوئی نہیں باہر نکل آیا۔ پھر کی سل اسی طرح شنگاف پر رکھ دی۔

تاریکی میں چند قدم چلنے کے بعد ظاہر کے ہاتھ ایک دروازے پر لگے۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو باہر دھکیلا لیکن دروازے کی چڑھتی چڑھتی نے اسے پریشان کر دیا اور وہ اسے جلدی سے بند کر کے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بند ہوتے وقت دروازے کی چڑھتی چڑھتی کی آواز نسبتاً زیادہ تھی۔

کہانی سنانے تاتاری اچانک خاموش ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد اس نے اپنے کسی ساتھی سے کچھ کہا اور وہ نیم خوابی کی سی حالت میں بڑھا نے لگا۔ یہ دو آدمی جن میں سے ایک ظاہر کے اندازے کے مطابق داستان گو تھا، کچھ دیر ایک دوسرے سے بحث کرتے رہے۔ درمیان والے کمرے میں ان میں سے ایک کے داخل ہونے کی آہٹ سنائی دی۔ وہ بدستور بُو بُدھا رہا تھا۔ ظاہر نے فوراً یہ اندازہ لگایا کہ ان دونوں کے علاوہ باقی سب تاتاری ہو گئے ہیں۔

تاتاری نے درمیانی کمرے میں سے گزرنے کے بعد ظاہر کے کمرے کا

دروازہ کھولا۔ چونکہ اب درمیانی کمرے کے دونوں دروازے ایک دوسرے کے سامنے تھے اس لیے تیرے کمرے سے آگ کی ہلکی سی روشنی ظاہر کے کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ سمت کر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ تاتاری بے پروائی سے ظاہر کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد آنکھیں ملنے اور اپنے ساتھی کو گالی دینے کے بعد واپس جا رہا تھا کہ ظاہر نے ہنسنی ہاتھ اس کی گردان پر جا پڑے۔ پست قد تاتاری کے منہ سے ایک ہلکی سی آہ بھی نہ نکل سکی۔ آن کی آن میں ظاہر نے اسے لاش بنایا کر زمین پر لٹا دیا۔

تیرے کمرے سے داستان گولی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ شاید اپنی داستان کا آخری حصہ سنانے کے لیے بے قرار تھے۔ ظاہر نے جلدی سے تلوار نیام سے ٹالی اور دیوار کے ساتھ لگ کر زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

داستان گویہ سمجھ کر کہ اس کا ساتھی کمرے میں پہنچ کر سو گیا ہے۔ ہستا ہوا انخا اور ایک جلتی ہوئی لکڑی ہاتھ میں لیے اس کمرے تک پہنچا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ کمرے کا جائزہ لے سئتا۔ ظاہر کی تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

تیرے کمرے میں اس کے ساتھی اچانک اس چیخ سے بیدار ہو کر بیک وقت ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ظاہر ایک لمحہ کے توقف کے بغیر بھاگتا ہوا درمیانی کمرہ عبور کرنے کے بعد تیرے کمرے میں جا داخل ہوا۔ وہاں آگ کی وجہ سے کافی روشنی تھی۔ تاتاری اٹھ کر اپنی تلواریں سنبھال رہے تھے کہ ظاہر کی تلوار ان پر صاعقه بن کر کونڈی اور ان میں سے دو ستمل ہو کر فرش پر لوٹنے لگے۔ اتنی دیر میں باقی تین تاتاری سنبھل چکے تھے۔

طاہر کی تلوار کئی مرتبہ اپنے تینوں حریفوں کی تلواروں سے ٹکرانی۔ تاتاریوں نے اسے ایک خطرناک م مقابل سمجھتے ہوئے منتشر ہو کر اڑنے کی کوشش کی۔ لیکن طاہر نے انھیں ایک کونے سے ادھر ادھر ٹھنے کا موقع نہ دیا۔ چند لمحات گزر جانے کے بعد ان میں سے ایک زخمی ہو کر رٹپ رہا تھا۔ طاہر کے بازو پر بھی ہلکا ساز خم آچکا تھا۔ لیکن اپنے سامنے ایک کونے میں صرف دو آدمی پا کروہ پر جوش حملہ کرنے کی بجائے قدرے اطمینان سے اڑ رہا تھا۔

(۲)

اچانک طاہر کو اپنے عقب سے ایک تیخ سنائی دی۔ وہ جلدی سے پینتر ابدل کر ایک طرف ہٹا۔ اس کے باعث میں ہاتھ ٹریا خون آلوں تلوار لیے کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک اور تاتاری جسے طاہر نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ زخمی ہو کر رٹپ رہا تھا۔ اتنی دیر میں طاہر کے دو حریف منتشر ہو کر اس کے لیے دو محاذ بن چکے تھے۔ ٹریا طاہر کے کسی اشارے کا انتظار کیے بغیر ان میں سے ایک کے سامنے جا کھڑی ہوئی لیکن طاہر نے چلا کر کہا۔ ٹریا! تم ایک طرف ہٹ جاؤ میرے پیچھے۔

طاہر نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا اور اسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مناسب کیا تھا اور یہ ٹریا کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔ اس نے کہا۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں نے بھی ایک عرب ماں کا دودھ پیا ہے۔

لیکن اسماعیل اکیلا۔۔۔؟

وہ بھی میرا ہی بھائی ہے۔

اب طاہر اور ٹریا ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بٹانہ کھڑے تھے اور وہ تاتاری پھر ایک کونے میں سمٹ رہے تھے۔ اچانک طاہر نے پینتر ابدل اور اس کی تلوار بچلی

کی سی تیزی کے ساتھ رشیا کے مدد مقابل کا دایاں بازو کاٹ گئی۔ دوسرے لمحے میں رشیا کی تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔

اب ظاہر کے سامنے صرف ایک تاتاری تھا اور رشیا اطمینان کے ساتھ گرے ہوئے دشمن کی قباق کے ساتھ اپنی خون آلوں تلوار صاف کر رہی تھی۔

تاتاری اب زندگی اور موت سے بے نیا رہو کر ایک زخمی درندے کی طرح حملہ کر رہا تھا۔ اچانک ظاہر کے ہونتوں پر ایک تبسم ظاہر ہوا۔ ایک مجاهد کا تبسم جو دشمن کے کانوں میں موت کا مہیب ترین قہقہہ بن کر گونجتا ہے۔ اس کی تلوار تاتاری کے سر پر چمکی گری اور سینے تک پہنچ گئی۔

رشیا کے ہونتوں پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ جو قرون اولیٰ میں دختر ان اسلام کا نمازیان اسلام کے لیے سب سے بڑا انعام ہوا کرتی تھی۔

ظاہر چند لمحات کے لیے اپنے گرد و پیش کو فراموش کر کے اس حسین زمانے کا تصور کر رہا تھا۔ جب ایک سیدھی سادھی عرب لڑکی سرفروشان اسلام کی فوج کو اپنی بستی سے گزرتے ہوئے دیکھ کر یہ گایا کرتی تھی۔

قوم کے غیور بیٹو! تمہارے گھوڑوں سے اُڑنے والی گرد مجھے کھکشاں سے زیادہ عزیز ہے۔

تمہارے غبار میں اٹھے ہوئے چہرے میری نگاہ میں چاند-----

حسین ہیں

ظاہر کی آستین پر خون کا نشاں دیکھ کر رشیا جلدی سے اپنا رومال نکال کر بولی۔

آپ کو خم آگیا ہے۔ لائیں میں پئی باندھ دوں۔

یہ معمولی خراش ہے۔ ظاہر نے یہ کہتے ہوئے آستین چڑھا کر اپنا بازو آگے

کر دیا۔ شریانے اس کے زخم پر رہا مال باندھتے ہوئے کہا۔ میرا اندازہ چھسات کا تھا۔ یہ آٹھواں شاید اصطبیل میں پہرہ دیتا ہوا آیا تھا اور آپ پر عقب سے حملہ کر رہا تھا۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ اگر آپ نہ ہوتیں تو میرے لیے اس کا وار یقیناً خطرناک ہوتا۔

خدا کے لیے یوں نہ کہیے۔ میں صرف اپنی وکالت کرنا چاہتی تھی۔ میں وہاں نہ تھبھر سکی۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ دبے پاؤں پیچھے سے آ کر آپ پر حملہ کر رہا ہے اور میری چیخ نکل گئی۔ میں بہت نادم ہوں۔

شریا! جب تک عالم اسلام میں تمہارے جیسی لڑکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ دنیا میں مسلمانوں کو کوئی قوت نہیں کھل سکتی۔ چند لمحات پیشتر میں بے حد مایوس تھا لیکن اب میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جو قوم تمہارے جیسی لڑکیاں پیدا کر سکتی ہے۔ اس کی زبان میں مایوسی کا لفظ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ تحت الخری میں پہنچ کر بھی تاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہے۔ انقااب اس کو دباسکتے ہیں، دنیہ میں کر سکتے۔ حوادث کے طوفان اسے منتشر کر سکتے ہیں، فنا نہیں کر سکتے۔ تاتار یوں کا طوفان بہت بڑا طوفان ہے۔ ممکن ہے کہ یہ عالم اسلام کی آخری چٹان تک کوہپالے جائے لیکن تم اور تمہارے جیسی قوم کی بیٹیاں ہر دور میں ایسے معمار پیدا کرتی رہیں گی جو سنگ ریزوں کو جوڑ کرنا قابل تعمیر چنانیں بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شریا کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک رہتے تھے۔ اس نے کہا۔ میں بھی چند لمحات پہلے یہی خیال کر رہی تھی کہ قوم کے بیٹوں کا لہو سفید ہو چکا ہے۔ لیکن نہیں جس قوم کو آپ جیسے سپاہی نصیب ہوں، اُس کا جھنڈا کوئی طاقت سرگمبوں نہیں کر سکتی۔

لیکن تم رورہی ہو؟

ثریا مسکرائی۔ آنسوؤں میں بھیگی ہوئی مسکراہٹ، شبنم میں نہائے ہوئے پھول کا قبضہ، جس میں خون خلد کے بے شمار تھیں چھپے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ نہ جانے میں آج کیوں اپنے تمام گم بھول گئی ہوں۔ شاید اس لیے کہ آج میں نے اپنی قوم کے دشمنوں میں سے ایک قتل کیا ہے۔

نہیں۔ اس لیے کہ تم نے اپنی قوم کے ایک سپاہی کی جان بچانی ہے۔ لیکن اب چلو۔ اساعیل پر بیشان ہو گا اور گھوڑے بھی ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔

طاہر نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور ثریا کے ساتھ تھہتہ خانے کی طرف چل دیا۔

جب اس نے راستے سے پتھر کی سل ہٹائی تو نیچے سے اساعیل نے چلا کر کہا۔  
ٹھہرو! تم کون ہو۔ میر انشتا نہ خط انہیں جاتا۔  
ثریا نے کہا۔ اساعیل! ہم ہیں۔

اجازت ہے۔ اس نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔  
جب طاہر اور ثریا نے نیچے اتر کر جلتی ہوئی لکڑی کی روشنی میں دیکھا تو اساعیل اپنے ہاتھ میں تیر مان لیے کھڑا تھا۔  
طاہر نے کہا۔ اساعیل! ہم بلخ جارہے ہیں۔

کب؟

ابھی۔ تھیں سردی تو نہیں لگے گی۔؟  
نہیں جی۔ آپ جان تو کہتی تھیں کہ سردی آپ زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ آپ گرم ملک کے رہنے والے ہیں۔

ثريا نے بھئنے ہوئے گوشت سے بھرا ہوا ایک تھیا ا طاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے تھے خانے کے ایک کونے سے جلانے کی لکڑیاں ایک طرف ہٹا کر چڑے کا چھوٹا سا تھیا نکالا اور طاہر سے کہا۔ میں قوم کی یہ امانت آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ والد مرhom نے تاتاریوں کے حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہی بیت المال کا بیشتر حصہ سر قندھیج دیا تھا۔ یہ باتی دو ہزار اشرفیاں انھوں نے میدان جنگ میں جانے سے پہلے میرے سپرد کردی تھیں۔ اشرفیوں کے علاوہ اس تھیلے میں چند ہیرے ان کی ذاتی ملکیت تھے۔ لیکن میں ان پر قوم کے شہیدوں کے لاوارث بچوں کا زیادہ حق سمجھتی ہوں۔ ابا جان اپنی آمدی کا بیشتر حصہ نانا جان کی تجارت میں لگانے کے لیے دیتے رہتے ہیں اور انھوں نے بخ میں ہمارے لیے کافی جائیدا خرید رکھی ہے۔

طاہر نے دونوں تھیلے اٹھا لیے ثريا نے جلتی ہوئی لکڑی سے ایک شمع روشن کی اور تینوں سیڑھی کے راستے دوبارہ اوپر چڑھ کر محل کے کمروں میں سے گزرتے ہوئے اصطبل میں داخل ہوئے۔

اصطببل میں تاتاریوں کے آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ طاہر، ثريا اور اسماعیل تین گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور باقی گھوڑوں کو محل سے باہر لے کر تتر بتر کر دیا۔ باہر کے پھاٹک سے نکل کر چند قدم کے چلنے کے بعد ثريا نے اپنا گھوڑا کا اور طاہر سے کہا۔ گھوڑی دریٹھر ہے۔ میں اس شہر کو چھوڑنے سے پہلے ایک دُعا مانگنا چاہتی ہوں۔ طاہر اور اسماعیل اپنے گھوڑے روک کر ثريا کی طرف دیکھنے لگے۔

ثريا نے آسمان کے جگدا تے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھا اور نہایت درد ناک لبجے میں یہ دعا مانگی۔

”پور دگارِ عالم! میں تیرے محبوب ہی امت کی ہزاروں بیکس اڑکیوں میں

ایک ہوں۔ تو ان سب کی حفاظت کے لیے قوم کے جوانوں کو ہمارے اسلاف کی  
غیرت اور شجاعت عطا کر۔ وہ اس محل پر اسلام کی عظمت کا پرچم پھرا کیک بار لہرائیں  
۔ اس شہر کی سنسان گلیاں پھرا کیک بار غازیاں دین کے گھوڑوں کی آہٹ سنیں۔ اس  
شہر کی ویران مساجد میں پھرا کیک بار اللہ اکبر کی اذانیں گونجیں۔ تیرے دین کا بول  
بالا ہو۔ آمین!

طاہر اور اسماعیل نے بھی آمین کہا۔ اور تینوں نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ  
دیں۔ ٹھوڑی دیر بعد وہ شہر سے باہر بلخ کے نامہوار راستے پر جا رہے تھے۔ مطلع  
صاف تھا اور سردی ناقابل برداشت تھی لیکن اسماعیل بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ موسم بہت  
اچھا ہے۔ اور مجھے پوتین میں تلخی محسوس ہوتی ہے۔

(۳)

تیرے روز دوپہر کے وقت طاہر کو مسلمانوں کی ایک مختصر فوج کا پڑا اور دکھائی  
دیا۔ پڑا اور میں داخل ہونے کے بعد طاہر کے استفسار پر ایک سپاہی نے بتایا کہ شرتی  
سرحد کی چوکیاں خالی کرنے کے بعد چار ہزار سپاہی یہاں جمع ہو گئے ہیں اور ایک دو  
دن میں سمرقند کی طرف کوچ کرنے والے ہیں۔

طاہر نے اس فوج کے افسر اعلیٰ سے ملنے کی خواہش طاہر کی تو سپاہی نے جواب  
دیا کہ اس فوج میں ہر پچاس سانچھ سپاہیوں کی ٹولی کا ایک علیحدہ افسر ہے لیکن کل  
یہاں ایک شخص پہنچا ہے اور تمام اس کی شخصیت سے مرعوب ہو کر اس حکم مانتے ہیں  
طاہر نے سوال کیا۔ وہ کون ہے؟

سپاہی نے جواب دیا۔ تیمور ملک؟  
آپ انھیں جانتے ہیں؟

تیمور ملک کو کون نہیں جانتا!

سپاہی نے طاہر کے گھوڑے کی باغ پکڑتے ہوئے کہا۔ چیلے میں آپ کو ان کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔

ثریا اور اسماعیل ان کے پیچھے چل دیے۔ طاہر ایک خیمے کے سامنے پہنچ کر رُکا۔ ٹھریا اور اسماعیل گھوڑوں سے اُترے۔ سپاہی نے اندر جا کر اطلاع دی۔ ٹھوڑی دیر بعد تیمور ملک باہر نکلا۔ وہ طاہر کو دیکھتے ہی دونوں ہاتھ پھیلایا کہ اس کی طرف بڑھا اور اسے گلے لگایا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم سامت ہو۔ یہ کہہ کروہ اسماعیل اور ٹھریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ٹھریا بدستور مردانہ لباس پہنے ہوئی تھی اور اس کا نصف چہرہ پوتین میں چھپا ہوا تھا۔ تیمور ملک نے پوچھا یہ کون ہیں۔

طاہر نے کہا یہ میرے ساتھی ہیں۔ میں آپ کو ان کی سرگزشت سناؤں گا لیکن ہم نے راستے میں بہت کم آرام کیا ہے۔ انھیں عورتوں کے خیمے میں بھجواد بھیجیے۔ عورتوں کے خیمے میں؟ تیمور ملک نے حیران ہو کر سوال کیا۔

طاہر نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ مرد ہیں۔

تیمور ملک نے۔ خاتون محترم! مجھے آپ کے لباس سے غلط فہمی ہوئی لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہتے۔ جب قوم کے بیٹوں کی شجاعت اور غیرت رخصت ہو چکی ہو تو قوم کی بیٹیوں کو یہی لباس زیب دیتا ہے۔

ٹھریا نے آنکھیں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ میں قوم کے بیٹوں کی غیرت سے مایوس نہیں ہوں۔

آپ نے صرف طاہر کو دیکھا ہے لیکن قوم میں ایسے بزرلوں کی تعداد زیادہ

ہے۔ جن کے ہاتھ پاؤں تاتاریوں کا نام سن کر پھول جاتے ہیں۔ لیکن اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے اور آپ کے لیے عورتوں کا خیمہ موزوں نہیں۔

آپ کو ہر ایک کی تسلی کے لیے اپنی سرگزشت کئی بار بیان کرنی پڑے گی۔ اس لیے میں اپنا خیمہ پیش کرتا ہوں۔ میں اور طاہر دوسرے خیمے میں رات گزار لیں گے۔ یہ کہہ کر تیمور ملک ایک سپاہی سے مخاطب ہوا۔ انھیں اندر لے جاؤ اور ان کے کھانے کا انتظام کرو۔

ثریا اور اسماعیل تیمور ملک کے کشادہ خیمے میں داخل ہوئے اور تیمور ملک طاہر کے ساتھ ایک اور افسر کے کمرے میں چلا گیا۔

(۳)

علی اصحابِ ثریا کو گہری نیند کی حالت میں اذان کی دلکش آواز سُنائی دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ نیم خوابی کی حالت میں اس اذان کو رات بھر کے بعض میٹھے اور سہما نے اور بعض بھیا نک سپنوں کا ایک حصہ سمجھتی رہی۔ موذن کی اذان ختم ہوتی اور وہ گردن اٹھا کر دُھندلی روشنی میں اوھراؤھر دیکھنے لگی۔ اسماعیل! اسماعیل! اسماعیل!! اُس نے گھبرا کر کہا۔

اسماعیل اس کے قریب سور ہاتھا اس نے کروٹ بدالی۔ ثریا نے اسے چھنجھوڑ کر جگایا۔ اس نے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ میں تیار ہوں۔

کہاں جانے کے لیے تیار ہو؟

بلخ جانے کے لیے اور کہاں؟

بلخ۔۔۔ اف! میں رات بھر عجیب و غریب خواب دیکھتی رہی۔ میں سمجھتی تھی

کہ میں ابھی تک اسی تھے خانے میں ہوں۔ لیکن وہ کہاں ہیں؟

کون؟ طاہر! وہ اپنے دوست کے ساتھ دوسرے خیمے میں ہیں۔ آپ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سوگئی تھیں۔ وہ آئے تھے، انہوں نے مجھے باہر سے آواز دی۔ میں نے جاگ رہا تھا۔ انہوں نے وہیں سے پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ انہوں نے آپ کے متعلق پوچھا۔ میں نے بتایا کہ آپ سورہ ہیں۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔

میرے متعلق انہوں نے کیا پوچھا تھا؟  
انہوں نے کہا تھا۔ تمہاری ہمشیرہ کو کوئی تکلیف تو نہیں؟  
پھر تم نے کیا جواب دیا؟

میں نے کہا وہ تو گھری نیند میں خراٹے لے رہی ہیں  
بڑے نالائق ہوتم۔ میں کب خراٹے لیا کرتی ہوں۔ صحیح ہوں تم نے یہ کہا تھا  
انہیں؟

اسا عیل نے ہستے ہوئے جواب دیا۔ نہیں میں نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ  
سورہ ہیں۔

اور کیا کہا انہوں نے؟  
انہوں نے کہا تھا، تم بھی سو جاؤ۔ صحیح کی نماز کے بعد ہم بخ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ ہاں آپا! ایک بات اور۔ ان کے چلے جانے کے بعد خیمے میں چند عورتیں اور بڑیاں آئیں تھیں اور آپ کو نیند کی حالت میں دیکھ کر واپس چلی گئیں۔  
تم نے مجھے جگا دیا ہوتا۔

میں جگانے لگا تھا لیکن انہوں نے مجھے منع کیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا

کہ کیا یہ سچ ہے کہ تمہاری بہن نے ایک تاتاری کو ہلاک کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! یہ بالکل سچ ہے تو وہ بہت حیران ہوئیں۔ وہ کہتی تھیں کہ ہم صحیح تمہاری بہن سے ملیں گی

شریانے کہا تم جاؤ مردوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ میں بھی نماز پڑھتی ہوں۔ تمہوڑی دیر بعد شریانے نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے۔ دعا ختم کرنے کے بعد اس نے مُڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے چند عورتیں کھڑی تھیں۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک لڑکی نے کہا۔ ہم رت کے وقت آئی تھیں۔ آپ سورہ تھیں۔ ہم نے آپ کو جگانا مناسب خیال نہ کیا۔ ہم آپ کی سرگزشت سن چکی ہیں۔ ہم سب کو آپ پر فخر ہے۔ شریانے جواب دیا۔ آپ کی حوصلہ افزائی کاشکریہ۔ لیکن یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہ تھا۔

ایک عورت نے کہا۔ لیکن یہ سب تاتاریوں سے بہت ڈرتی ہیں۔ آپ انہیں وعظ کریں۔

شریانے کہا۔ میں وعظ کرنا نہیں جانتی۔ میں بھی آپ میں سے ایک ہوں۔ بہر حال میں آپ کی خواہش روئیں کر سکتی۔ آپ تشریف رکھیں! خواتین بیٹھ گئیں۔ ایک لڑکی نے کہا۔ ذرا اٹھبریے! میں سب کو بلا لاتی ہوں۔ وہ یہ کہہ کر خیسے سے بارہ نکل گئی اور تمہوڑی دیر بعد یہ وسیع خیمہ عورتوں سے کھاکھچ بھر گیا۔

شریانے اچکچا تے ہوئے اپنی تقریر شروع کی۔

”میری مصیبت زدہ بہنو! گز شستہ صدیوں میں دُختر ان

اسلام پر ایسا نازک وقت کبھی نہیں آیا۔ خوارزم میں ہماری سطوت

کے پر چمٹوٹ رہے ہیں اور تاتاریوں کی وحشت اور بربادیت کا  
تند و تیز سیاہ خوارزم کے علاوہ ہر اسلامی سلطنت کے لیے خطرہ  
پیدا کر رہا ہے۔ اس نازک دور میں آپ اس لیے مایوس ہیں کہ  
فرزندانِ اسلام میں وہ پہلی سی شجاعت باقی نہیں رہی۔ ان میں  
قریونِ اولیٰ کے مجاهدین کا ساذوقِ شہادت نہیں لیکن میں پوچھتی  
ہوں۔ آج وہ خواتین ہیں جو اپنے شوہر یا بھائی کو میدانِ جنگ  
میں پیچھے ہٹا دیکھ کر خیموں کی چوبیں نکال کر یہ کہا کرتی تھیں کہ  
اگر تم نے بُردلی دکھائی تو تمہاری کھوپڑیوں کی خیر نہیں!

میری بہنو! یاد رکھو! اگر تی ہوئی قوم کا آخری سہارا اُس قوم  
کی بیٹیاں ہوا کرتی ہیں۔ تم قوم کا آخری سہارا ہو۔ جب تک  
تمہارے سینے نورِ ایمان سے منور ہیں۔ تمہارے بیٹوں، تمہارے  
شوہروں اور تمہارے بھائیوں کو دُنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں  
کر سکتی۔ جب تک قوم کی ماڈل کا مقدس دُودھ قوم کی بیٹیوں کی  
رگوں میں ڈون بن کر دوڑتا رہے گا، ان میں شہادت کی خواہش  
زندہ رہے گی اور جب تک فرزندانِ اسلام میں شہادت کی خواہش  
ہے، وہ بڑے سے بڑے دشمن کے لیے پیامِ موت ثابت ہوں  
گے۔“

قوم اگر مردہ ہے تو اسے زندہ کرنے والا آبِ حیات  
تمہارے پاس موجود ہے۔ قوم اگر سور رہی ہے تو تم اسے جننجھوڑ  
کر جگا سکتی ہو۔ تم مردوں کے پاؤں کی زنجیر نہ بنو! اپنے

شہروں سے کہو کہ تم میدانِ جنگ سے سرخرو ہو کر آؤ۔ ہم گھروں کی چار دیواری میں تمہاری عزت اور آبرو کی حفاظت کریں گی۔

اپنے بھائیوں سے کہو کہ وہ میدان میں جا کر دشمن کے تیر سینوں پر کھائیں۔ اور تم ان پر فخر کرو گی۔ اپنے بیٹوں سے کہو کہ اگر تم نے میدان میں بزدی دکھائی اور تمہارا خون ایڑیوں پر گرا تو تم قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامنِ رحمت تھام کریے کہو گی کہ حضور خدا کے سامنے میرے بیٹے کی سفاعت نہ سمجھیے۔ اس نے میرے دودھ کی لامبیں رکھی۔

ثریا کی آواز خیبے سے باہر دُور تک جا رہی تھی۔ طاہر اور تیمور ملک کے علاوہ باقی سپاہی اور انفرادیک دوسرے کا اشارہ پا کر باہر جمع ہو چکے تھے بعض دم بخود کھڑے تھے اور بعض پر رقت طاری ہو رہی تھی۔

ثریا کے خاموش ہو جانے پر تیمور ملک نے باہر سے بلند آواز میں کہا۔ محترم خاتون! آپ کے بہت سے بھائی باہر کھڑے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن پر تاتاریوں کا نام سن کر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ انہیں بھی حوصلہ دیں۔

ثریا نے کا نبیتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”جو تاتاریوں سے ڈرتے ہیں۔ میں انہیں اپنا بھائی کہنے کے لیے تیار نہیں۔ انہیں کہہ دیجیے کہ کوئی لڑکی جس نے ایک مسلمان ماں کا دودھ پیا ہے، ایسے بزدلوں کو بھائی کہنے کے لیے تیار نہ ہو گی۔ اگر انہیوں نے اپنے فرض میں کوتاہی کو تو ہم اپنے کنگن اُتار کر انہیں پہنچا دیں گی اور انکی زنگ آلو و تلواریں اُٹھا

کرتا تاریوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گی۔ ہمارے محبت اور  
اطاعت بہادروں کے لیے ہے۔ بزدلوں کے لیے نہیں۔ گریہ  
ہماری عصمت کے نگہبان نہیں بن سکتے تو قیامت کے دن خدا  
کے غیور بندوں کی صفائی میں کھڑا ہونے کی توقع نہ رکھیں۔  
دختراںِ اسلام اگر اس دن کسی کو بھانی کہیں گی تو وہ محمد بن قاسم  
جیسا مجاہد ہو گا جس نے اپنی قوم کی ایک بیٹی کی عصمت بچانے  
کے لیے سترہ سال کی عمر میں ایک ملک فتح کیا تھا۔ اس دن ہر  
مسلمان یوں اپنے بزدل شوہر کو بھول کر اپنی اس بہن کے شوہر  
پر فخر کرے گی جس کی قیادت میں دون شہادت سے رنگین ہو گی۔  
اس دن مسلمان ماں یہ کہیں گی کہ ہمارے بیٹے وہ بزدل نہیں جو  
ڈشمن کی تکوار کا وار اپنے سینے پر نہ روک سکیں۔ ہمارے بیٹے وہ  
مجاہدین ہن کی شجاعت نے خواتینِ اسلام کو دنیا بھر کی عورتوں کی  
نگاہوں میں ممتاز کر دیا تھا۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم فخر کے ساتھ  
انہیں اپنا بھانی کہیں تو انہیں چاہتے کہ ہمارے سامنے وہ قبائیں  
پہن کر آئیں جو خون سے رنگین ہوں۔ ہمیں وہ سورتیں دکھائیں  
جن پر زخمیوں کے نشان ہوں۔“

ثیری نے تقریرِ ختم کی تو خواتین آگے بڑھ بڑھ کر اس کے گلے سے پٹری  
تھیں اور خیمے سے باہر تیمور ملک طاہر سے یہ کہہ رہا تھا۔ جب تک ہماری قوم میں  
ایسی اڑکیاں موجود ہیں۔ ہم اسلام کے ڈشمنوں کے ساتھ صدیوں تک جنگ کرنے  
کے بعد بھی ہار نہیں مانیں گے۔ طاہر! تم خوش نصیب ہو۔ میں دعا کرتا ہوں کہ

تمہاری زندگی کے راستے بلخ پہنچ کر ایک دوسرے سے جدانہ ہو جائیں۔ اپنے باندہ ارادوں کی تنکیل کے لیے تمہیں جس ساتھ کی ضرورت تھی وہ تمہیں مل گیا ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے اپنا لو۔

طاہر خاموش کھڑا تھا۔ اس کے کافیوں میں ابھی تک ٹریا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ تصور میں ٹریا کے ساتھ کسی باندہ مینار پر کھڑا نیچے جمع ہونے والے لاکھوں، انسانوں کو جہاد کا سبق دے رہا تھا۔ تصور کی ایک اور جہت کے بعد وہ ایک پیاری کے دامن میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں خود روپھول مسکراتے تھے۔ مہکتی ہوئی ہوائیں ٹھکلیاں کرتی تھیں۔ اور پیاری ندیاں مسرت کے نہ ختم ہونے والے گیت گاتی تھیں۔ ٹریا یہاں بھی اس کے ساتھ تھی اور وہ ندی کے کنارے پھولوں کی تیچ پر لیٹ کر اس کے میٹھے اور سہانے گیت سن رہا تھا۔

پھر وہ میدان کا رزار میں تھا اور ٹریا اس کے زخموں پر مرہم پٹ کر رہی تھی۔ کئی دنوں کے بعد پہلی بار اسے ایک اور لڑکی کا خیال آیا۔ یہ صفیہ تھی۔ شاید اس لیے کہ ٹریا اور صفیہ میں کوئی خاص بات مشترک تھی یا شاید اس لیے کہ ٹریا سے پہلے اس کے ذہن میں صرف صفیہ کا دھنڈلا ساخا کہ تھا۔ صفیہ کے متعلق اس نے اس سے زیادہ بکھی نہیں سوچا تھا کہ اسے اس کے ساتھ غایت درجہ کی ہمدردی تھی۔ ایک ایسی ہمدرد جو کسی انعام کی محتاج نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل میں کوئی خلش یا وہڑکن محسوس کیے بغیر صفیہ کے متعلق سوچ سنتا تھا لیکن ٹریا کے متعلق اس کے احساسات مختلف تھے۔ وہ اپنی بے پناہ قوتِ تغیر کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو چکی تھی۔ تاہم اسے یہ اطمینان تھا کہ بلخ سے ان کے مستقبل کے راستے جدا ہو جائیں گے اور اس کے دل میں صرف ایک جوش گواریاں باقی رہ جائے گی اور یہ یاد بھی شاید اسے زیادہ دیر

پریشان نہ کرے۔

تیمور ملک گھوڑی دریغور سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ باآخر وہ بولا۔ تم پریشان کیوں ہو؟ اگر کہو تو س معاملے میں تمہاری رہنمائی کر سئتا ہوں۔

نہیں نہیں! طاہر نے چونک کر کہا۔ ابھی نہیں۔ ابھی میری زندگی میں ان باتوں کا وقت نہیں آیا۔

(۵)

صحح کی نماز کے بعد طاہر، شریا اور اسماعیل نے سفر کی تیاری کی۔ تیمور ملک نے تھکے ہوئے گھوڑوں کے بد لے انہیں تین تازہ دم گھوڑے دے دیے۔ طاہر نے بیت المال کی اشرفیاں تیمور ملک کے سپرد کیں۔ تیمور ملک نے راستے کے شہروں کے حکام کے نام پر مراسلہ لکھ دیا کہ انہیں راستے میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانی جائے۔ اس کے علاوہ اس نے ابتدائی دو منازل میں خطرہ محسوس کرتے ہوئے بیس سواروں کو ان کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا۔

رُخصت کے وقت طاہر سے مصافحت کرتے ہوئے تیمور ملک نے کہا۔ میرا مکتب تمہیں نہ صرف بغداد تک پہنچنے میں مدد دے گا بلکہ حالات نے تمہیں واپس آنے پر آمادہ کیا تو بھی تمہارے کام آئے گا۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔ اس کے بعد شریا سے مخاطب ہوا۔ میری بہن! آپ کو راستے میں انشاء اللہ کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ آپ کار فیق سفر ایک ایسا نوجوان ہے جو ایک دفعہ میری جان بچا چکا ہے۔

میں انہیں جانتی ہوں۔ شریا نے یہ کہتے ہوئے طاہر کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھٹکا لیں۔ اس کے چہرے پر حیا کی سرخی یہ کہہ رہی تھی۔ آپ انہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔

سارا دن سفر کرنے کے بعد یہ لوگ شام کے وقت ایک فوجی چوکی پر پھر گئے۔  
دوسری شام ایک شہر میں پہنچ کر طاہر نے محافظہ دستے کو واپس بھیج دیا۔ شہر کے حاکم  
نے تیمور ملک کا مکتوب دیکھ کر ان کی کافی آؤ بھگت کی۔ صبح جب ثریا حاکم شہر کے گھر  
کی عورتوں کو الوداع کہہ کر باہر نکلی تو وہ مردانہ لباس کی بجائے عوتوں کا لباس پہنچے  
ہوئے تھے۔

جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکلے تو ثریا نے شرماتے ہوئے کہا۔  
میں نے لباس اس لیے تبدیل کیا ہے کہ اب ہمیں راستے میں کوئی خطرہ نہیں۔ میں  
نے سنا ہے کہتا تاری اپنی پوری قوت کے ساتھ سمر قدر اور بخارا کا رُک کر رہے ہیں  
طاہر نے کہا۔ اسی لیے بہت جلدی بغداد پہنچ جانا چاہتا ہوں۔

ثریا نے کہا۔ آپ کو میری وجہ سے دیر ہو رہی ہے لیکن مجھے اب راستے میں کوئی  
خطرہ نہیں۔ اگر آپ مناسب خیال کریں تو میں اگلے شہر کے حاکم سے کہوں گی کہ  
مجھے بُخ پہنچانے کا انتظام کر دے اور آپ وہاں سے سیدھے بغداد روانہ ہو جائیں۔  
نہیں نہیں۔ اسماعیل نے کہا۔ میں آپ کو بُخ پہنچنے سے پہنچنے والے دوں  
گا۔

یہ دراصل ثریا کے دل کی آواز تھی۔ طاہر نے کہا۔ اچھے بھائی! میں تمہارے  
لیے غزنی تک جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

اسماعیل نے کہا۔ خدا مجھے بُخ سے آگے نہ لے جائے۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے  
میری ٹانگیں شل ہو گئی ہیں۔ لیکن بُخ میں آپ کو چند دن ہمارا مہمان رہنا پڑیگا۔  
طاہر نے جواب دیا۔ یہ نہیں ہوگا۔ بُخ کے دروازے پر پہنچ کر میرا اور تمہارا  
راستہ مختلف ہوگا۔

اسماعیل نے کہا۔ آپ میرے ساتھ نہ کے گھر تک نہیں جائیں گے؟

کاش میرے پاس وقت ہوتا!

اسماعیل نے مایوس ہو کر کہا۔ پھر آپ کبھی نہیں آئیں گے؟

اسماعیل کے اس سوال پر ثریا کا دل دھڑ کنے لگا۔ طاہر نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ اگر مجھے زندگی میں کوئی فرصت کا محل سکتا تو انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔

تو پھر بُخ میں ہمارا گھر ضرور دیکھتے جائیں۔

تمہارے نانا کا نام کیا ہے؟

عبد الرحمن۔

طاہر اور اسماعیل دیر تک با تیک کرتے رہے اور ثریا اپنے دل میں بار بار طاہر کا یہ فقراد ہرارہی تھی۔ اگر مجھے زندگی میں کوئی فرصت کا محل سکتا تو انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔ اور اس کا دل بار بار یہ سوال پوچھ رہا تھا کہ کیا اس نے یہ بات فقط اسماعیل کی تسلی کے لیے کہی ہے یا اسے یہ معلوم ہے کہ اسماعیل سے کہیں زیادہ کسی اور بغداد سے آنے والے قافلوں کا انتظار رہے گا۔

اب تک طاہر کی زبان سے اس نے ایسا لفظ بھی نہیں سناتھا، جس سے اس پر طاہر ہوتا کہ زندگی کی بلند منازل کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے اس کے دل میں اپنے راستے کی بھولی ہوئی منزل کے ساتھی کی یاد باقی رہے گی۔ اسے طاہر کے بلند نصب الین پر فخر تھا۔ وہ اس کی شخصیت کو ہر لحاظ سے قابلِ احراتم سمجھتی تھی۔ اسے اس بات پر مسرت تھی کہ اس میں مردانگی کے تمام جو ہر تھے۔ اس کی نگاہوں میں نیکی، شرافت، شجاعت اور پاکیزگی تھی۔ وہ سب کچھ تھا جس کی قوم کو ضرورت تھی اور اس

کے ساتھ ہی وہ سب کچھ تھا جس کی ثریا تمنا کر سکتی تھی۔

(۶)

جوں جوں منزل قریب آ رہی تھی، دونوں کے دل کی خلش میں اضافہ ہو رہا تھا  
۔ شاید دونوں کی یہ شکایت تھی کہ وہ ایک دوسرے کے دل کی کیفیت سے اب تک  
کیوں بے خبر ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتے لیکن ان کی آنکھیں اوپر اٹھنے  
سے انکار کر دیتیں۔ وہ کوئی بات کرنا چاہتے لیکن ان کی زبان میں گنگ ہو جاتیں۔

آخر ایک دن وہ اس چورا ہے پر کھڑے تھے جہاں بغداد اور بلخ کو جانے  
والے راستے ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے۔ اسماعیل کا گھوڑا چند قدم آگے تھا۔  
اس نے مڑ کر پچھے دیکھا اور کہا۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہو گئے؟ آئینے نا!  
طاہر نے کہا۔ ٹھہر و اسماعیل!

مجھ سے اب گھوڑے پر نہیں بیٹھا جاتا۔ یہ کہتے ہوئے اسماعیل گھوڑے سے  
اُتر اور اس کی باغ پکڑ کر چند قدم پیدل چلنے کے بعد ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔  
ثریا نے طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ اس کا خیال ہے کہ آپ گھر تک ہمارے  
ساتھ جائیں گے۔

طاہر نے کہا۔ آپ میری طرف سے اسے سمجھا دیں۔ یہاں سے رخصت ہو  
کر میں شام سے پہلے ایک منزل طے کر لوں گا۔  
ثریا نے مغموم لمحے میں کہا۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔  
اچھا خدا حافظ!

ثریا کے ہونٹ کیکپا اٹھے۔ اس نے خدا حافظ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کا گلا  
بیٹھ گیا۔ زبان رُک گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

طاہر نے گھوڑے کی باگ موڑنے کا ارادہ کیا لیکن ہاتھوں کو جنبش نہ ہوتی۔

جائیئے! ثریا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

ثریا! طاہر نے کہا۔ اس درخت کی طرف دیکھو۔ باقی تمام درختوں کے پتے جھٹر چکے ہیں۔ لیکن وہ سبز ہے۔

ثریا مژکر دوسرے طرف دیکھنے لگی۔ طاہر نے کہا۔ اب میری طرف نہ دیکھنا۔

میں تم سے کچھ بتیں کہنا چاہتا ہوں

ثریا نے کہا۔ کہیے۔ اگر آپ میرے آنسوؤں سے متاثر ہوئے ہیں تو یقین سمجھیے کہ یہ شکر کے آنسو تھے۔ میں اپنے محسن کو آنسوؤں کے سوا کیادے سکتی ہوں۔

طاہر نے کہا۔ ثریا یہ نہ سمجھو کہ تمہارے جذبات سے واقف نہیں اور یہ بھی نہ سمجھو کہ میرے دل میں ان آنسوؤں کی کوئی قیمت نہیں۔ میری صاف بیانی سے غلط اندازہ نہ لگائیں۔ میں یہ بتیں اس لیے کہ رہا ہوں کہ ایسے پرآشوب زمانے میں کہنے اور سننے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔ میں کل دوبارہ ملنے کی توقع پر آج تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ ہوستا ہے کہ وہ کل بہت جلد آجائے۔ یہ بھی ہوستا ہے کہ اس کل کے انتظار میں کئی برس گزر جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کل کبھی نہ آئے۔ بہر حال اگر قدرت نہ ہمیں زندگی کے چورا ہے پر پھر ایک بارا کتنا کر دیا تو میں زندگی کی آخری منزل تک تمہاری رفاقت اپنے لیے قدرت کا سب سے بڑا انعام سمجھوں گا۔

سردست میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میرا فرض مجھے بعد ادبار ہا ہے اور اس کے بعد میں تاتاریوں کے خلاف خوارزم کے ہر سورچے پر پہنچنا اپنا فرض سمجھوں گا۔ تم اس وقت کے لیے دعا کرو جب میں فتح کی خبر لے کر بلخ پہنچوں جب میری قبامیرے خون سے رنگیں ہو اور میرے چہرے پر زخموں کے انشان ہوں۔

ثیریا نے مُر کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔ کاش میں ان مورچوں پر آپ کا ساتھ دے سکتی۔ اس کی آنکھوں میں امید کی روشنی تھی اور طاہر محسوس کر رہا تھا کہ چاند بادلوں کے نقاب سے اچانک باہر نکل آیا ہے۔ ایک لمحہ توقف کے بعد ثیریا بولی۔ اب میں آپ سے ایک درخواست کروں گی۔

”کہو!

آپ نانا کے گھر تک ہمارا ساتھ ضرور دیں۔ میں آپ کو صرف ایک بار وہ دروازہ دکھانا چاہتی ہوں جو آپ کے لیے ہر وقت گھلار ہے گا تا کہ آپ جب دوبارہ بخ آئیں تو ہمارے گھر کا کوئی آدمی یہ خیال نہ کرے کے آپ اجنبی ہیں۔ آپ نانا جان سے ملیں وہ خوش ہوں گے، میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو آج نہیں تو کل علی الصباح ضرور روانہ کر دوں گی۔ مجھے یہ یقین ہے کہ آپ دو دن کا سفر ایک دن میں طے کر سکتے ہیں۔ میرے لیے!

طاہر نے کہا۔ چلیے۔

اسا عیل چھوٹے چھوٹے لکنگرا اٹھا کر ایک پتھر کا نشانہ کر رہا تھا۔ طاہر اور ثیریا کو قریب آتے دیکھ کر وہ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

## سپاہی اور تاجر

شیخ عبد الرحمن دو ہرے جسم اور موٹے دماغ کا ایک متمول تاجر تھا۔ اس کا مکان بلخ کی چند شاندار عمارتوں میں سے ایک تھا۔ اس کا وسیع کاروبار دور دراز کے شہروں میں پھیلا ہوا تھا اور اس کے تجارتی قابلے بخارا اور بغداد سے لے کر دہنی تک آتے جاتے تھے۔ رہائشی مکان کے ساتھ ایک اور وسیع عمارت میں اس کا ففتر تھا۔ تاتاریوں کے حملے نے اسے خوارزم سے کاروبار سمینے پر مجبور کر دیا تھا۔ بخارا اور سمرقند سے اس کے قاصد نہایت پریشان کن خبریں لارہے تھے۔ چند ہفتے پہلے اس نے بلخ کو محفوظ سمجھتے ہوئے اپنا مال و متاع وہاں جمع کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اب وہ اپنا قیمتی مال و اسباب غزرنی بھیج رہا تھا۔

طاہر کو جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ بیش قیمت ایرانی قالینوں قالینوں اور اطلس و کنواب کے پردوں سے آرائتہ تھا۔ اس نے اسماعیل کے ساتھ پاس کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی اور شہر کے پرونق بازار کا ایک چکر لگانے کے بعد واپس آگیا۔

وہ اسماعیل کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ کمرے میں خلینہ ایک معمر خاتون داخل ہوتی۔ اسماعیل نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تانی جان آئی ہیں۔“ تانی جان آئی ہیں۔“ طاہر بھی اٹھ کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ حنفیہ کی آنکھوں سے حزن و ملال پیکتا تھا۔ اس نے آتے ہی کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ”نوجوان! میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں، تم نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ خدا تمہیں جزادے۔“

طاہر نے جواب دیا ”میں اپنے آپ کو شکریہ کا مستحق نہیں سمجھتا۔ یہ میرا فرض تھا۔ مجھے اسماعیل کے والد کے متعلق افسوس ہے۔“

حنیفہ نے گردن اوپر اٹھائی اور کہا۔ ”وہ مر انہیں شہید ہوا ہے۔ مجھے اس سے یہی توقع تھی۔ مجھے ثریا نے بتایا ہے کہ تم علی الصباح بغداد روانہ ہو جاؤ گے، میں تمہیں ضروری کام سے روکنا نہیں چاہتی لیکن اگر پھر کبھی اس راستے سے گزر ہو تو اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ بغداد پہنچ کر یہ نہ بھول جانا کہ بخ میں ایک عرب مان تمہیں اپنا سمجھتی ہے۔

پھر وہ اسماعیل کی طرف متوجہ ہئی۔ بیٹا! تمہارے ننانے کہا بھیجا ہے کہ وہ مہماں کیسا تھوڑا کھانا کھائیں گے زیادہ دیرا نظر آرنہ کرنا۔ ان کے پاس بہت سے تاجر آئے ہیں ممکن ہے کہ وہ یہاں آنا بھول ہی جائیں۔

کمرے سے نکلتے ہوئے حنیفہ دروازے پر رُکی اور طاہر کو آواز دی اور طاہر کے دل میں ایک خفیہ سی دھڑکن پیدا ہوئی۔ یہ ثریا کی آواز تھی۔

اسماعیل دروازے سے پرودہ ہٹا کر ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولا۔ آپ کا خیال ہے کہ شاید نانا جان کو آنے میں دیر ہو جائے۔ چلیے آپ کھانا کھائیں!

طاہر نے کہا۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ ہم تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں؟

اسماعیل نے جواب دیا۔ نانا جان کا کچھ پتہ نہیں۔ نانی جان کہتی ہیں کہ وہ کبھی آدمی آدمی رات تک فتر میں حساب کتاب دیکھتے رہتے ہیں بہت اچھا۔ طاہر یہ کہہ کر اٹھا اور اسماعیل کے ساتھ برابر کے کمرے میں داخل ہوا۔

(۲)

دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے بجھے ہوئے تھے۔ ایک جلشی غلام ادب

سے ہاتھ باندھ کر ایک کونے میں کھڑا تھا۔ تکلفات میں یہ دسترخوان بغداد کے کسی امیر کے دسترخوان سے کم نہ تھا۔

طاہر نے بیٹھتے ہوئے اسماعیل سے سوال کیا۔ اور مہمان بھی آئیں گے؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ باقی مہمانوں کا کھانا باہر کے مہمان خانے میں بھیج دیا گیا ہے۔ آپ جان کہتی تھیں کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ وہ لوگ آپ سے ساری رات سوالات پوچھتے رہتے۔ اس لیے آپ کے لیے یہاں انتظام کیا گیا ہے؟

کھانا کھانے کے بعد طاہر نے اسماعیل کے ساتھ مسجد میں جا کر عشا کی نماز ادا کی اور واپس کمرے میں آ کر اس نے اسماعیل سے کہا! اب تمہیں نیند آری ہوگی۔ جاؤ سوجاً!

اسماعیل اٹھ کر دروازے تک پہنچا لیکن کچھ سوچ کر پھر لوٹ آیا طاہر نے پوچھا کیوں بھی، کیا بات ہے؟

اسماعیل نے کہا۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ مجھ سوتا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ طاہر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں مل کر جاؤں گا۔ جاؤ اب آرام کرو۔

اسماعیل مضمٹن سا ہو کر باہر نکل گیا۔

نوکر نے انگیڈھی میں جلتی ہوئی آگے پر اور لکڑیاں لا کر پھینک دیں اور طاہر سرپری سے اٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ ابھی وہ نیم خوابی کی حالت میں تھا کہ اسماعیل پھر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ نانا جان آپ سے ملنے کے لیے آرہے ہیں۔ طاہر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک درمیانے قد کا موٹا تازہ معمر آدمی کمرے

میں داخل ہوا۔ طاہر نے جلدی سے اٹھ کر مصافحہ کیا۔

شیخ عبدالرحمٰن نے طاہر کو دو تین بار سر سے لے کر پاؤں تک گھور کر دیکھا اور  
کسی تمہید کے بغیر سوال کیا:

آپ کا نام طاہر ہے؟

جی ہاں۔

آپ عرب ہیں؟

جی ہاں۔

تاتاریوں کے حملے کے وقت آپ قو قند میں تھے؟

جی ہاں۔

آپ وہاں کیا کام کرتے تھے؟

میں وہاں تیمور ملک کا ایک سپاہی تھا۔

عبدالرحمٰن نے مغموم لمحے میں کہا۔ وہ بد نصیب بھی ایک سپاہی تھا۔

کون؟ طاہر نے سوال کیا۔

نصر الدین۔ ان بچوں کا باپ۔ میں نے اپنی بیوی کو بہت سمجھایا تھا کہ ایک سپاہی کے ساتھ میری اڑکی کی شادی نہ کرو۔ جب وہ بے چاری مر رہی تھی، یہ حضرت مصر میں نصرانیوں کے خلاف اڑکر ہے تھے۔ اس کے بعد اسے خوارزم شاہ کی خدمت کا شوق چرا یا۔ اب ان بچوں کی نانی رورہی ہے۔ بھلا ایسے دماد کے متعلق اور کیا خبر آسکتی تھی؟ سپاہی یا جنگ میں کام آتا ہے یا زخمی ہوتا ہے۔ اب رونے سے کیا فائدہ؟

طاہر نے جواب دیا۔ معاف سمجھیے۔ قوم کے سرفروش سپاہیوں کے متعلق میری

رائے آپ کی رائے سے مختلف ہے۔

عبد الرحمن نے کہا۔ آپ براہمہ مانیے۔ میں اس موضوع پر بحث نہیں کیا آکرتا۔

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میری عمر سانچھ سال کے لگ بھگ ہے اور آج تک میرے جسم پر خراش تک نہیں آئی۔ میں ایک دفعہ سرکش گھوڑے سے گرا تھا۔ اس کے بعد میں گھوڑے کی لگام کو ہاتھ لگانے سے پہلے اس کا حسب نسب پوچھ لیتا ہوں لیکن میں ان نوجوانوں پر حیران ہوں جو بار بار زخمی ہونے کے باوجود بھی تلواروں سے کھلینا پسند کرتے ہیں۔

طاہر نے کہا۔ قوم کی عزت اور آزادی صرف ایسے ہی نوجوانوں کے دم سے قائم ہے۔ اگر قوم کے تمام افراد آپ کی طرح جسم پر خراش تک آنے سے ڈرنے لگیں تو تاتاری ہمارے لیے اس زمین پر سانس تک لینا دشوار کر دیں گے۔

آپ نے غلط سمجھا۔ مجھے نام سپاہیوں سے نفرت نہیں۔ مجھے صرف ان لوگوں کے خلاف شکایت ہے جن کو گھر میں آرام میسر ہوتا ہے لیکن وہ صرف اپنے عزیزوں کو رُلانے کے لیے میدانِ جنگ میں چلے جاتے ہیں۔ نصرِ الدین ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔

طاہر نے کہا۔ قوم کی عزت اور آزادی کے لیے اڑنا ہر شخص کا فرض ہے۔ یہاں نام اور خاص کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ خدا کے نگاہ میں امیر اور غریب کے خون کی قیمت ایک ہی ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر قوم آزاد ہو تو امراء زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے قریبانی کے وقت انہیں قوم سے پیچھے نہیں بلکہ آگے رہنا چاہتے۔

عبد الرحمن نے اس بحث میں لا جواب سا ہو کر گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے اسماعیل سے کہا۔ کیوں اسماعیل! تم تاجر بنو گے یا سپاہی؟

میں سپاہی بنوں گا اور تاج بھی بنوں گا۔

عبد الرحمن نے پریشان ہو کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ صبح جانا چاہتے ہیں؟

جی ہاں! میں آج ہی جانا چاہتا تھا لیکن آپ سے ملاقات کے شوق میں ٹھہر گیا۔

بہت اچھا۔ میں صبح ضرور ملوں گا۔ یہ کہہ کروہ اسماعیل کا بازو پکڑ کر باہر نکل گیا۔  
بالاخانے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے نانا اپنے نواسے سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا  
۔۔۔ بے وقوف! میں نے خوارزم شاہ کو دو لاکھ دینار بھیجے ہیں۔ اس رقم سے وہ کئی اور  
سپاہی اپنی فوج میں بھرتی کر سکت ا ہے۔ میرا مقصد سپاہیوں کی توہین نہ تھا۔ میرا  
مطلوب یہ تھا کہ تاج بھی اپنا کاروبار سنپھال کر قوم کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔  
اگر تمہارا بابا پ خوارزم شاہ کے لیے جان دینے کی بجائے تجارت میں میرا ساتھی ہوتا  
تو ہم لاکھوں کا کاروبار اور بڑھاسکتے تھے اور خوارزم شاہ کو بہت زیادہ مدد دے سکتے  
تھے۔

اسماعیل کہہ رہا تھا۔ ابا جان نے خوارزم شاہ کے لیے جان نہیں دی۔ انہوں نے  
ہماری آزادی اور عزت کے لیے جان دی ہے۔

اور وہ غصے سے کامیتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس لیے تو وہ تمہیں تنہا چھوڑ کر  
چلا گیا تھا۔ خدا کا شنکر کرو کہ اس نوجوان کو تمہاری مدد کے لیے بھیج دیا۔ ورنہ نہ معلوم  
تمہارا کیا حشر وہتا لیکن تمہیں بحث کران کس نے سکھا دیا۔ چلو!

طاہر کو دوبارہ سیڑھیوں پر ان کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ مسکرا تا ہوا  
بستر پر لیٹ گیا۔

صحیح مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد جب طاہر دوبارہ اپنے کمرے میں آیا تو اسماعیل وہاں موجود تھا۔ وہ بولا دوسرا رے کمرے میں ناشستہ تیار ہے۔

طاہر نا شستہ کھا کر فارغ ہوا تو ایک نوکر نے آ کر کہا۔ آقا آپ کو بلاستے ہیں۔

طاہر اسماعیل کی رہنمائی میں کمرے میں سے نکل کر ایک کشادہ برآمدے میں چند قدم چلنے کے بعد سیڑھیوں پر چڑھا اور بالائی منزل کے ایک خوش نما کمرے میں داخل ہوا۔ عبدالرحمٰن ایک قالین پر گاؤں تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے چاندی کے طشت میں ایک تھیلی پڑی ہوتی تھی۔ اُس نے اٹھ کر طاہر کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا:

آپ کا گھوڑا تیار ہے۔ شریا کہتی تھی کہ آپ کا ایک دن ضائع ہوا۔ اس لیے میں آپ کو اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا دے رہا ہوں۔ میں شہر کے گورنر سے بھی مل چکا ہوں۔ اس نے راستے کی چوکیوں کے نام یہ مراسلہ لکھ دیا ہے۔ لیجیے۔

طاہر نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے گورنر کو مراسلہ لیتے ہوئے کہا۔ شکریہ! لیکن میرے پاس تیمور ملک کا مکتوب تھا۔

مجھے شریا نے یہ بتایا تھا لیکن تیمور ملک کے اقبال کا ستارہ ان دنوں گردش میں ہے، مجھے ڈرتھا کہ شاید بخ کے گورنر کے سپاہی اس کے مکتوب کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ شریا نے یہ خدشہ بھی طاہر کیا تھا کہ آپ کو تیمور ملک کا ساتھی سمجھ کر راستے کی چوکیوں کے افسر آپ سے طرح طرح کے سوالات پوچھیں گے اور آپ کا بہت سا وقت ضائع کریں گے۔

طاہر نے انتھتے ہوئے کہا۔ میں اس تکلیف کے لیے آپ کا شکرگزار ہوں۔

اب مجھے اجازت دیجیے۔

ٹھہریے! عبد الرحمن نے چاندی کا طشت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا بھاری بھر کم وجود سنبھالنے ہوئے اٹھ کر کہا۔ میں آپ کی تکلیف کا حلہ نہیں دے سکتا۔

میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ قبول کیجیے۔

طاہر کی خوب صورت اور کشادہ پیشائی پر ہلکی ہلکی شکنیں نمودار ہوئیں اور اس نے عبد الرحمن کے ہاتھوں سے طشت لے کر نیچے رکھ دیا اور ٹھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس میں کیا ہے؟

دو ہزار اشرفیاں، لیکن اگر آپ اسے کم سمجھیں تو میں انہیں دو گناہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آپ کو میرے متعلق غلط فہمی ہوتی۔ مجھے اجازت دیجیے۔ یہ کہتے ہوئے طاہر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن عبد الرحمن پریشان سا ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنی قبا کا دامن مسل رہا تھا۔

تم خفا ہو گئے۔ کیسی غلط فہمی؟ میں تمہاری بڑی سے بڑی توقع پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں شریا اور اسماعیل کو ہیروں سے قول کر تھیں دے سکتا ہوں۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ تم دل کھول کر مانگو اور میں دل کھول کر دوں گا۔ خدا کی قسم شریا اور اسماعیل کی جان بچانے والا میرے گھر سے ناراض ہو کر نہیں جائے گا۔ میں ایک عرب ہوں!

طاہر نے کہا۔ میں نے آپ کے لیے کچھ نہیں کیا اور اگر کچھ کیا ہے تو وہ میرا فرض تھا۔ آپ عرب ہیں تو میں بھی ایک عرب ہوں لیکن عرب ہونے سے پہلے ہم دونوں مسلمان ہیں اور مسلمان کسی کے خلوص کو پیسوں سے تو لا نہیں کرتے۔

عبد الرحمن اپنی قبائل کو بُری طرح مسل رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن عقب کے کمرے کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کو جنبش ہوئی اور شریانے اچانک نمودار ہو کر عبد الرحمن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

نانا جان! شریانے سہی ہوئی آواز میں کہا۔ آپ کونا نی جان بلاتی ہیں۔ عبد الرحمن کچھ کہے بغیر شریانے کے ساتھ عقب کے دروازے کی طرف چل دیا اور شریانے سے دروازے تک پہنچا کر طاہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایک ثانیے کے لیے وہ خاموشی سے طاہر کی طرف دیکھتی رہی اور جب پردے کے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آہٹ سنائی دی تو اس نے مغموم اور ماتجھی لمحے میں طاہر سے کہا۔ میں آپ سے معدرت چاہتی ہوں۔ میں سب باتیں سن چکی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ نانا جان کو ایک سادہ لوح تاجر سمجھ کر ان کی غلطی سے درگزر کریں گے۔ وہ تجارت کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ ان کے لیے ساری دنیا ایک منڈی ہے۔ وہ جب رات کے وقت آسمان پر جھلملاتے تارے دیکھتے ہیں تو بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ آپس میں لیکن دین کر رہے ہیں خدا کے لیے آپ یہاں سے خفا ہو کرنہ جائیں۔ یہ میری غلطی تھی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ ورنہ میں انہیں سمجھا دیتی۔ کہیے آپ ان کی غلطی معاف کرتے ہیں یا نہیں۔ میرے لیے؟ طاہر مسکرایا اور شریانے محسوس کیا کہ اس کے آسمان سے غم کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ شریان تم پر بیثان کیوں ہو۔ تمہارے لیے میں زہر میں بکھے ہوئے تیر بھی اپنے سینے پر کھا سکتا ہوں اور تمہارے نانا جی نے تو مجھے کچھ کہا ہی نہیں۔ میرے دل میں ان کی بہت عزت ہے۔ اپنے زاویہ نگاہ سے انہوں نے کوئی بُری بات نہیں کی۔ فرض کرو اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو میری ضروریات کا احساس کرنا ان کا فرض نہ تھا؟

شیا مسکراتی اور اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بھر آئے۔ طاہر بیک وقت اس کے ہونتوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں میں چھمکتے ہوئے آنسوؤں پر جیران تھا۔ اس نے سورج کی ابتدائی کرنوں میں پھولوں کو بیدار ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے گلاب کے کثوروں میں شبنم کے موتی دیکھے تھے لیکن شیا کی آنکھیں شبنم میں نہایت ہوئے پھولوں سے کہیں زیادہ انفریب تھیں اس کے ہونٹ سورج کی سنہری کرنوں میں مسکرانے والی گلیوں سے زیادہ جاذب نظر تھے۔

ایک بہادر عورت موت کے سامنے مسکرا سکتی ہے۔ انتہائی کرب کی حالت میں اپنے آنسو ضبط کر سکتی ہے لیکن اچانک مسرت کا پیغام سن کر جب وہ مسکراتی ہے تو آنکھیں بے اختیار دبے ہوئے آنسوؤں کے خزانے لٹا دیتی ہے۔

شیا نے کہا۔ آپ تمہوڑی دیر بعد یہاں ٹھہریے۔ نافی جان آپ کو خدا حافظ کہنے آئیں گی۔ اسماعیل انہیں جانے نہ دینا!

شیا برآمدے میں سے گزر کر ساتھ کے کمرے میں داخل ہوئی اور جلدی سے یہ کمرہ عبور کرنے کے بعد عقب کے کمرے میں پہنچی۔ اس کمرے کا ایک دروازہ اس کمرے کی طرف کھلتا تھا جہاں اس کی نافی اور نانا آپس میں با تیں کر رہے تھے۔ نیم دروازے کے آگے لٹکے ہوئے پر دے کے پیچھے کھڑی ہو کروہ کچھ دیر ان کی با تیں سُستی رہی۔ اس کا دل دھڑ کنے لگا اور وہ اپنے گالوں اور کانوں میں ایک حرارت سی محسوس کرنے لگی۔

شیخ عبدالرحمٰن کہہ رہا تھا۔ شیا بھی یہی چاہتی ہے؟

اور شیا کی نافی کا جواب تھا۔ اور شیا اگر یہ نہ چاہتی تو میں اسے بے قوف سمجھتی

تم خود سوچو اگر تم خود رثیا کی جگہ ہوتے تو تمہارے دل میں ایسے نوجوان کے لیے  
ایک نہ مٹنے والی خواہش بیدار نہ ہوتی؟

عبد الرحمن نے قدرے تامل کے بعد جواب دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خوش  
وضع ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ شریف ہے۔ عالی نسب بھی معلوم ہوتا ہے،  
میر حشم بھی ہے لیکن اگر رثیا کی جگہ میں ہوتا تو شادی کے لیے ایسے نوجوان کو منتخب  
کرنے کی حماقت نہ کرتا جو آٹھوں پھر سر ہتھی پر رکھ پھرتا ہو۔ بہر حال مجھے اب  
یقین ہو چکا ہے کہ تم آج نہیں تو کال، کال نہیں تو پرسوں مجھ سے رثیا کے متعلق اپنا  
فیصلہ منا کر رہو گی اس لیے میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ تم مضمون رہو۔ میں ابھی اس سے  
بات کرتا ہوں لیکن وہ چلانہ گیا ہو۔ اسما عیل! اسما عیل!! اس نے باند آواز میں کہا۔  
جی! اسما عیل کی آواز آئی۔

مہمان ہیں ہے؟

جی ہاں!

ان سے کہو توڑی دری ٹھبریں۔ میں ابھی آتا ہوں۔

حنیفہ نے کہا لیکن خدا کے لیے کوئی اور حماقت نہ کر بیخنا۔

اس نے بگڑ کر کہا۔ تم اب بھی مصر ہو کہا سے اشرفیاں پیش کرنا حماقت تھی؟

حنیفہ نے جواب دیا۔ حماقت نہیں تو اور کیا تھا!

خدا کی قسم! جب سے میں نے ہوش سن بھالا ہے۔ مجھے یہ پہلا شخص ملا ہے جسے  
دولت سے انفرت ہے۔

اچھا اب خدا کے لیے جاؤ لیکن سوچ سمجھ کر بات کرنا۔

تو تمہارے خیال میں میں سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتا۔ خدا کی قسم دنیا میں

صرف تم ہو جسے میں اپنی دانشمندی کا تعریف نہ بناسکا۔ ورنہ بلخ، بخارا اور سرقداد  
میں کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے میری مدح میں قصیدہ نہیں لکھے۔

اگر آج تم نے کوئی غلطی نہ کی تو میں بھی ہمیشہ کے لیے تمہاری عقلمندی کی  
متعرف ہو جاؤں گی۔

تو پھر دروازے کے قریب بیٹھ کر غور سے باقیں سنتی رہو۔

ثريا اپنی توقع سے زیادہ سن چکی تھی۔ وہ کمرے سے جھٹی ہرنی کی طرح بھاگی  
اور چند کمرے چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا پہنچی۔ قد آدم آئینے میں اس نے اپنا چہرہ  
دیکھا۔ اس کے گال سرخ ہو رہے تھے۔ اس نے جلدی سے کاغذ اور قلم اٹھایا اور  
قاںین پر بیٹھ کر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ یہ ایک خط تھا۔ اس کا پہا اخط۔۔۔

عبد الرحمن دوسرے کمرے میں ظاہر کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے اسماعیل کی  
طرف دیکھا اور کہا۔ بیٹا! تم تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤ۔ اسماعیل اٹھ کر برآمدے  
میں جا کھڑا ہوا۔ عبد الرحمن ظاہر سے مخاطب ہوا۔

بیٹھ جاؤ بیٹا۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے لیکن میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔  
میں زیاد وقت نہیں لوں گا۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ عبد الرحمن نے کہا ایسی باتوں کے  
لیے لوگ لمبی چوڑی تمہید باندھا کرتے ہیں لیکن تمہارے جانے کی جلدی ہے اور  
میں بھی بہت مصروف ہوں۔ مہماں خانے میں بہت سے تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں  
اور مجھے ان سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اس لیے میں اس قصے کو مختصر کرتا ہوں۔  
میں نے تمہیں دولت پیش کی اور وہ تم نے ٹھکرایا اور پیچ پوچھو تو مجھے اس بات پر  
بہت صدمہ ہوا ہے۔

ظاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اگر آپ اس بات پر ابھی تک مصروف ہیں تو  
میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ جو تم مجھے دینا چاہتے ہیں وہ خوارزم شاہ کے بیت  
المال میں بھیج دیں۔ قوم کو اس سے زیادہ ضرورت شاید بھی نہ ہو۔  
میں تمہاری یہ خواہش روئیں کرتا۔ یہ رقم وہاں بھیج دی جائے گی لیکن اس وقت  
میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔

تمہارے دل میں ایک ایسی خواہش ہے جو تم نے ابھی تک مجھ سے بیان  
نہیں کی۔ عبدالرحمن کی بیوی پر دے کے پچھے کھڑی اپنے ہونٹ چبارہی تھی۔  
ظاہر نے کہا تو آپ ہی بتا دیجیے وہ کونسی خواہش ہے؟  
بات یہ ہے کہ تم اپنے اخلاق اور شرافت سے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے  
انعام کا مستحق ثابت کر جکھے ہو۔

ظاہر نے کہا۔ اگر وہ انعام سونے اور چاندی میں نہیں تو میں یقیناً اسے حاصل  
کرنا اپنی خوش بختی سمجھوں گا۔

نوجوان! تم صاف طور پر کیوں نہیں کہتے کہ تم ٹریا کے سوا مجھ سے اور کچھ نہیں  
مالگاتے؟

ظاہر نے آنکھیں جھکا لیں۔

بولنے کیوں نہیں؟

شریف نوجوان ایسے موقوں پر بولا نہیں کرتے۔ یہ کہتے ہوئے حنفیہ نے  
دروازے کا پردہ ہٹایا اور اندر آگئی۔ ظاہر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ عمر خاتون نے ظاہر  
کے سر پر شفقت سے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جیتنے رہو بیٹا! ٹریا تمہاری ہے۔  
اب جاؤ لیکن جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔

صبار فتار گھوڑے ہر جست اسے اس خطہ زمین سے دور لے جا رہی تھی جہاں  
ہر ذرے کے پہلو میں اس نے محبت کی دھڑکنیں محسوس کی تھیں۔ شیخ عبدالرحمٰن کے  
 محل اور بُلخ کے بازاروں میں سے نکلتے ہوئے اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس شہر میں  
ایک اجنبی نہ تھا۔ ایک بُبل کی طرح جو ایک پھول سے آشنا ہونے کے بعد سارے  
 باغ کو اپنا سمجھ لیتی ہے۔ طاہر کو بُلخ کی ہر شے اپنی محسوس ہوتی تھی۔ وہ جیسے متلوں  
 اس شہر میں رہ چکا تھا۔ برسوں ان فضاؤں میں پرواہ کر چکا تھا۔

ثیرا کو پہلی بار غور سے دیکھنے کے بعد اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کی تصور پہلے  
 ہی اس کے دل میں موجود تھی اور اس کی آواز برسوں پہلے اس کے کانوں میں گونج  
 چکی ہے۔ وہ نہ جانے کب سے ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔

طاہر کو اچانک ایک خیال آیا اور وہ ایک ہاتھ سے اس تھیلے کو ٹھوٹ لئے لگا جو اس  
 کے پیچھے زین کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ یہ خوب صورت تھیل اُس نے گھوڑے پر سوار  
 ہوتے وقت دیکھا تھا اور اسماعیل نے کہا تھا کہ آپا جان نے اس میں کھانے کی  
 چیزیں رکھوادی ہیں۔ شہر سے نکلنے کے بعد وہ خیالات کی دنیا میں کھو گیا اور چند کوشش  
 تک اس تھیلے کا خیال نہ آیا۔

اس بات سے مطمئن ہو کر کہ تمیا ازین کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوا ہے۔  
 وہ پھر خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ ایک ندی کے کنارے پر پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُترا  
 اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

پانی پینے کے بعد گھوڑا کنارے پر آگی ہوئی گھاس کے تنگے نوچنے لگا۔ طاہر کو  
 بھوک محسوس ہوتی۔ س نے اٹھ کر تھیل اُتارا اور پھر پتھر پر بیٹھ گیا۔ تمیا اکھو لئے ہی

اس کی نگاہ کھانے سے پہلے ایک ریشمی رو مال پر پڑی۔ اس نے رو مال نکالا۔ رو مال میں لپٹنے ہوئے کاغذ کی سرسر اہم اور اس کے ساتھ ہی ایک خوش گوارمہبک سے طاہر نے اپنے پہلو میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کیں۔ اس نے رو مال میں لپٹا ہوا کاغذ نکالا۔ کھولا۔ سیاہ الفاظ رنگ کے پھول بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگے۔ اس اپنا تنفس بھی بار محسوس ہو رہا تھا۔ فضا میں ایک نغمہ گونج رہا تھا۔ ایسا نغمہ جس کی تائیں بہت باندھتیں آہستہ آہستہ اس نغمے کے سر دھیسے ہونے لگے۔ رقص کرتے ہوئے پھول سیاہ دھبیوں میں تبدیل ہونے لگے۔ وہ شریا کا خط پڑھنے لگا۔ پہلی بار اس کے ہونتوں کو جنبش نہ ہوتی۔ دوسری بار اس کے ہونٹ ہلنے لگتی سری بار وہ باند آواز میں پڑھ رہا تھا۔

”میرے محسن! تم نے کہا تھا کہ ایسے پُر آشوب زمانے میں کہنے اور سئنے کا موقع بار بار نہیں آتا۔ میں یہ سطور اسی احساس کے ماتحت لکھ رہی ہوں۔ نانا اور نانی جان میری دامنی حفاظت کے لیے آپ کو منتخب کر چکے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنی بے قراری کا مظاہرہ کر کے اپنے آپ کو ایک مجاہد کی خادمہ بننے کا اہل ثابت نہیں کیا۔

جب آپ بلخ سے کچھ فاصلے پر مجھے خدا حافظ کہنا چاہتے تھے تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس وقت میرے لیے یہ احساس ناقابل برداشت حد تک تکلیف دہ تھا کہ مدنوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر اپنی زندگی کی کتاب کا نیا ورق اُلٹنے والے ہیں۔ مجھے یہ اطمینان نہ تھا کہ وقت کے ہاتھ میں پھر ایک

باراً یک ہی شاہراہ پر لاکھڑا کریں گے۔

اب میں اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کرتی ہوں اور آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ آپ کبھی میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھیں گے۔

میں یہ ضرور کہوں گی کہ آپ بغداد جیسے پُر رونق شہر میں پہنچ کر اس چھوٹے سے شہر کو بخول نہ جائیں لیکن ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتی رہوں گی کہ میرا خیال آپ کے بلند ارادوں میں حائل نہ ہو۔ میری یاد آپ کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے۔ غالباً نانا اور نانی جان آپ سے بہت جلد بخ لوٹنے کا مطالبہ کریں گے لیکن میں یہ اتنا کرتی ہوں کہ جب تک بغداد میں آپ کا مقصد پورا نہ ہو، واپس آنے کا ارادہ نہ کریں۔ میری فکر نہ کریں۔ میں ہمیشہ آپ کی ہوں۔ جب تک سورج دنیا کو صبح کا پیغام دیتا رہے گا اور رات کے وقت ستارے آسمان پر جگہ گاتے رہیں گے، میں آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ آپ خواہ کہیں ہوں، میرے لیے یہ اطمینان کافی ہوگا کہ آپ میرے ہیں۔

### ثريا

طاہر نے خط اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس کی بھوک مرچی تھی۔ اس نے بے تو جنی سے چند نو لے کھائیا اور تھیل زین سے باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا ہوا سے با تیس کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ثريا کے یہ الفاظ ایک نغمہ بن کر گونج رہے تھے۔ آپ خواہ کہیں ہوں میرے لیے یہ اطمینان کافی ہوگا کہ آپ میرے ہیں۔

## دَعْوَةِ عَمَلٍ

زید نے حسب معمول عشاہ کی نماز پڑھنے کے بعد اصطبل میں ایک چکر لگایا۔  
نوکروں کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکان کے ایک کمرے میں واپس آ کر لیٹ گیا تھوڑی  
دیر بعد وہ شمع بخھانے کے لیے اٹھا لیکن سوچ کر بستر کے نیچے ہاتھ ڈال کر لو ہے کا  
مضبوط صندوق ٹوٹنے لگا اور زور زور سے صندوق کھینچنے کے بعد مٹمن سا ہو کر اس  
نے شمع بخھادی۔ یہ صندوق جس کے اندر طاہر کی باقی دولت کے علاوہ صلاح الدین  
ایوبی گی تلوار بھی تھی۔ زید کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ طاہر کے جانے کے بعد اس  
نے گھر سے باہر نکنا ترک کر دیا تھا۔ وہ بنگلی تلوار ہاتھ میں لے کر بغداد کے ان بے شمار  
چوروں اور ڈاکوؤں کے خلاف اڑنے کے لیے تیار ہو جاتا جو اس کے خیال میں طاہر  
کے چلے جانے کے بعد اس صندوق پر رتاك لگائے بیٹھے تھے۔ ابتدائی چند ہفتے تو  
وہ تلوار ہاتھ میں لیے ساری رات بیٹھا رہتا۔ اس کے بعد اس نے پلنگ پرسونے کی  
بجائے صندوق پر بستر جمالیا لیکن صندوق لمبا تھا اور چوڑائی میں چھوٹا تھا، کئی باروہ  
کروٹ بدلتے وقت نیچے گر پڑا۔ آہستہ آہست اس کے خدشات کم ہوتے گئے اور  
اس نے صندوق گھسیٹ کر پلنگ کے نیچے کر لیا۔ اب مکان کے نوکر یہ کہا کرتے تھے  
کہ رات کو سوتے وقت اس کی بڑبردا نے کی بیماری کم ہو گئی ہے۔

زید کو بھی اچھی طرح نیند نہ آتی تھی کہ اسے چھاٹک کی طرف کھٹ کھٹا ہے اس  
کے بعد چوکیدار کی آواز اور پھر چھاٹک کھلنے کی چڑا ہٹ سنائی دی۔ وہ تلوار سنپھال کر  
اٹھا اور بلند آواز میں چلا یا کون ہے؟

اپنے سوال کا جواب نہ پا کروہ اندھیرے میں راستہ ٹوٹا ہوا کمرے کے  
دروازے کے قریب پہنچا اور کواڑ سے کان لگا کر سُننے لگا۔ ایک گھوڑا چھاٹک کے اندر

داخل ہو رہا تھا اور نوکر ایک دوسرے کو جگار ہے تھے۔

زید کہاں ہے؟ کسی نے مکان کے قریب آ کر پوچھا۔

زید کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ یہ ظاہر کی آواز تھی۔ جب چوکی دار نے یہ جواب دیا کہ وہ سورہا ہے تو اس نے چادر اوڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ جب تھا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور بھاگتا ہوا ظاہر سے اپٹ گیا۔

لیکن تمہارے ہاتھ میں ننگی تلوار؟

اُف! مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے آپ کوڈاک سمجھ کر اسے اٹھایا تھا۔

ظاہر نہ سپڑا اور زید نے محسوس کیا کہ اسے اچانک شکایات کے وہ ہزاروں الفاظ بھول گئے ہیں جنہیں وہ انتظار کی نہ ختم ہونے والی راتوں میں دُھرا لیا کرتا تھا۔ وہ فقط اتنا کہہ سکا۔ آپ تند رست تو رہے؟ زخمی تو نہیں ہوئے؟ میں بہت پریشان تھا

ظاہر نے جواب دیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

میں نے کل آپ کے متعلق ایک نجومی سے پوچھا تھا۔

اس نے کیا بتایا؟

اب اگر وہ مجھے مل جائے تو اس کی کتابیں چھین کر دریا میں پھینک دوں گا۔ جھوٹا فربتی۔ مکار۔

پھر بھی اس نے کیا بتایا تھا تمہیں؟

خدا سے غارت کرے۔ وہ کہتا تھا کہ آپ کا ستارہ گردش میں ہے۔ اور آپ ستاریوں کی قید میں ہیں اور جب تک ستارے کی گردش ختم نہیں ہوتی، آپ واپس نہیں آئیں گے لیکن ستارے کی گردش ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی۔ میں

نے اس بے ایمان کو خواہ مخواہی پانچ دینار دیے۔ اس نے آپ کے متعلق اور بھی  
بہت سی واهیات بتیں کیا تھیں۔

طاہر نے ہستے ہوئے پوچھا۔ وہ کیا؟

زید نے نوکروں کو متوجہ دیکھ کر رازداری کے لمحے میں کہا۔ چلیے اندر چلیے!

طاہر نے باورچی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور زید کے ساتھ اندر چلا گیا۔

کمرے میں پہنچ کر زید نے مشعل جلانی۔ روشنی میں اسکی نگاہیں طاہر کی بلاائیں لے رہی تھیں۔ طاہر نے پوچھا۔ ہاں وہ واهیات بتیں کیا تھیں؟

وہ کہتا تھا کہ آپ پر ایک تاتاری شہزادی عاشق ہو جائے گی اور اس کی بدولت آپ تاتاریوں کی قید سے خلاصی پائیں گے۔ کل اگر وہ مجھے مل گیا تو اس کی ایسی گفت بناوں گا کہ تمام عمر یاد کرے گا۔

طاہر نے پوچھا۔ مدینے سے کوئی خط آیا؟

احمد بن حسن یہاں خود آئے تھے اور دو ہفتہ رہ کر چلے گئے، وہ کہتے تھے کہ آپ بغداد پہنچتے ہی اپنا حال لکھیں۔

طاہر نے اپنے دوستوں کے متعلق پوچھا۔ زید نے جواب دیا۔ مبارک قریباً ہر روز آ کر پوچھ جاتا ہے۔ عزیز اور عبد الملک دورے تیرے دن آ کر پوچھ جاتے ہیں۔ باقی کبھی کبھی آتے ہیں۔ ہاں ایک بڑھیا بھی یہاں کئی بار آتی اور وہ بھی آپ کے متعلق پوچھا کرتی ہے۔

وہ کون ہو سکتی ہے؟

مجھے معلوم نہیں۔ میں نے ایک دن اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ دریا کا پل عبور کرنے کے بعد وزیراعظم کے محل میں داخل ہو گئی تھی۔

ظاہر نے کہا۔ اب میں ایک کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تم ابھی عبد العزیز کے پاس جاؤ۔ انہیں میری طرف سے کہو کہ وہ عبد الملک اور باقی قابل اعتماد دوستوں کو لے کر فوراً یہاں آ جائیں۔ اگر وہ سور ہے ہوں تو بھی انہیں کہنا کہ بہت ضروری کام ہے۔ میرا خط لیتے جاؤ۔

(۲)

ظاہر کھانا کھا کر فارغ ہوا تو زید، عبد العزیز، عبد الملک اور مبارک کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچ گیا۔ زید دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گیا اور ظاہر اپنے دوستوں کے ساتھ دیر تک با تین کرتا رہا۔ عبد العزیز کی نگاہ میں خلیفہ، وزیر اعظم اور وحید الدین تینوں اس اس سازیں شریک تھے۔ مبارک کی اپنی کوئی رائے نہ تھی۔ وہ صرف عبد العزیز کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

عبد الملک بولنے کی بجائے سوچ رہا تھا۔ جب ظاہر نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد یہ کہا۔ آپ کے ساتھی جواس سازش کے ثبوت میں پیش کیے جاسکتے تھے، مارے جا چکے ہیں۔ وحید الدین ابھی تک روپوش ہے، اس کی جگہ اس کا نائب مہلب بن داؤد کام کر رہا ہے۔ جب تک، ہم وحید الدین کا پتہ نہیں لگاتے ہم کسی پر کوئی جرم ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ مر چکا ہے یا کسی نامعلوم قید خانے میں پڑا ہوا ہے تو کم از کم میں اس کے متعلق یہ کہہ سبتا ہوں کہ اس کا اس سازش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

عبد العزیز نے سوال کیا۔ وہ کیسے؟

عبد الملک نے جواب دیا۔ اسیدر پرده مارنے یا قید کرنے میں اس شخص کو دل چسپی ہو سکتی ہے جسے اس کو عوام کے سامنے لانے میں اپنی سازش کا بھانڈا پھوٹ

جانے کا ڈر ہو، مثلاً خلینہ یا وزیر اعظم یا کوئی اور جس نے اس کے نام سے سازش کی ہے۔ اس کے بر عکس اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں چھپا ہوا ہے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ تنہ ان سب باتوں کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے جب تک ہم وحید الدین کے غائب ہونے کا راز نہیں کھولتے، ہمیں ان واقعات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا چاہتے۔

طاہر نے کہا۔ یہ راز صرف تین شخصیتوں سے معلوم ہو ستا ہے۔ خلینہ، وزیر اعظم اور مہلب بن داؤد۔ میں مہلب کو اس لیے شریک کرتا ہوں کہ وحید الدین کے غائب ہونے کے بعد عام حالات میں خلینہ کو اس کے نائب پر قطعاً بھروسہ نہیں ہونا چاہتے۔ اس کے علاوہ اس کے ایک دم وزیر خارجہ بن جانے سے بھی شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں میں سے پہا کس سے ملوں۔ عبد الملک نے کہا۔ سب سے پہا وزیر اعظم سے ملیں۔ خلینہ کے وسیع محل میں ایسے اسرار کو جاننے والے ہمیشہ کے لیے دن ہو سکتے ہیں لیکن وزیر اعظم کے محل میں کم از کم ایک وجود ایسا ہے جسے آپ اپنا کہہ سکتے ہیں۔ وہ کون؟ طاہر نے سوال کیا۔

عبد الملک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ آپ بھول گئے؟ میں تو آپ کی خاطر ہر دوسرے یا تیسرے دن اپنی بیوی کو صنیفہ کی تسلی کے لیے بھیجا رہا ہوں۔ طاہر نے کہا۔ میرے ساتھ آپ کی ہمدردی اخلاقی قیود سے تجاوز تو نہیں کر گئی؟

نہیں۔ میں صرف ایک دوست کا فرض پورا کیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق واقعی بہت پریشان تھی!

ظاہرنے کہا۔ مجھے آپ کو بڑا بھائی بنانے پر اعتراض نہیں۔ لیکن یہ اطمینان رکھیے کہ اس لڑکی سے میرا کوئی سروکار نہیں۔

بہر حال اسے آپ سے اُنس ہے۔ اُنس نہیں محبت ہے والہانہ محبت۔ میں خوش ہوں کہ وہ اس قابل ہے۔ میری بیوی بھی اس کی بہت تعریف کرتی ہے۔ چاروں دوست پھر اصل موضوع پر لوٹ آئے اور دری تک بحث کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ظاہر سب سے پہلے وزیراعظم سے ملتے۔ عبدالعزیز وہیں سو گیا اور عبدالمالک اور مبارک اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیے۔

(۳)

علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر ظاہر وزیراعظم کے محل پر پہنچا۔ با غیچے میں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں جانب خوش نما پھولوں کی کیاریاں دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسے پھولوں کے درمیان ایک خوب صورت لڑکی دکھانی دی۔ وہ آہستہ آہستہ چھپل قدی کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چند پھول تھے۔ وہ ایک پودے کے پاس پہنچ کر رُکی۔ جھک کر ایک پھول توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن ظاہر کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ظاہرنے ایک ہی نگاہ میں اسے پہنچان لیا۔ وہی بڑی بڑی آنکھیں جو اس نے دریائے دجلہ کے کنارے دیکھی تھیں اور وہی حسین چہرہ جو اس نے چاند کی روشنی میں اس باغ کے ایک گوشے میں دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔  
وہ صرفیہ تھی۔ وہی صرفیہ!

ظاہر کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ مسرت سے تتما اٹھا۔ ایک لمحے کے لیے ظاہر جھبجھ کا رُکا۔ پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا آگے نکل گیا۔

وزیراعظم نے اطلاع ملتے ہی اسے اندر بالا بالا بڑی گرم جوشی سے مصانعہ کیا اور

کہا۔ تم نے بہت دیر لگائی، میں ماہیوں ہو چکا تھا۔ کب پہنچے؟

طاہر نے ذرا تنصیل کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن اس نے جلد ہی محسوس کیا کہ وزیراعظم کے خیالات کہیں اور ہیں۔ ماہی سے زیادہ اسے پریشانی ہوتی۔ اس کا خیال تھا کہ وزیراعظم فوراً ابو اسحق، مال اور جمیل کے متعلق پوچھے گا لیکن اسے جیسے ان کے متعلق یا بھی نہ تھا۔

طاہر نے ابھی تک تنصیل کے ساتھ قرار قرم پہنچنے کے حالات بیان نہ کیے تھے کہ وزیراعظم نے بات کاٹ کر سوال کیا۔ خلینہ کا خط پڑھ کر چنگیز خان نے کیا کہا تھا؟

اس نے کہا تھا کہ ہم خوارزم پر چڑھانی کرنے کا راہہ ترک کر چکے ہیں۔

جھونا! فرمی!! اس نے ہونٹ کا ٹیتھے ہوئے کہا۔

طاہر نے کچھ سوچ کر کہا۔ لیکن چنگیز خان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے خلینہ کے غیر جانب دار رہنے کے متعلق اطمینان ہو چکا ہے۔ شاید قرار قرم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو چنگیز خان کو یہی دے رہے ہیں کہ خوارزم شاہ کے متعلق خافیہ کا طاہر باطن ایک نہیں۔

یہ تو ہر حمق کو علم ہے اور میں چنگیز خان کو حمق نہیں سمجھتا۔ بہر حال مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہیں وہاں بھیجا گیا۔ اب دُنیا کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ہم نے درپرداہ چنگیز خان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ سپہ سالار کے مستعفی ہو جانے سے اس قسم کے شکوک اور بڑھ جائیں گے۔

سپہ سالار مستعفی ہو گئے؟

وزیراعظم اس سوال پر چونکا۔ ابھی یہ خبر کسی پر طاہر نہ کرنا۔ میں کوشش کر رہا

ہوں کہ وہ اپنا استغفی واپس لے ہیں اس وقت ہمیں ان کی ضرورت ہے۔

طاہر نے کہا۔ وحید الدین کے متعلق کچھ پتہ چلا؟

نہیں اور مجھے اب ان باتوں سے کوئی لچکی نہیں رہی۔

میں خلینہ سے مانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اس بارے میں میری کوئی مدد کریں گے؟

وزیراعظم نے بے پرواٹی سے جواب دیا۔ خلینہ کو نوجوانوں کے جذبات کا کوئی لحاظ نہیں۔ تم نہیں یہ کہو گے کہ خوارزم شاہ کی مدد کافوراً اعلان کر دیا جائے اور تمہیں وہی جواب ملتے گا جس سے مایوس ہو کر سپہ سالار مستغفی ہونا چاہتا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ تمہیں ہم نے کب سے مشیر بنایا ہے؟

ممکن ہے کہ میں خلینہ کے سامنے آنے والے خطرات کا صحیح نقشہ پیش کر سکوں اور۔۔۔۔۔

وزیراعظم نے بات کاٹ کر کہا۔ برخودار بغداد میں سمجھانے والوں کی کمی نہیں تھی جاؤ۔ میں وقت آنے پر تمہیں بالکوں گا۔ تمہارے لیے میں کوئی موزوں عہدہ سونچ رہا ہوں۔ چند دنوں تک تمہیں اطلاع عمل جائے گی۔

طاہر نے کہا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موجودہ صورتِ حالات میں سلطنت میں کسی عہدے پر فائز ہو کر کوئی شخص قوم کی صحیح خدمت سرانجام نہیں دے سکتا۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وقت آنے پر میں اپنے آپ کو قوم کا ایک جاں شارپا ہی ثابت کر سکوں گا۔

(۲)

صفیہ اپنے ہاتھ میں بچولوں کا ایک گلدنستہ باغ میں گزرنے والی نہر کے

کنارے کھڑی تھی۔ وہ ایک پھول کو بنتے ہوئے شفاف پانی میں پھینک دیتی اور جب وہ کچھ دور نکل جاتا تو وہ دوسرا پھول پھینک دیتی۔ جب گلدستہ ختم ہو جاتا وہ پاس کی کیاریوں سے نئے پھول توڑ کر گلدستہ بناتی اور پھر اسی کھیل میں مشغول ہو جاتی۔

صفیہ کا تیرا گلدستہ تقریباً ختم ہو چکا تھا کہ اسے طاہر ڈیورٹھی سے نکل کر دروازے کی سیڑھیوں سے اترتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے سنگ مرمر کے پل پر سے گزر کر نہر عبور کی اور پاس کی کیاری سے پھول توڑ نہ لگی۔ طاہر قریب آ رہا تھا۔ صفیہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ تاہم اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ بھکلتے ہوئے پھولوں کی کیاری سے باہر نکلی۔ نہر عبور کر کے دوبارہ سڑک پر پہنچنے کے لیے سنگ مرمر کی سل پر پاؤں رکھا لیکن زگاہوں کے سامنے حیا کے پردے حائل ہو گئے۔ اس کا ڈمگا تھا ہوا پاؤں اچانک پھنسلا اور وہ پانی میں آ رہی۔ طاہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارادینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ صفیہ نے آنکھاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے چہرے پر حیا کی نُرمی و سپیدلہریں رقص کرنے لگیں۔

شکریہ! اس نے باہر نکل کر اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ کو چوت تو نہیں آئی۔ طاہربولا۔  
نہیں۔

طاہر نے تذبذب کی حالت میں ایک قدم اٹھایا لیکن صفیہ نے جلدی سے کہا۔ میں یہ پھول توڑ رہی تھی۔ لیجیے! اس نے پھول طاہر کی طرف بڑھا دیا اور طاہر نے بدحواسی کی حالت میں پھول پکڑ لیے۔

وہ بولی۔ بغداد میں آپ کا بہت انتظار تھا۔ آپ نے بہت دیر لگائی؟

ہاں کچھایسے ہی حالات پیدا ہو گئے تھے۔

طاہر کوئی اور بات کیے بغیر چل دیا۔ صفیہ کچھ دیر و ہیں کھڑی رہی۔ کیا ریوں کے پھول سکرار ہے تھے اور نہر کا شفاف پانی قیقہے لگا رہا تھا۔ اس نے پھر چند پھول توڑے اور سنگ مرمر کی سل پر کھڑی ہو کر انہیں ایک ایک کر کے ندی میں پھینکنے لگی۔ صفیہ! صفیہ!! تم آج گھر نہیں آؤ گی؟ سکینہ ڈیورٹھی کے قریب سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر کھڑی اسے پکار رہی تھی۔

آنی سکینہ۔ اس نے جلدی سے قدم اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

محل سے باہر نکلنے کے بعد طاہر دریا کے پل پر ٹھوڑی دیر کھڑا رہا۔ اس نے پھولوں کی طرف غور سے دیکھا پھر جھک کر بہتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنے لگا۔ کسی گہرے خیال میں پھولوں پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ پھول رگر کر دریا میں تیرتے ہوئے اس کی نظروں سے اوچھل ہو گئے۔ ثریا! ثریا!! میں تمہارا ہوں صرف تمہارا۔ وہ یہ کہتا ہوا اپاں سے چل دیا۔ ہر قدم پر اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

اس کے مکان پر عبدالعزیز، عبدالملک، مبارک اور افضل اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کی دی۔ طاہر نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں حیران ہوں کہ اب تک یہ بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی کہ اس وقت ہم سازش کے اعلیٰ مجرم کو پکڑنے یا پکڑوانے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اس سے خوارزم کی مصیبت ٹھیل نہیں جاتی۔ ہو سنا ہے کہ وزیر اعظم مجرم ہو۔ یہ بھی ہو سنا ہے کہ خلیفہ کا بھی اس میں ہاتھ ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں بری الذمہ ہوں لیکن وقت ایسا نہیں جسے ضائع کیا جائے۔ تاتاریوں کا سیاہ بہت

تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل بغداد کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا جائے۔ انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کیا جائے۔ بغداد میں ہر فرقے دوسرے فرقے اور ہر گروہ نے دوسرے گروہ کے خلاف مورچہ بنارکھا ہے۔ انہیں اب یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ایک محاذ ایسا بھی ہے جہاں کفر کی تمام طاقتیں جمع ہو کر مسلمانوں کی تمام قوت کو متحد ہونے کی دعوت دے رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک مشترکہ خطرہ ہمیں اجتماعی جدوجہد کے لیے آمادہ کر ستا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جو چھپ چھپ کرتا تاریوں کی حمایت کر رہے ہیں، کھلے بندوں ہمارے سامنے آجائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہاب بغداد کی ہر مسجد سے ایک ہی نعرہ بلندہ واور وہ یہ کہتا تاریوں کے مقابلے میں ہم ایک ہیں۔ سب سے پہلے میں بغداد کی جامع مسجد میں یہ نعرہ لگاؤں گا۔

فضل نے کہا۔ خدا کرے آپ کو کامیابی ہو لیکن گزشتہ دو تین صدیوں میں بغداد کے مسلمان صرف آپس میں ایک دوسرے کا سر پھوڑنا سیکھے چکے ہیں۔ سُنی شیعہ کا دشمن ہے تو شیعہ سنی کے خون کا پیاسا حضنی، مالکی اور شافعی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ آپ کسی مسجد میں جائیں۔ کسی اجتماع کو مخاطب کریں، آپ سے پہلا سوال یہ پوچھا جائے گا کہ حضرت آپ کون سے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

طاہر نے جواب دیا کہ مجھے ان سب مشکلات کا احساس ہے لیکن میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہاب یہ صورت حالات زیادہ دیر قائم رہ سکتی ہے۔ مشترکہ خطرے کا احساس ان اختلافات کو مٹا ستا ہے۔

فضل نے کہا۔ اس کے ذمے دار ہمارے وہ تن آسان علماء ہیں جن کے

سامنے کوئی نصب العین نہیں لیکن آج انہیں یہ بتایا جا سنتا ہے کہ تمہارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو ہر کلمہ گو کی دشمن ہے۔ تمہاری آزادی کے چراغ بجھنے والے ہیں۔ ہم ان علماء کو یہ کہیں گے کہ تم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اڑا کر دیکھ لیا۔ اب نار میدان میں تمہیں للاکار رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عوام انہیں گھسیت کر میدان میں لے آئیں گے۔

عبدالعزیز اور عبد الملک نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ طاہر جمعہ کے روز جامع مسجد میں اہل بغداد کو خوارزم کے حالات سے آگاہ کرے اور اس سے قبل شہر میں یہ مشہور کردائے جائے کہ ایک شخص اہل بغداد کے نام خوارزم کے مظلوم مسلمانوں کا پیغام لایا ہے۔

اٹھنے سے پہلے عبد العزیز نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت ہمیں دریتک ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہ دے گی اور آئندہ چند دنوں کے بعد ہماری منزل خوارزم کا میدانِ جنگ ہو گا لیکن ہمارے لیے بہتر ہو گا کہ حکومت پر ہماری سرگرمیاں ظاہرنہ ہوں۔ ظاہر کی تقریر کے بعد وہ لوگ جوتا تاریوں کے پاس ہمیں فروخت کرنے کا تہبیہ کر چکے ہیں۔ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اس کے بعد ہمیں ظاہر کو اس وقت تک چھپا کر رکھنا پڑے گا جب تک عوام کا جوش ان کے لیے ایک ناقابلٰ تسخیر قلعہ نہیں بن جاتا۔ اگر وزیر اعظم یا خلینہ کی نیت بُری ہے تو وہ ظاہر کو فوراً اگر فتار کرنے کی کوشش کریں گے اور ان دنوں بد قسمتی سے غداروں کی ہم میں کمی نہیں۔ اس لیے آپ کے سامنے سب سے پہلے میں ظاہر کے ساتھ وفاداری کی قسم کھاتا ہوں اور آپ سے بھی قسم اٹھانے کی درخواست کرتا ہوں۔

تمام دوستوں نے یہ قسم اٹھائی تو عبد العزیز نے کہا۔ اب اگر ہم میں سے کوئی

غدر اثابت ہوا تو باتی دوستوں کا یہ فرض ہو گا کہ وہ اس کی گردن اڑادیں۔

سب دوستوں نے اس تجویز کی تائید کی اور یہ مخفک برخاست ہوئی۔

(۵)

جمعہ سے پہلے شہر کی ہر مسجد اور ہر درس گاہ کے دروازے پر اس مضمون کے اشتہار چسپاں تھے کہ نماز جمعہ کے بعد ایک شخص ترکستان کے مسلمانوں پر تاتاریوں کے مظالم کے چشم دید حالات بیان کرے گا۔ قاضی خخر الدین نے شہر کے چند باعمل علماء اور مختلف درس گاہوں کے طلباء نے بغداد کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کریمہ منادی کر دی کہ بغداد کے مسلمانوں کے نام ترکستان کے مسلمانوں نے ایک پیغام بھیجا ہے اور یہ پیغام لانے والا وہ نوجوان ہے جس کے باپ نے ہلال و صلیب کی جنگ میں یروشلم پر مسلمانوں کی فتح کا پرچم لہرا�ا تھا اور صالح الدین ایوبیؒ کی تلوار بطور انعام حاصل کی تھی۔

جماعت کی شام کو ظاہر کو وزیر اعظم نے اپنے محل میں بایا اور اس سے سوال کیا کہ تم بغداد کے لوگوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہو؟

وزیر اعظم کے متعلق ظاہر کے شبہات ایک بار پھر تازہ ہو چکے تھے لیکن اس نے تبر سے کام لیا مناسب سمجھا اور جواب دیا۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ سلطنت خوارزم تاتاریوں کی آخری منزل نہیں۔ انہیں اگر وہاں کامیابی حاصل ہوئی تو ان کی دوسری منزل عراق ہوگی۔ ممکن ہے کہ دولت عباسیہ کے ساتھ چنگیز خان کے دوستانہ تعلقات قائم رہیں لیکن کمزور کے لے طاقت ور کی دوستی کا بھروسہ حماقت ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم بُرے سے بُرے حالات کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں۔ میں بغداد کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتا ہوں تاکہ اگر دشمن

آجائے تو وہ کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے تیار ہوں۔

تم نے مجھے اس دن کیوں نہ بتایا کہ تم جامع مسجد میں تقریر کرنا چاہتے ہو؟

اس وقت یہ بات میرے ذہن میں نہ تھی۔ اگر میری جگہ ہوتے تو شاید ایسے معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

مجھے ڈر ہے کہ تم خلیفہ کے متعلق کوئی گستاخی نہ کر بیٹھو۔

لیکن میں اس کے بر عکس یہ سمجھتا ہوں کہ اس تقریر سے خلیفہ اور آپ کی بہت بڑی خدمت سرانجام دوں گا۔

طاہر نے وزیر اعظم کے اصرار پر وہیں کھانا کھایا۔ دسترخوان پر قاسم بھی موجود تھا۔ اس نے بے تو جنی سے خوارزم کے متعلق چند سوالات پوچھے اور جب طاہر وزیر اعظم سے رخصت ہوا تو قاسم برآمدے تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ طاہر کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے اس نے ظفر اسوال کیا۔ کیا آپ نے اس سے قبل کسی بڑے مجمع میں تقریر کی ہے؟

میں صرف ایک سپاہی ہوں۔ طاہر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

محل سے باہر عبدالعزیز اور عبدالمالک نہایت بے چینی سے طاہر کا انتظار کر رہے تھے۔ عبدالعزیز نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ آپ نے سخت غلطی کی۔ ہمیں ڈر تھا کہ وزیر اعظم آپ کو خطرناک سمجھ کر حرast میں نہ لے لے!

طاہر نے کہا۔ ڈر تو مجھے بھی تھا لیکن مصلحت اسی میں تھی کہ میں انہیں کل تک اپنے متعلق غلط فہمی کا شکار نہ ہونے دوں ورنہ وہ مسجد کے دروازوں پر پھرہ لگا دیتے

جمعہ کی نماز کے بعد ایک نوجوان نے منبر پر کھڑے ہو کر حاضرین سے طاہر بن یوسف کو تعارف کرایا۔ طاہر تقدیر کے لئے اٹھا۔ اتنے بڑے ہجوم کے سامنے وہ پہلی بار کھڑا تھا۔ قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کے بعد اس نے جھبکتے ہوئے تقریر شروع کی۔ بغداد کے لوگ آئے دن مناظروں اور جلسوں میں بڑے بڑے جادو بیان مقررین کی تقریریں سن چکے تھے۔ تھوڑی دیر وہ بت تو جنی سے بیٹھنے رہے اور آپس میں کاناپھوسی کرنے لگے۔ اس جلسے میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بغداد کی سب سے بڑی مسجد کے عبزر پر کسی اجنبی کا کھڑا ہونا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایسے عوام بھی تھے جو یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش آج بھی کوئی مناظر ہو ہتا۔

ایک مشہور عالم نے نہایت بھولے انداز میں اٹھ کر کہا۔ آپ براہ کرم بیٹھ جائیں اور شخص کو بولنے کا موقع دیجیے جو ترکستان سے آیا ہے۔

اس پر بعض لوگ نہ سپڑے لیکن طاہر پر اس مذاق کا غیر متوقع اثر ہوا۔ اس نے ایک ثانیہ خاموش رہنے کے بعد پھر تقریر شروع کی:

”میرے دوست! یہ جگہ مذاق کے لیے نہیں۔ تاہم میں تمہاری زندہ دلی کی داد دیتا ہوں۔ کاش! تم میدانِ جنگ میں بھی اسی قدر زندہ دلی کا ثبوت دے سکو۔ میں یہاں اپنی تقریر کی داد لینے کے لیے نہیں آیا۔ میں نہ مقرر ہوں نہ داستان گو۔ میرے پاس آپ کی تفریح کا کوئی سامان نہیں۔ میں صرف ایک اپلچی ہوں، ترکستان کے ان فرزندانِ اسلام کا جن کی کھوپڑیوں سے تاتاری اپنی فتح کی یادگاریں تعمیر کر رہے ہیں۔ میں ان دختر ان

اسلام کا اپنی ہوں جن کی عصمت کے رکھوائے خاک اور خون

میں تڑپ رہے ہیں اور اب ان کی آخری امید تم وہ۔ میرے  
پاس قیقہ نہیں، آنسو ہیں۔ اپنی جادو بیانی پر ناز کرنے والو! قوم کو  
لوریاں دے کر سلانے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ میں تمہیں موت  
کی نیند سے جگانا چاہتا ہوں۔ میری باتیں کان کھول کر سنو!

ظاہر کی آواز اب بلند ہو رہی تھی۔ رُک رُک کر بولنے والی زبان میں اب  
پیاری ندی کی سی روائی آچکی تھی۔ آہستہ آہستہ لوگ اس پیاری ندی میں ایک دریا  
کا تموج محسوس کرنے لگے۔ وہ دریا جس میں بندی کے بعد دیگرے ٹوٹ رہے ہوں،  
لوگ ایک رو میں بہتے چلے جا رہے تھے۔

وہ ماضی کے نقاب اٹھا کر اس بھولی ہوئی منزل کی طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں  
سے عہرانشیناں عرب تسبیحِ عالم کا ارادہ باندھ کر نکلنے تھے۔ وہ تاریخ کے ورق اُٹ کر  
ان مجاہدین کا داستان سنارہ اٹھا جنہوں نے مشرق و مغرب میں اسلام کا بول بالا کیا  
تھا۔ وہ مستقبل کے پرواروں میں چھپے ہوئے طوفان کی طرف اشارہ کر رہا تھا اور  
لوگ دم بخود ہو کر سن رہے تھے۔ بعض کی آنکھیں پُر نم تھیں۔ ایک نوجوان بڑی  
مشکل سے اپنی سکیاں ضبط کر رہا تھا۔ ظاہر کہہ رہا تھا:

”قوم کے دامن پر بد بختی کی سیاہی آنسوؤں سے نہیں  
خون سے دھوئی جاتی ہے۔ یاد رکھو! جس قسم کی زندگی تم بسر کر  
رہے ہو، وہ فطرت کے ساتھ ایک مذاق ہے اور فطرت اپنے  
ساتھ مذاق کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتی۔ مسلمانوں  
کی اشتانی یہ تھی کہ وہ غار کے مقابلے کے لیے ایک سیسہ پلاٹی

دیوار بن جاتے تھے لیکن آج جب کہ کفر تمہارے خلاف اپنی تمام  
طاقتیں منظم کر رہا ہے، تمہارے عالم تمہیں بغداد کے چورا ہوں پر  
جمع کر کے ایک دوسرے کا سر پھوڑ نے کام شورہ دیتے ہیں۔“

اس پر ایک شخص جو بغداد کے ایک گروہ کا نامور مناظر سمجھا جاتا تھا، اٹھ کر کھڑا  
ہو گیا اور چلایا۔ میں! صدارب و احترام یہ پوچھنے کی جرات کرتا ہوں کہ آپ کس  
فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

طاہر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ایک مسلمان ہوں۔

کس قسم کا مسلمان؟ اس نے پھر سوال کیا۔

طاہر نے جھل کر جواب دیا۔

”تم تین سو سال سے مسلمانوں کی فتنیں گن رہے ہو  
لیکن آج تک اصلی اور ناقی، سچے اور جھوٹے کا فیصلہ نہیں ہو سکا اور  
اس کی وجہ یہ ہے کہ تم دوسروں کو اسلام کی کسوٹی پر نہیں پر کھتے بلکہ  
تم میں سے ہر ایک نے اپنے لیے علیحدہ علیحدہ کسوٹیاں بنارکھی  
ہیں اروان کسوٹیوں پر تمہاری اپنی ذات کے سوا کوئی پورا نہیں  
اُترتا۔ میرے عزیز! ہو سنا ہے کہ میں ایک کم عالم آدمی ہونے کی  
صورت میں تمہاری طرح نہ سوچ سکوں۔ خیالات کے پر لگا کر  
تمہارے ساتھ باند فضاؤں میں پرواز نہ کر سکوں اور دوسروں کا  
ایمان پر کھنے کے لیے جو کسوٹی تم نے بنائی ہے، میں شاید اس پر  
پورا نہ اُتر سکوں اور میری طرح اور بھی لاکھوں مسلمان شاید اس  
کسوٹی رپ پورے نہ اُتر سکیں۔ لیکن اگر تم خوارزم کے کسی

میدان میں میرے ہم رکاب ہوتے اور وہاں یہ سوال کرتے کہ  
میں کس قسم کا مسلمان ہوں تو میں تمہیں یہ جواب دیتا کہ سامنے  
چند قدم پر مومن کے ایمان کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر میں نار  
کے تیروں کی بارش میں مسکرا سکوں، ان کی تلواروں کے سائے  
میں کلمہ پڑھ سکوں، اگر موت کا ہاتھ پانی شہرگ کے قریب دیکھ  
کر میرے پاؤں متزال نہ ہوں تو سمجھ لینا کہ میں مسلمان ہوں  
۔ اگر میرا جسم نار کے گھوڑوں کے پاؤں تلے رومندا جا رہا ہو اور  
مسکرات موت میں بھی میرے منہ سے یہ دُعا نکل رہی ہو کہ یا  
اللہ! اپنے محبوب کی امت کا جہنڈا باندرا کھیو تو سمجھ لینا کہ میں ایک  
مسلمان ہوں۔ میرے بھائی! برانہ ماننا، مومن کے ایمان کی  
کسوٹی وہ نہیں جسے تم ہر روز بغداد کے چورا ہوں میں رکھ کر بیٹھ  
جاتے ہوں نہیں۔ مومن کے ایمان کی کسوٹی میدانِ جہاد ہے  
جہاں ہر مسلمان کے خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے خواہ وہ سُنبی ہو،  
خواہ شیعہ۔ خواہ حنفی ہو۔ خواہ مالکی۔ خواہ آپ جیسا روش خیال  
عالیٰ ہو، خواہ میرے جیسا کم عالم۔ دارالامن میں اگر تم لوگ ایک  
ہزار سال اور بھی مناظرے کرتے رہو تو بھی یہ ثابت نہ کر سکو گے  
کہ کون جھوٹا ہے اور کون حقاً لیکن میں نے قوقد میں اپنی آنکھوں  
سے دیکھا ہے کہ ایک فرقے کا مسلمان دوسرا فرقے کے  
مسلمان کے لیے ڈھال تھا۔ حملے کے وقت ان کا اندر ہا ایک تھا۔  
شہادت کے وقت ان کا کلمہ ایک تھا۔ وہ سب ایک ہی قسم کے

مسلمان تھے۔ ہاں میدان سے باہر میں نے کئی قسم کے مسلمان دیکھے ہیں۔ ہم نیں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طاقت و رُشْتمن سے جہاد جائز نہیں۔ ہم میں وہ بھی ہیں جو دشمن کا نام سن کر بھاگ جاتے ہیں، وہ بھی ہیں جو اپنی ذات کو چنگیز خان کی نظر کرم کا مستحق بنانے کے لیے عالمِ اسلام کو تاتاریوں کے پاس فروخت کر رہے ہیں اور تمہارے اس شہر میں بھی جہاں ہر عالم کو دوسرے کا ایمان ناپنے کی فکر ہے، اونچے ایوانوں میں رہنے والوں کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو ترکستان پر تاتاریوں کی یلغار کی حمایت کرتی ہے۔

میرے عزیز اور بُرگوار! شاید مجھے بغداد میں اتنے بڑے مجمع کے سامنے دوبارہ تقریر کرنے کا موقع نہ ملے، میری باتیں کان کھول کر سئیں اور میرا پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دیجیے جسے قوم کے مستقبل کا تھوڑا بہت خیال ہے۔ تاتاریوں کا سیاہ معمولی سیاہ نہیں اور اس وقت دولت خوارزم اس سیاہ کے سامنے آخری چٹان ہے۔ اگر یہ چٹان نابود ہو گئی تو یہ نہ سمجھو کہ یہ سیاہ وہیں رُک جائے گا۔ اس کی سرکش لہریں کسی دن بغداد کے باند ایوانوں کو بھی متزال کر دیں گی۔ اگر ہم نے غفلت کی تو ہم صفحہ ہستی سے مٹا دیے جائیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام مٹا دیا جائے گا۔ اسلام مٹنے والی چیز نہیں۔ یہ خدا کا دین ہے۔ اگر تم اس کی حفاظت نہ کر سکے تو خدا کسی اور قوم کو اس کی حفاظت کے

لیے منتخب کر لے گا۔ یہ ایک ایسا سفینہ ہے جس پر کوئی طوفان غالب نہیں آ ستا۔ یہ ہمیشہ تیرتار ہے گا۔ اگر تم خدا کے اس سفینے کو چھپوڑ کر دوسرا کشتیوں پر سوار ہو گئے تو تم خود ڈوب جاؤ گے اور دوسرا قوم اس سفینے پر سوار ہو جائے گی۔

تمہاری کامیابی کا راز اجتماعی جدوجہد میں ہے اور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت اس وقت سے زیادہ کبھی نہ تھی جب کہ گفر کی تمام طاقتیں تمہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے تیار ہو چکی ہیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ بغداد کے اونچے ایوانوں میں رہنے والے بعض لوگ خوارزم کے خلاف تاتاریوں سے سازباز کر چکے ہیں۔

ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ ہم انکے نام سننا چاہتے ہیں!  
طاہر نے جواب دیا۔

”میں صرف سازش کے متعلق جانتا ہوں۔ ابھی تک کسی خاص شخصیت کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا لیکن اب ہم پر ایسا وقت آرہا ہے کہ چھپے ہوئے منافقین کھلے بندوں ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ سلطنت کے وہ امراء جو یہاں موجود ہیں، میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خلیفۃ المسلمين کے سامنے صحیح صورت حالات پیش کریں۔ اس وقت تاتاریوں کے مقابلے کے لئے خوارزم کا ساتھ نہ دینا خود کشی کے مترادف ہوگا۔ حالات کا مطالبہ ہے کہ خلیفۃ المسلمين تاتاریوں کے خلاف اعلان جہاد

کریں۔ اس کے بعد منافقین کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ خود بخود میدان میں آجائیں گے۔ وہ کوشش کریں گے کہ ہمارا گلا گھونٹ کر ہماری آواز دبادی جائے۔ وہ تاتاریوں کے حق میں اور خوارزم کے مسلمانوں کے خلاف فتوے شائع کرائیں گے۔

میرا کام تمہیں ایک راستہ دکھانا تھا۔ اب چلنا یا بیٹھ جانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم منظم ہو جاؤ تو مجھے یقین ہے کہ خلفیتہ اُسمیں جو آنے والے خطرات سے بے خبر نہیں فوراً اعلانِ جہاد کریں گے۔ سر دست میں یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ بغداد میں سے وہ کون ہیں جو تاتاریوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ اس قبل میں خلینہ اور وزیر اعظم کی طرف سے کسی اعلان کا انتظار کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور مجھے یہ امید ہے کہ یہ اعلان جہاد کے متعلق ہو گا ورنہ میں وثوق سے یہ کہہ سکوں گا کہ بغداد میں عالمِ اسلام کے سب سے بڑے دشمن کون ہیں۔

سر دست آپ میں سے جو لوگ تاتاریوں کے خلاف خوارزم کے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ وہ مجھے اپنا ایک رفیق کا سمجھیں۔ اگر وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی کسوٹی پر انکار نگ کیسا اُرتتا ہے تو خوارزم کے میدان ہم سے دُور نہیں۔“

..... اختتام ..... حصہ اول .....